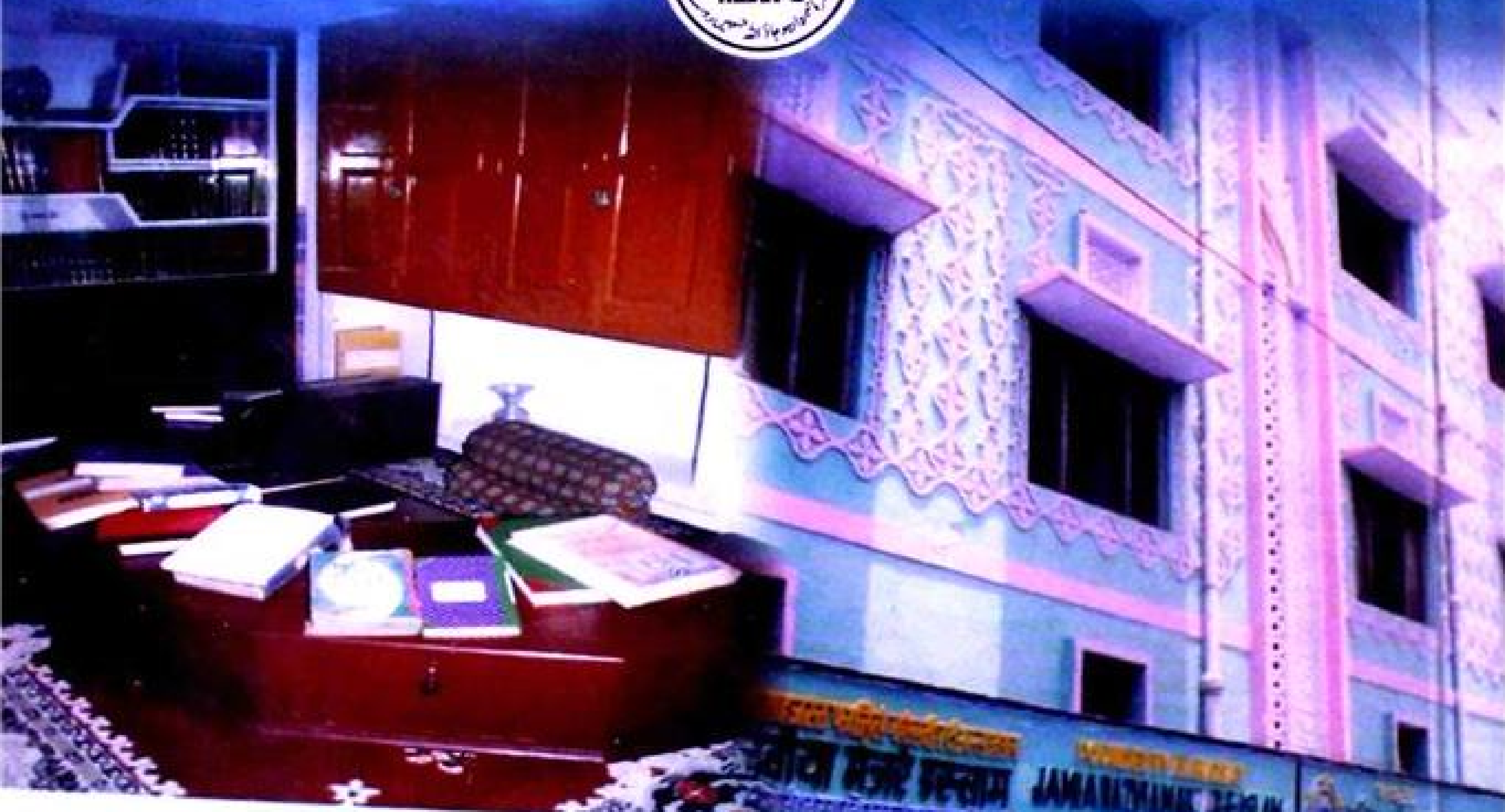


ملک العلماء

...رضوی علیہ الرحمہ کی حیات وخدمات پر گرانقدر مقالات کا مجموعہ



...ظفر کو اپنی ظفر دے
اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں
(امام احمد رضا)

علامہ ساحل شہسرامی (علیگ)

ناشر: ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل (کراچی پاکستان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ملک العلما

ملک العلما شاہ ظفر الدین قادری رضوی علیہ الرحمہ کی
حیات و خدمات پر گرانقدر مقالات کا مجموعہ

علامہ ساحلؔ شہسرامی (علیگ)

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی، پاکستان

نام کتاب : ملک العلما

مصنف : علامہ ساحل شہسرامی (علیگ)

ناشر : ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی، پاکستان
www.imamahmadraza.net

تعاون : رضا دار المطالعہ، پوکھیرا، سیتامڑھی (بہار)

سنِ اشاعت : ۱۴۲۷ھ/2006ء

صفحات : 288

تعداد : 1000

قیمت : 150 روپے

ملنے کا پتہ

۱۔ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، ۲۵۔ جاپان مینشن، رضا چوک (ریگل)، صدر، کراچی، پاکستان (فون:0092-21-2725150)

۲۔ مکتبۂ قادریہ، داتا گنج بخش روڈ، لاہور

۳۔ مکتبۂ نبویہ، داتا گنج بخش روڈ، لاہور

پیشِ گفتار

کسے کہ حسنِ رخِ دوست در نظر دارد
محقق است کہ او حاصلِ بصر دارد

ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین قادری رضوی بہاری علیہ الرحمۃ والرضوان (۱۳۰۳ھ/ ۱۸۸۰ء۔ ۱۳۸۲ھ/ ۱۹۶۲ء) کے بلند علمی قد و قامت کے تعارف کے لئے یہی سند کافی ہے کہ آپ عالمِ اسلام کے عظیم فقیہ، مجددِ عصر اور عبقریِ وقت کے شاگردِ رشید، خلیفہ اور علومِ عقلیہ و نقلیہ میں اپنے استاذِ گرامی میں (اعلیٰ حضرت) کے سچے جانشین ہیں۔

ملک العلما کی علمی فتوحات، آپ کی نگارشات، تحقیقات اور فتاویٰ کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے والی مقتدر علمی شخصیات اس حقیقت پر گواہ ہیں کہ مقاماتِ دین کے فہم اور اصولِ دین کی بصیرت کا جو خاص رنگ ان کی مربی، شیخِ طریقت اور استاذِ گرامی امام احمد رضا فاضلِ بریلوی قدس سرہٗ کا تھا وہ حضرت فاضلِ بہاری علیہ الرحمۃ کے فتاویٰ اور تحقیقی نگارشات سے جگہ جگہ جھلکتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس اعتبار سے حضرت ملک العلما نے علومِ عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل میں اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے ورثۃ العلمی کے محافظ کا کردار ادا کیا ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں آپ بحیثیت ایک محدث، ایک محقق، ایک مناظر، ایک مصنف، ہیئت و توقیت اور تکسیر و ریاضی کے ماہر و نیز ایک محنتی اور وسیع المطالعہ مدرس اور ماہرِ تعلیم، ایک اچھی شہرت کے مالک ہیں۔ آپ کے ہم عصر علماء اور کالج و یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ اسکالرز، دونوں آپ کے علمی مقام و

مرتبہ کو قدر و احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ آپ کے مرشد برحق اور مشفق استاذ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت قدس سرہٗ العزیز نے بھی آپ کی اس علمی لیاقت کا اکرامی اعتراف خود اپنے قلم سے یوں تحریر کیا ہے:

''مکرمی مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری سلمہٗ، فقیر کے یہاں کے اعزّ طلبا سے ہیں اور میرے بجان عزیز۔ ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیلِ علم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسہ میں مدرس اور اس کے علاوہ کارِ افتاء میں میرے معین ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں، سب میں یہ زائد ہیں مگر اتنا ضرور کہوں گا:

سنّی خالص، مخلص، نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی ہیں۔ عام درسیات میں بفضلہٖ تعالیٰ عاجز نہیں، مفتی ہیں مصنف ہیں، واعظ ہیں، مناظرہ بعونہٖ تعالیٰ کر سکتے ہیں، علمائے زمانہ میں علمِ توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔ فقیر آپ کے مدرسے کو اپنے نفس پر ایثار کر کے انہیں آپ کے لئے پیش کرتا ہے۔'' (کلیاتِ مکاتیبِ رضا، ص:۲۰۹، ۲۱۰ مرتب: ڈاکٹر شمس مصباحی پورنوی، مطبوعہ دار العلوم قادریہ صابریہ برکاتِ رضا، کلیر شریف، روڑکی، ضلع ہری دوار اترانچل، انڈیا)

گرچہ ملک العلما متعدد علوم وفنون پر دسترس رکھتے تھے مگر علوم کی درجِ ذیل فروع میں آپ کو تخصص کا درجہ حاصل تھا: ۱۔علومِ حدیث ۲۔فقہ ۳۔تصوف ۴۔عقائد و مناظرہ ۵۔ہیئت و توقیت اور ۶۔سوانحی ادب

ہندوستان کی معروف درسگاہ جامعہ اشرفیہ مبارکپور کے فاضل، مسلم یونیورسٹی، علیگڑھ کے ریسرچ اسکالر، علامہ مولانا ارشاد احمد ساحل شہسرامی زیدہ علمہٗ

ایک باصلاحیت عالم اور تحقیقی مزاج کے مصنف ہیں۔ انہوں نے گذشتہ چند برسوں (۲۰۰۱ء تا ۲۰۰۳ء) نہایت قابلِ قدر تصنیفی و تحقیقی کارنامے انجام دیئے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ شاہ حقانی کا اردو ترجمہ و تفسیرِ قرآن، ایک تنقیدی و تحقیقی جائزہ	صفحات ۶۰۰
۲۔ مولانا سید غیاث الدین حسن شریفی۔ حیات اور شاعری	صفحات ۲۴۸
۳۔ حضرات محدثین کے اخلاقِ کریمانہ	صفحات ۱۲۰
۴۔ حضرت صادق شہسرامی۔ حیات اور شاعری	صفحات ۲۰۰
۵۔ کاشف الاستار شریف (ترجمہ و تقدیم)	صفحات ۷۰۰
۶۔ النور والبہاء لاسانید الحدیث وسلاسلِ اولیاء	صفحات ۸۰
۷۔ ایم۔ اے عربی کی نصابی نظموں کا ترجمہ	صفحات ۴۰۰
۸۔ فتاویٰ ملک العلما (جمع، ترتیب و تقدیم)	صفحات ۵۲۱
۹۔ ملک العلما۔ حیات اور کارنامے	صفحات ۳۲۰

ساحلؔ شہسرامی صاحب ایک اچھے قلمکار اور شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ فتویٰ نویسی کا ذوق اور تجربہ بھی رکھتے ہیں۔ ان کی تحریریں تحقیقی اور مدلل ہوتی ہیں۔ زبان و بیان میں سلاست و روانی ہے، قلم سیّال ہے۔ انہیں علمی نظم وضبط کے ساتھ گفتگو کرنے کا ڈھنگ آتا ہے۔ شعر و ادب کے ساتھ ساتھ سوانحی ادب کا بھی ستھرا ذوق رکھتے ہیں۔ زیرِ نظر کتاب ''ملک العلماء'' ان کے سوانحی ادب کے ذوق کی آئینہ دار ہے جسے قارئین کرام یقیناً پسند فرمائیں گے۔ کاش کہ علامہ ساحل امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ اور ان کے دیگر متوسلین و معاصرین علمائے اہلِ سنت کی

سوانح بھی مرتب کرنے کی طرف توجہ فرمائیں کیونکہ ابھی تک امام احمد رضا قدس سرہٗ کی شخصیت کے شایانِ شان سوانحِ حیات مرتب نہیں ہوسکی ہے کہ جسے دنیا کے مشاہیر کی سوانح کے مقابل پیش کیا جاسکے۔

فقیر ذاتی طور پر ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل کے خادم کی حیثیت اور ادارہ کی جانب سے جنابِ ساحلؔ کا ممنون ہے کہ انہوں نے یہ کتاب (ملک العلما) اشاعت کے لئے ہمیں کمپوز شدہ صورت میں عطا فرمائی۔ اس کے علاوہ ادارہ دیگران تمام احباب، جنہوں نے دامے، درمے، قدمے سخنے کتاب کی کمپوزنگ، تصحیح اور اس کی اشاعت میں معاونت فرمائی، کا بھی تہہِ دل سے شکر گذار ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے محبوب اکرم ومکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل حضرت ساحل شہسرامی حفظہ اللہ الباری کی اس علمی کاوش کو شرفِ قبول عطا فرمائے، انہیں صحت و عافیت کے ساتھ شاد و آباد رکھے اور ان کے دین و ایمان، علم و عمل، عمر و فضل، عرفان و اقبال اور رزق و مال میں برکت عطا فرمائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

خوش چمنی ست عارضت خاصہ کہ در بہارِ حسن
حافظِ خوش کلام شد مرغِ سخن سرائی تو

صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری عفی عنہ
صدر ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی

شرف انتساب

عم محترم

جناب اخلاق احمد رضوی صاحب

ڈائریکٹر رضا اکیڈمی شہسرام

کے نام

جن کی حوصلہ افزائیوں نے مجھے ہمیشہ تازہ دم رکھا

یہ پھول جس نے کھلائے ہمارے پت جھڑ میں
اسی کے موسم برگ و ثمر کے نام تمام

دعا جو

ساحل

تقریظ

امین ملت پروفیسر سید محمد امین قادری
خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ شریف

ملک العلما مولانا ظفر الدین قادری برکاتی رضوی رحمتہ اللہ علیہ کے تعلق سے چند مبسوط اور مختصر مضامین کا مجموعہ ''ملک العلما'' میں نے اول تا آخر دیکھا اور چند سطریں تاثرات کی شکل میں پیش کر رہا ہوں۔

چشم و چراغ خاندان برکات امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ ایک بافیض بزرگ تھے۔ ان کے علمی فیوض کے سمندر سے بہت سے دریا رواں ہوئے۔ صدر الشریعہ مفتی امجد علی قادری رضوی، صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی، حجتہ الاسلام مولانا حامد رضا خان قادری برکاتی، مفتی اعظم محمد مصطفےٰ رضا خاں قادری برکاتی نوری، شیر بیشۂ اہل سنت مفتی حشمت علی خاں پیلی بھیت، سیاح عالم مولانا عبد العلیم صدیقی میرٹھی، برہان ملت مفتی برہان الحق جبل پوری، محدث اعظم سید محمد اشرفی رضوی کچھوچھوی۔ یہ سبھی حضرات اپنے آپ میں علم کا سمندر تھے جن کے سوتے اعلیٰ حضرت احمد رضا کے بحر اعظم سے پھوٹے تھے۔ انہیں میں ایک ممتاز شخصیت ملک العلما فاضل بہار مولانا محمد ظفر الدین قادری برکاتی رضوی رحمتہ اللہ تعالی علیہ کی بھی تھی۔

بچپن سے ہم نے ان کا چرچا سنا۔ ان کی حیات اعلیٰ حضرت کا تذکرہ بابا حضرت مرشد برحق تاج العلما سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی قدس سرہ بھی اکثر فرماتے جن کے کئی مکاتیب اس مجموعے میں بھی شامل ہیں۔ علم توقیت میں ان کی مہارت بھی مسلم تھی۔ مجھے خوب یاد ہے کہ بابا حضرت تاج العلما نے ان سے مارہرہ شریف کے اوقات صلوۃ مرتب کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی اور انہوں نے تاج العلما کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے مارہرہ کے لئے بھی ''موذن الاوقات'' تحریر فرمایا تھا۔ ان کی یادوں کے

بہت سے گوشے ذہن ودماغ میں محفوظ ہیں لیکن انہیں قلم بند کرنے کے لئے جس فرصت کی ضرورت ہے، وہ عنقا ہے۔ فقیر ایک لمبے سفر پر روانہ ہورہا ہے اور بہت عجلت میں یہ چند کلمات سپرد قلم کررہا ہے۔

فاضل نوجوان مولانا ارشاد احمد رضوی مصباحی ساحل شہسرامی (علیگ) ایک باصلاحیت عالم دین اور صاحب طرز قلم کار ہیں۔ ان دنوں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبہ عربی میں مصروف تحقیق ہیں۔ تصنیف اور مطالعہ ان کا خاص شوق ہے جس سے یہ ہمیشہ وابستہ رہتے ہیں۔ مزاج تحقیقی ہے، اس لئے جس موضوع کو لیتے ہیں، اس کے تعلق سے ممکنہ مواد فراہم کرلیتے ہیں، تب قلم اٹھاتے ہیں۔ اسی تحقیقی مزاج کا اثر ہے کہ ان کی تحریروں میں مضامین کی کثرت اور معلومات کی فروانی ملتی ہے۔ زیر نظر کتاب ان کے متعدد مضامین کا مجموعہ ہے جو مختلف موقعے سے لکھے گئے۔ ان مضامین میں ملک العلما۔ جامع کمالات شخصیت، ملک العلما اور علمائے شہسرام اور ملک العلما اور ان کے فتاوی بہت مدلل مبسوط اور جامع ہیں۔ ان میں اکابر اہل سنت کے خطوط بھی شامل ہیں جنہوں نے ان مضامین کو دستاویزی شکل دیدی ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیز موصوف کی اس کاوش کو شرف قبول عطا فرمائے، ان کے ایمان وعمل، علم وفضل میں برکت عطا فرمائے، انہیں تندرست وتوانا رکھے اور مزید دینی اور علمی خدمات کی توفیق عطا فرمائے اور مصنف وناشر دونوں کو جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔ بجاہ النبی الامین علیہ اکرم الصلوٰۃ وافضل التسلیم!

فقیر قادری

سید محمد امین

سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ

مارہرہ شریف ضلع ایٹہ

کلمات تکریم

تاج الشریعہ محمد اختر رضا قادری ازہری
جانشین مفتی اعظم، بریلی شریف

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

عزیز القدر مولینا ارشاد احمد رضوی سلمہ المنان، ملک العلما فاضل بہار شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی علیہ الرحمہ کی حیات و خدمت کے تعلق سے لکھے گئے گئے اپنے چند مضامین کا مجموعہ لے کر میرے پاس آئے۔ میں نے فہرست مضامین سنی۔ میں سفر پر روانہ ہو رہا ہوں، اس لئے مضامین سننے کا موقع نہ ملا۔ مضمون نگار سلمہ نے بتایا کہ اس کتاب میں متعدد مشاہیر اہل سنت کے خطوط بھی درج ہیں جو حضرت ملک العلما کے نام تحریر کئے گئے اور پہلی بار منظر عام پر آ رہے ہیں۔ ان مکاتیب کی وجہ سے یقیناً یہ مجموعہ قابل قدر ہے اور دستاویزی حیثیت رکھتا ہے۔

ملک العلما فاضل بہار میرے جد کریم امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا قادری قدس سرہ کے فیض یافتہ شاگرد، مرید اور خلیفہ تھے، اس لئے فطری طور پر مجھے ان مقالات کی اشاعت سے خوشی ہوئی۔ عزیز القدر مولانا ارشاد احمد رضوی سلمہ شریف الطبع، پرخلوص طبیعت رکھتے ہیں۔ خاموشی اور یکسوئی کے ساتھ دین وسنیت اور مسلک اعلیٰ حضرت کی خدمت میں مصروف ہیں۔ اس کی دلیل یہ کتاب، فتاویٰ ملک العلما اور ان کی دیگر تصانیف ہیں ان کی لگن، محنت اور لیاقت کو دیکھ کر دل سے دعا نکلتی ہے۔ دعا گو ہوں کہ مولائے کریم عزیز القدر موصوف سلمہ کی یہ کاوش قبول فرمائے، اسے مفید اور مقبول عام بنائے اور ہمیشہ دین وسنت اور مسلک اعلیٰ حضرت کی خدمت کرتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے آمین!

فقیر محمد اختر رضا قادری ازہری غفرلہ
۱۸ ربیع الاول ۱۴۲۶ھ/ ۲۷ اپریل ۲۰۰۵ء

تقدیم

علامہ سید شاہ غلام مصطفےٰ احمد منعمی
سجادہ نشین خانقاہ منعمیہ ابوالعلائیہ، رام ساگر تالاب، گیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انسانی وراثت کی حفاظت اس کے اخلاف سے ہوتی ہے خواہ نسبی اخلاف ہوں یا علمی، ورنہ وہ شخص خواہ کتنا ہی بلند قدر رکھتا ہو اس کی تعلیمات، علمی خدوخال، زندگی کے شب وروز سب کچھ ضایع ہوجاتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی سوانح حیات کی تدوین اور ان کے مصنفات کی ترتیب واشاعت کا کام بڑی محنت ومحبت سے ملک العلما نے کیا۔ شاگردی کا حق ادا کرتے ہوئے گنج مخفی کو ظاہر کرنے کا بنیادی اور ابتدائی کام انجام دیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کی جزائے خیر دے گا۔ آج اتنے وسائل مہیا ہیں مگر ہنوز فاضل بریلوی کی نصف تصانیف بھی شائع نہیں ہوئی ہیں۔ گویا ہم نے ابھی انہیں آدھا بھی نہیں جانا ہے ان کے بہتیرے پہلو ہم سے پوشیدہ ہیں۔

اسلام کے جلیل القدر عالم مولانا ظفرالدین بہاری علیہ الرحمہ کی حیات و کارنامے بھی اخلاف کے تغافل کی نذر ہورہے تھے۔ اللہ جزائے خیر دے عزیزم مولانا ارشاد احمد سلمہٗ کو کہ ان کے ضایع ہوتے ذخیرے کو نئی زندگی دی ''فتاویٰ ملک العلما'' ترتیب دی اور وہ شایع ہوئی اور اب ان کی حیات وکارنامے کی تالیف سے ملک العلما کی سوانح حیات، تعلیمات اور ان کی مساعیٔ جمیلہ کو سامنے لارہے ہیں، گویا ملک العلما ایک بار پھر ہمارے سامنے آرہے ہیں۔ یہ ایک قرض تھا پوری جماعت پر جسے آں عزیز نے اتارا مگر ابھی بہت کام باقی ہے۔

حضرت ملک العلما کی ذات گرامی بڑی متوازن اور متنوع تھی۔ آپ کا سلسلۂ علمی وروحانی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے ملتا ہے، وہیں آپ کو مختلف خانقاہوں سے بھی اجازت حاصل تھی۔ خانقاہوں سے آپ کے کافی روابط تھے۔ خانقاہ عمادیہ منگل تالاب پٹنہ بارگاہ حضرت عشق علیہ الرحمہ، عشق کی تکیہ پٹنہ، قطب گیا حضرت سید شاہ عطا حسین علیہ الرحمہ کی خانقاہ منعمیہ ابوالعلائیہ جو گیا ضلع میں مرکزیت کی حامل ہے، سے خاصے روابط

رہے۔ خانقاہ عمادیہ، پٹنہ میں ایک تفسیری مجلس ہوا کرتی تھی جس کا سلسلہ کئی سال چلا تھا۔ اس میں کئی مقتدر علمائے کرام نے شرکت کی تھی۔ ملک العلما بھی کافی عرصہ تک اس مجلس میں تفسیر بیان فرماتے رہے۔ حضرت مولانا ابوسلمان عبد المنان قادری میاں بیگھوی جو صاحب تصانیف وفتاویٰ مرد خانقاہی تھے، سے بھی یارانہ تھا۔

حضرت ملک العلما کو فقیر نے خانقاہ عمادیہ منگل تالاب میں دیکھا تھا۔ وہ اکثر تشریف لاتے۔ دراز قد مضبوط بدن کے بزرگ تھے۔ اس وقت میں لڑکپن کے دور سے گزر رہا تھا۔ شعور کی پختگی نہیں تھی کہ میں کوئی واقعی تاثر پیش کرسکوں۔ البتہ ان کی علمیت کے چرچے خوب سنے تھے۔ عزیز القدر مولانا ارشاد احمد رضوی ساحل شہسرامی جب اس کتاب کے مسودات لے کر آئے تو ملک العلما کی یاد تازہ ہوگئی۔ اس مجموعے میں سات مقالات شامل ہیں جو اپنے مضمون کی اہمیت کے پیش نظر گرانقدر ہیں۔ اسلوب شستہ ہے اور موضوعات کے ساتھ انصاف کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ رضوی احباب کے لئے خصوصاً اور اہل سنت کے لئے عموماً اس کتاب کا مطالعہ مفید رہے گا۔

عزیزم ساحل شہسرامی (علیگ) خلوص پیشہ محقق، باذوق مصنف، عمدہ شاعر، سادہ طبیعت عالم دین ہیں۔ بزرگان دین سے خاص عقیدت رکھتے ہیں۔ ان کی فہرست تصانیف اس کا روشن ثبوت ہے۔ مجھے ان کی جن خوبیوں نے متاثر کیا، ان میں علمی صلاحیت اور طرز ادب خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ عزیز موصوف سلمہ کی یہ کاوش قبول فرمائے، ان کی عمر اور اقبال میں برکت دے اور انہیں مزید سعادتوں کی توفیق بخشے آمین!

غلام مصطفیٰ احمد منعمی

غلام مصطفیٰ احمد منعمی

۲۱ محرم الحرام ۱۴۲۶ھ

رائے گرامی

فقیہ عصر مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی، بنگلور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ان الذین آمنو او عملو الصٰلحٰت سیجعل لھم الرحمن ودّا

یقیناً اللہ تعالیٰ صالح مومنین کی محبت لوگوں کی دلوں میں ڈال دیتا ہے۔

اللہ رب العزت کے اس ارشاد کی روشنی میں منظور نگاہ اعلیٰ حضرت ملک العلما محمد ظفر الدین قادری رضوی رحمتہ اللہ علیہ ایک صالح مومن اور اللہ کے محبوب بندے نظر آتے ہیں۔ ان کے وصال کو تقریباً نصف صدی ہوتی ہے لیکن دیگر اکابر اہل سنت کی طرح آپ کے حالات زندگی پر بھی ہماری بے حسی کا غلاف پڑا رہا۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر کہ اب ملک العلما کی شخصیت پر پڑی ہوئی زمانے کی گرد صاف ہو رہی ہے اور ان کے حالات روشن ہوتے جا رہے ہیں۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شاید ایسے صالح افراد کے لئے ہی فرمایا ہے۔

بے نشانوں کا نشاں مٹتا نہیں　　　مٹتے مٹتے نام ہو ہی جائے گا

عزیز القدر فاضل گرامی مولانا ارشاد احمد رضوی مصباحی ساحل شہسرامی (علیگ) ایک باصلاحیت عالم دین ہیں۔ دار العلوم اشرفیہ مصباح العلوم مبارکپور سے فارغ ہونے کے بعد وہیں چھے سال تک نائب مفتی اور مدرس رہے۔ اس کے بعد ۲۰۰۱ء سے علی گڑھ جیسے علمی، ادبی تاریخی شہر کے عظیم الشان علمی ادارے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں مصروف تحقیق ہیں۔ انہیں حضور احسن العلما قدس سرہ سے طلب اور حضرت تاج الشریعہ دام ظلہ سے بیعت کا شرف حاصل ہے، اس لئے بڑے کھرے برکاتی اور پکے رضوی ہیں۔ انہیں اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ اور ان سے نسبت رکھنے والی ہر چیز سے والہانہ عقیدت اور گہرا لگاؤ ہے۔ ملک العلما، اعلیٰ حضرت کے چہیتے شاگرد، لاڈلے مرید اور ممتاز خلیفہ ہیں، اس لئے ان سے مولانا الاعز کی دلچسپی شوق کی حد تک بڑھی ہوئی ہے۔ انہوں نے طے کر رکھا ہے کہ میں ملک العلما کو منظر عام سے گم نہیں ہونے دوں گا۔ اس لئے یہ موقع بہ موقع ملک العلما پر مقالات، مضامین لکھنے، ان کتابوں کو جدید طرز سے مرتب کرکے منظر عام پر لانے کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں۔ ابھی انہوں نے فتاویٰ ملک العلما مرتب کرکے اس پر بڑا

فاضلانہ مقدمہ لکھا جسے تاج الشریعہ نے اپنے المجمع الرضوی سے شائع کرنے کی اجازت عطا کی اور عرس رضوی ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء میں امین ملت پروفیسر سید امین میاں قادری مدظلہ کے مقدس ہاتھوں سے اس کی رسم اجرا ادا ہوئی۔ اس سے پہلے بھی یہ کئی مقالات ملک العلما پر لکھ چکے ہیں۔ ان کی خواہش پر ہی سہ ماہی الکوثر شہسرام نے ملک العلما نمبر کی تیاری شروع کی اور اب یہ ملک العلما پر لکھے گئے اپنے مختلف مضامین کا مجموعہ مرتب کر کے ''ملک العلما'' کے نام سے شائع کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ''ملک العلما'' کا مسودہ میرے پاس اس وقت لے کر آئے جب میں عرس رضوی کے مصروف ترین لمحات میں اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور ذاتی سطح کی مختلف الجھنوں میں گرفتار۔ اس رواروی کے ماحول میں ان کے سارے مضامین کو میں نے جستہ جستہ دیکھا۔ کچھ صفحات پڑھوا کر سنے۔ اس سرسری جائزے سے اندازہ ہوا کہ ملک العلما کی شخصیت پر ایسے مدلل اور جامع مضامین پہلی بار منظر عام پر آرہے ہیں، جو ملت اسلامیہ بالخصوص خواجہ تاشان رضویت کے لئے بے حد مفید ہیں۔ اس مصروف اور مختصر وقت میں کوئی جامع تبصرہ تو نہیں لکھا جا سکتا، البتہ کچھ باتیں ملک العلما کے تعلق سے عرض کرتا ہوں۔

حضرت ملک العلما محمد ظفر الدین رضوی علیہ الرحمہ ایک فقیہ النفس فقیہ، عالی مرتبت محدث تھے۔ زبردست مناظر، دور اندیش مصلح، خوش طبع درویش اور باوقار انسان تھے۔ علم ہیئت وتوقیت میں تو ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ ان کے بعض فتاویٰ ایسے اچھوتے گوشے سامنے لاتے ہیں کہ ان کی ذہنی دراکی اور ژرف نگاہی الم نشرح ہو جاتی ہے۔ اعلیٰ حضرت کے شاگرد مولانا سید عبدالعزیز لکھن پوری (مونگیر) نے ایک مرتبہ ملک العلما سے استفسار کیا کہ عام دیوبندی تو اکابر دیوبند کی کفریات سے واقف نہیں ہوتے تو ان پر من شك فی کفرہ و عذابه فقد کفر کا حکم نافذ ہوتا ہے کہ نہیں۔ ان پر یہ حکم نافذ نہیں ہوتا ہے تو پھر عام شیعہ بھی تو اپنے اکابر کی کفریات اور اسلام مخالف نظریات سے واقف نہیں ہوتے پھر ان کا کیا حکم ہوگا؟ یہ معذب ہوں گے کہ نہیں اور اگر ہوں گے تو عام شیعہ اور عام دیوبندی میں وجہ فرق کیا ہے؟ ملک العلما نے اس فرق کی جیسی واضح تشریح فرمائی ہے، وہ پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دیوبندیوں کے ہتھے چڑھنے والے بھولے بھالے لوگ عموماً سنی ہوتے ہیں۔ اہل سنت کے گھرانے میں آنکھ کھولتے ہیں، اہل سنت کے معمولات پر عمل کرتے ہیں، بزرگوں سے عقیدت رکھتے ہیں، غرض سچے پکے سنی مسلمان ہوتے ہیں ایسے صاحب ایمان لوگ دیوبندیوں اور تبلیغیوں کے مکارانہ عمل اور جھوٹے پروپیگنڈے کے چکر میں آکر نادانی میں ان کے گروپ میں شامل ہو گئے تو ابھی ان کے زوال ایمان کا حکم نہیں لیا جا سکتا، جب تک کہ وہ دیوبندی کفریات کو قبول نہ کرلیں۔ ان کا پہلے

مومن ہونا یقینی ہے اور کفریات کو تسلیم کرنا مشکوک، والیقین لا یزول بالشک ۔اس کے برخلاف شیعہ بچہ ابتدائے شعور سے باخبر ہوتا ہے کہ ہم سنی نہیں، شیعہ ہیں ۔ ہمارا گروپ عام مسلمانوں سے الگ ہے ۔ اتنا اجمالی یقین ہی اسے ابتداء سے شیعوں کے گمراہ طبقے میں شامل رکھے گا ۔ یہاں سچا ایمان آیا ہی نہیں تو اس کی کفریات شیعہ سے بے خبری اسے کیا فائدہ دے گی ۔ یہ خط مولانا سید عبدالعزیز علیہ الرحمہ کے پوتے مولانا سید احمد رضا سلمہ کے پاس محفوظ ہے۔

یونہی حدائق بخشش حصہ سوم کے بعض اشعار پر اٹھائے گئے دیوبندی اعتراضات کا آپ نے مسکت اور مفصل جواب تحریر فرمایا۔ یہ مفصل فتوٰی مولانا شہاب الدین اشرفی صاحب کے پاس محفوظ ہے۔اس سے آپ کی فقیہانہ بصیرت اور ژرف نگاہی کا پتہ چلتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے آپ کو کس قدر محبت تھی۔

یہاں آپ کی ظرافت اور بالغ نظری کا ایک واقع یاد آتا ہے۔ایک مرتبہ کچھ غیر مقلد آپ کے پاس مناظرے کے موڈ میں آئے اور کہنے لگے کہ تقلید کہاں سے ثابت ہے؟ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے، بحث ہو جائے گی اور ثبوت بھی پیش کر دیا جائے گا۔آپ صاحبان کوئی اپنا نمائندہ چن لیں جو اس بات کی ذمہ داری لے کہ اس کی بات آپ لوگوں کی بات ہوگی، اس شکست آپ سب کی شکست ہوگی اور آپ سب کو غیر مقلدیت سے توبہ کرنا ہوگا۔ان لوگوں نے اپنے گروہ سے ایک قابل ترین شخص کو اپنا نمائندہ چن لیا اور کہا کہ یہ صاحب ہمارے نمائندے ہوں گے اور ان کی بات ہم سب کی بات ہوگی۔ حضرت ملک العلما نے فرمایا: مناظرہ ہو گیا۔تقلید یہی تو ہے کہ اپنے سے بہتر کو کوئی طبقہ اپنا نمائندہ منتخب کر لے، اس کی رائے سب کو تسلیم ہو۔ جب آپ نے آنجناب کی پیروی اور تقلید گوارا کی تو ہم اللہ کے ایسے محبوب ترین بندے جو نور الٰہی سے روشن دل رکھتے ہیں، انہیں ہم اللہ اور رسول کی بارگاہ میں اپنا نمائندہ منتخب کریں اور خوشی خوشی ان کی تقلید اور پیروی کریں تو آپ کا دل کیوں دکھتا ہے؟

یہ چند باتیں جو ملک العلما کے تعلق سے ذہن میں محفوظ تھیں، عرض کر دیں ۔ اللہ تعالیٰ فاضل مصنف، عزیز موصوف کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے اپنے ذوق وشوق سے اعلیٰ حضرت کے ایک چہیتے شاگرد کے بارے میں ایسے مدلل اور مفصل مضامین لکھے اور دنیائے سنیت کو ان سے استفادے کا موقع فراہم کیا۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبول عام عطا کرے اور مصنف کو مزید دینی خدمت کرتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے آمین!

فقیر نوری
مطیع الرحمٰن رضوی

اپنی بات

ساحل شہسرامی (علیگ)

مدت کے بعد ہوتے ہیں پیدا کچھ ایسے لوگ
مٹتے نہیں ہیں دہر سے جن کے نشاں کبھی

فاضل بہار ملک العلما علامہ محمد ظفر الدین قادری رضوی علیہ الرحمہ بارگاہ اعلیٰ حضرت کے فیض یافتہ اور توفیق الٰہی سے سرفراز انسان تھے۔ عرصہ ہوا، وہ اس دنیا سے رخصت ہوئے لیکن ان کے صالح آثار باقی ہیں اور ذکر حسن زندہ ہے۔

میں نے جب سے ہوش سنبھالا، امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کا چرچا سنا، گھر میں بھی اور گھر سے باہر بھی۔ جد امجد جناب وصی احمد حبیبی، حضرت مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمٰن عباسی اڑیسوی علیہ الرحمہ سے بیعت تھے۔ مجاہد ملت حجۃ الاسلام اور مفتی اعظم کے خلیفہ تھے۔ عم محترم جناب اخلاق احمد رضوی، سرکار مفتی اعظم قدس سرہٗ کے دست گرفتہ ہیں اور شہسرام میں سنیت کے ممتاز نمائندے، اس لئے خاندان میں بھی ذکر رضا ہوتا رہتا۔ وطن مالوف شہسرام سنیت کا گہوارہ ہے۔ حضرات اولیائے کرام اور صلحائے امت اس کثرت سے یہاں آرام فرما ہیں کہ اہل نظر جب اس راہ سے گزرتے ہیں تو مودب ہو جاتے ہیں۔ ان محبوبان خدا کی برکت سے یہاں کی فضاؤں میں محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر لحہ بہ لحہ ہوتا رہتا۔ میلاد مبارک کی محفلیں، قرآن خوانیاں، دینی جلسے، اعراس طیبہ کے سلسلے، نعت خوانی کے مقابلے، نعتیہ مشاعرے ذکر حبیب سے معطر رہتے۔ ان پاکیزہ محفلوں میں بچپن سے ہی اعلیٰ حضرت کی دلکش نعتوں کے سننے اور سنانے کا موقع ملتا جن کی وجہ سے ایک عاشق رسول کی حیثیت سے اعلیٰ حضرت کی محبت دل پر نقش ہو کر رہ گئی۔

دار العلوم خیریہ نظامیہ میں ابتدائی تعلیم کے مرحلے سے گزرنے کے بعد والد ماجد نے حافظ ملت کے خون جگر سے سینچے ہوئے شاداب علمی چمن جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں

حصول تعلیم کے لئے بھیجا۔ جولائی ۱۹۸۶ء سے لے کے ۲۰۰۰ء تک اس جامعہ کے ماحول میں تعلیم وتدریس کے مراحل طے ہوئے۔ یہاں ایسے اساتذہ کرام کے زیر تربیت رہا جو براہ راست سرکار مفتی اعظم کے فیض یافتہ تھے۔ ان میں شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی، محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفےٰ قادری، رہبر فکر وقلم علامہ محمد احمد مصباحی اور محقق مسائل جدیدہ مفتی محمد نظام الدین رضوی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ان حضرات کے فیضان تربیت نے وابستگی رضا کو عشق کی حد تک پہنچا دیا۔ یہیں ۱۹۸۷ء میں قائم مقام مفتی اعظم علامہ اختر رضا خاں قادری ازہری دامت برکاتہم القدسیہ کے مبارک ہاتھوں غلامی رضا کا پٹہ اپنی گردن میں ڈالا اور بارگاہ غوثیت کی گرامی نسبت ہاتھ آئی۔ ۱۹۹۰ء کے یوم مفتی اعظم میں پہلا مقالہ حضرت مفتی اعظم پر لکھا جس کی برکت سے چند دنوں کے بعد ہی پہلی بار ۱۹۹۱ء میں بریلی شریف حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ اسی جگہ حضرت صدر الشریعہ، ملک العلما، صدر الافاضل اور سید سلیمان اشرف علیہم الرحمہ سے علمی واقفیت ہوئی۔ یہ حضرات اپنے عظیم علمی کارناموں کے باوجود دنیا میں کچھ گمنام سے نظر آئے اور ان پر تشفی بخش علمی مواد نظر سے نہیں گزرا۔ مآخذ کے حصول کے اعتبار سے سب سے قریب صدر الشریعہ تھے، اس لئے سب سے پہلے آپ پر ہی کئی مبسوط مقالے لکھے۔ صدر الافاضل اور شدھی تحریک کے عنوان سے مبسوط مضمون ترتیب دیا پھر ملک العلما کی جانب متوجہ ہوا۔ ۱۹۹۸ء میں "ملک العلما اور علمائے شہسرام" سپرد قلم کیا جو ماہنامہ جہان رضا لاہور جون ۱۹۹۹ء میں شائع ہوا۔ ۲۰۰۰ء میں ملک العلما کا رسالہ "سرور القلب المحزون فی الصبر عن نور العیون" کو ایڈٹ کیا جسے المجمع ہزاری باغ نے "اسلامی نظریۂ موت" کے نام سے شائع کیا۔ اس کے بعد میں مبارک پور سے علی گڑھ آ گیا جہاں خاندان مارہرہ کی سرپرستی میں تسلسل کے ساتھ علمی کاموں کی توفیق ارزانی ہوئی۔

۲۰۰۳ء میں علامہ فضل حق خیرآبادی کی علمی خدمات کے موضوع پر پی ایچ ڈی کا رجسٹریشن ہوا اور ملک العلما کے پوتے جناب طارق مختار صاحب سپروائزر قرار پائے۔ اس علمی ربط کی بنا پر ملک العلما کے تعلق سے علمی پیش رفت کی بہترین صورت نکل آئی اور کئی مقالے سپرد قلم ہوئے۔ ملک العلما اور مارہرہ مطہرہ۔ علم توقیت میں ملک العلما کے ایک ممتاز شاگرد، ملک العلماء اور ان کے فتاویٰ۔ پروفیسر مختار الدین احمد صاحب کی فرمائش پر

بھی ایک مقالہ لکھا: پروفیسر مختار الدین احمد - ایک باذوق ادیب - ۲۰۰۳ء میں ہی ۵۱۲؍ صفحات پر مشتمل ملک العلما کے فتاویٰ کی ترتیب بھی مکمل ہوئی۔ ''ملک العلما اور ان کے فتاویٰ'' دراصل اسی مجموعہ فتاویٰ کا مقدمہ ہے۔ ۲۰۰۵ء میں مزید دو مقالے لکھے: ملک العلما - جامع کمالات شخصیت اور ملک العلما کے چند احباب۔ ۱۹۹۸ء میں تحریر کردہ مقالے ''ملک العلما اور علمائے شہسرام'' میں ازسرنو تبدیلیاں اور اضافے کئے۔ اب یہ مقالہ بالکل نئی دستاویزی صورت اختیار کر گیا ہے۔ پروفیسر مختار الدین احمد صاحب کے تعارف پر مشتمل آخری مضمون صرف ان کے ادیبانہ ذوق کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک نمبر کے لئے لکھا گیا تھا۔ چونکہ رضوی حلقہ ان کے حالات زندگی سے ناواقف ہے، اس لئے ابتدا میں مختارنامہ سے چند اقتباسات اضافہ کر دیئے گئے ہیں تا کہ اجنبی قاری کو تشنگی کا احساس نہ ہو۔ یہ تمام مقالات جزوی تبدیلیوں کے ساتھ کتابی صورت میں پیش ہیں۔ امید ہے کہ ان مقالات سے رضویات کی ایک روشن کڑی حضرت ملک العلما کی علمی خدمات کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔ ان مقالات کا تعلق چونکہ ایک ہی شخصیت سے ہے اور یہ موقع بہ موقع لکھے گئے، اس لئے ان میں سوانحی ربط جوڑنے کے لئے بعض باتیں مکرر ہو گئی تھیں لیکن جب انہیں کتابی صورت دی گئی تو مکررات حذف کر دیئے گئے پھر بھی بعض مقامات پر تکرار مضامین کی صورت باقی رہ گئی ہے۔ ایسے مقام پر یا تو اقتباس کی رعایت کی گئی ہے یا اہمیت کے پیش نظر اسے باقی رکھا گیا ہے۔ مآخذ کی فہرست اخیر میں دی گئی ہے۔ حالات کے سلسلے میں پروفیسر مختار الدین احمد صاحب کی حیات ملک العلما سے خصوصی استفادہ کیا۔ پروفیسر صاحب نے میری گزارش پر اپنی اہم مصروفیات سے وقت نکالا اور ان سارے مقالات پر نگاہ اصلاح ڈالی، جگہ بہ جگہ حذف و اضافے کئے اور مفید مشوروں سے نوازا۔ ناچیز اس علمی تعاون پر ان کا بے حد ممنون ہے۔

بیسویں صدی کی آخری دہائی میں اہل علم نے ملک العلما کی سمت خصوصی توجہ فرمائی ہے۔ صحیح البہاری دوم کی پاکستان سے دوبارہ اشاعت ہوئی۔ ہندو پاک سے آپ کے مختلف فقہی رسائل طبع ہوئے۔ حیات اعلیٰ حضرت کی روپوش جلدیں منظر عام پر آئیں۔ سہ ماہی الکوثر شہسرام نے ۵۰۰؍ صفحات پر مشتمل گرانقدر ملک العلما نمبر مرتب کیا۔ فتاویٰ ملک العلما مجمع الرضوی بریلی شریف سے شائع ہوا جس میں حضرت کے سارے دستیاب

فقہی رسائل شامل ہیں۔ اب مختلف دستاویزی تحریروں کی روشنی میں مقالات کا یہ مجموعہ "ملک العلما" آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ لیکن اب بھی چند اہم گوشے اہل علم کی توجہ کے طالب ہیں:

☆ حضرت کی ساری مناظرانہ تحریریں یکجا کر کے شائع کی جائیں ☆ علم ہیئت وتوقیت میں حضرت کی چاروں نگارشات جدید انداز سے ایڈٹ کی جائیں ☆ صحیح البہاری کی تکمیل کا موقع حضرت کو نہ مل سکا۔ بہار شریعت کی طرح اس کی بقیہ جلدوں کی تکمیل کی جائے تا کہ فقہ حنفی کی ایک دستاویز منظر عام پر آ جائے۔ ☆ حضرت کے نام اکابر اہل سنت کے سینکڑوں خطوط محفوظ ہیں۔ انہیں مرتب کیا جائے۔ خدا کرے یہ علمی مرحلے پایۂ تکمیل کو پہنچیں۔

اس کتاب کی تکمیل کے سلسلے میں جن بزرگوں اور دوستوں کا تعاون حاصل رہا، ان میں امین ملت پروفیسر سید محمد امین قادری، مرشد گرامی حضرت ازہری میاں، مخدوم گرامی حضرت سید شاہ غلام مصطفٰی احمد منعمی، محقق عصر مفتی مطیع الرحمٰن رضوی، پروفیسر مختار الدین احمد، محبِ گرامی مولانا رحمت اللہ صدیقی اور محب مکرم مفتی محمد یونس رضا اویسی خصوصی شکریے کے مستحق ہیں۔ ان حضرات کی گرامی توجہات کی برکتیں ہیں جو یہ تحریریں آپ تک پہنچ رہی ہیں۔ ناچیز کے خیال میں اس کتاب کی پیش کش کوئی کارنامہ نہیں اور نہ ہی اس سے کسی قسم کی شہرت مطلوب ہے۔ بس دل کے اطمینان کو اتنا کافی ہے کہ بزرگوں کے حالات محفوظ اور مرتب ہو گئے اور اعلیٰ حضرت کے ایک نیاز مند کی ضمنی خدمت کی سعادت نصیب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کے کفش برداروں میں اس گناہگار کا حشر فرمائے۔ آمین!

طالب دعا

ساحل

۵ر صفر ۱۴۲۶ھ / ۲۶ر مارچ ۲۰۰۵ء

ملک العلما - ماہ وسال کے آئینے میں

نبیرہ ملک العلما طارق مختار
شعبۂ عربی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

۱۳۰۳ھ : ولادت، ۱۰ر محرم الحرام

۱۳۰۷ھ : بسملہ خوانی

۱۳۱۲ھ : مدرسہ غوثیہ حنفیہ، موضع بین، پٹنہ میں داخلہ لیا اور متوسطات کی تعلیم حاصل کی

۱۳۲۰ھ : ۲۵ر جمادی الآخرۃ کو مدرسہ حنفیہ پٹنہ میں داخلہ لیا اور حضرت محدث سورتی (م ۱۳۳۴ھ) سے مسند امام اعظم، مشکوٰۃ شریف وغیرہ کی تعلیم حاصل کی

۱۳۲۰ھ : مدرسہ امداد العلوم، بانس منڈی، کانپور میں حاضر ہوئے، اسی دوران اس ادارے کے علاوہ احسن المدارس، کانپور اور ایک اور دار العلوم کے اہل علم سے بھی استفادہ کرتے رہے پھر پیلی بھیت آگئے۔

۱۳۲۱ھ : مدرسہ مصباح التہذیب، بانس بریلی میں مولوی غلام یٰسین دیوبندی کے درس میں شریک ہوئے

۱۳۲۱ھ : امام اہل سنت اعلیٰ حضرت احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی بارگاہ میں حاضری

۱۳۲۲ھ : ملک العلما کی خواہش اور کوشش سے بدست اعلیٰ حضرت دار العلوم منظر اسلام کا قیام

۱۳۲۲ھ : اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی بارگاہ میں بخاری شریف کا درس اور فتویٰ نویسی کی مشق کا آغاز

۱۳۲۲ھ : ۸ر رمضان المبارک کو پہلا فتویٰ تحریر فرمایا

۱۳۲۳ھ : الحسام المسلول علیٰ منکر علم الرسول (عقائد و مناظرہ) کی تصنیف

۱۳۲۳ھ : مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس (فقہ) تصنیف

۱۳۲۳ھ : ظفر الدین الجید (مناظرہ) کی تصنیف

۱۳۲۴ھ : شرح کتاب الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ (سیرت) کی تصنیف کا آغاز

۱۳۲۴ھ : مبین الہدیٰ فی نفی امکان مثل المصطفیٰ (عقائد) کی تصنیف

۱۳۲۵ھ : دستار فضیلت اور سند درس وافتا سے سرفرازی

۱۳۲۵ھ : وسط شعبان المعظم میں اعلیٰ حضرت نے اپنی اجازت وخلافت عطا فرمائی اور فاضل

بہار کا لقب عطا کیا

۱۳۲۵ھ : التعلیق علی القدوری (فقہ) کی تصنیف

۱۳۲۵ھ : اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیۃ المساجد (فقہ) تصنیف

۱۳۲۶ھ : دار العلوم منظر اسلام میں درس وافتا کا آغاز

۱۳۲۶ھ : بسط الراحۃ فی الحظر والاباحۃ (فقہ واصول) کی تصنیف

۱۳۲۶ھ : الفیض الرضوی فی تکمیل الحموی (فقہ واصول) کی تصنیف

۱۳۲۶ھ : شکست سفاہت (مناظرہ) کی تصنیف

۱۳۲۷ھ : الجمل المعد دلتالیف المجدد (تاریخ) کی تصنیف

۱۳۲۷ھ : ظفر الدین الطیب (مناظرہ) کی تصنیف

۱۳۲۸ھ : نجم الکنزہ علی الکلاب الممطرہ (مناظرہ) کی تصنیف

۱۳۲۸ھ : شوال میں اعلیٰ حضرت کے حکم پر انجمن نعمانیہ ہند، لاہور تشریف لے گئے

۱۳۲۹ھ : سال کے آغاز میں معززین شملہ کی پر اصرار طلب پر شملہ تشریف لے گئے

۱۳۲۹ھ : النبراس لدفع ظلام النخاس (مناظرہ) کی تصنیف

۱۳۳۰ھ : اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی ایما پر مدرسہ حنفیہ ضلع آرہ (بہار) تشریف لے گئے

۱۳۳۰ھ : الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت (توقیت وہیئت) کی تصنیف

۱۳۳۰ھ : التحقیق المبین لکلمات التوبین کی تصنیف

۱۳۳۰ھ : الطیب الاکسیر فی علم التکسیر کی تصنیف

۱۳۳۰ھ : سال کے اخیر میں سشن جج مسٹر سید نور الہدیٰ کے قائم کردہ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ میں صدر مدرس کی حیثیت سے تشریف لے گئے

۱۳۳۱ھ : التعلیق علی شروح المغنی (نحو) کی تصنیف

۱۳۳۲ھ : رفع الخلاف من بین الاحناف (فقہ) تصنیف

۱۳۳۳ھ : خیر السلوک فی نسب الملوک (تاریخ وانساب) کی تصنیف

۱۳۳۳ھ : نزول السکینۃ باسانید الاجازات المتینۃ (حدیث) کی تصنیف

۱۳۳۳ھ : القول الاظہر فی الاذان بین یدی المنبر (فقہ) کی تصنیف

۱۳۳۳ھ : جواہر البیان فی ترجمہ خیرات الحسان (مناقب) کی تصنیف

۱۳۳۴ھ : خانقاہ کبیریہ سہسرام کے سجادہ نشین شاہ ملیح الدین صاحب کی فرمائش پر صدر مدرس

کی حیثیت سے سہسرام تشریف لے گئے

۱۳۳۴ھ : کشف المستور عن مناظرۃ رامپور کی تصنیف

۱۳۳۴ھ : گنجینۂ مناظرہ (کلکتہ کے مناظرے کی روداد) کی تصنیف

۱۳۳۵ھ : تقریب (منطق) کی تصنیف

۱۳۳۵ھ : تذہیب (فلسفہ) کی تصنیف

۱۳۳۵ھ : وافیہ (نحو) تصنیف

۱۳۳۵ھ : بدر السلام لمیقات کل الصلوٰۃ والصیام (توقیت) تصنیف

۱۳۳۵ھ : موذن الاوقات (دس شہروں کے اوقات صوم وصلوٰۃ کی تخریج)

۱۳۳۵ھ : عافیہ (صرف) کی تصنیف

۱۳۳۶ھ : تحفۃ الاحباب فی فتح الکوۃ والباب (کھڑکی کا فیصلہ، فقہ) کی تصنیف

۱۳۳۷ھ : نظم المبانی فی حروف المعانی (نحو) کی تصنیف

۱۳۳۷ھ : تحفۃ الاحبار فی اخبار الاخیار (مناقب) کی تصنیف

۱۳۳۷ھ : الاکسیر فی علم التکسیر کی تصنیف

۱۳۳۷ھ : صحیح البہاری کی تصنیف کا آغاز

۱۳۳۸ھ : سرور القلب المحزون فی الصبر عن نور العیون (اخلاق) کی تصنیف

۱۳۳۸ھ : ندوۃ العلما (مناظرہ) کی تصنیف

۱۳۳۸ھ : جب مدرسہ اسلامیہ الہدیٰ پٹنہ، حکومت کے زیر انتظام آ گیا تو ذمہ داروں کی طلب پر آپ پرینسپل مدرس کی حیثیت سے پٹنہ تشریف لے گئے

۱۳۳۹ھ : ہادی الہداۃ الترک المولاۃ (سیاست) کی تصنیف

۱۳۴۰ھ : توضیح الافلاک معروف بہ سلم السماء (ہیئت) کی تصنیف

۱۳۴۱ھ : اعلام الاعلام باحوال العرب قبل الاسلام (تاریخ) کی تصنیف

۱۳۴۳ھ : نہایۃ المنتھی فی شرح ہدایۃ المبتدی (فقہ) کی تصنیف

۱۳۴۴ھ : الافادات الرضویہ (اصول حدیث) کی تصنیف

۱۳۴۵ھ : جامع الرضوی المعروف بہ صحیح الہدی جلد اول (کتاب العقائد) کی تصنیف

۱۳۴۷ھ : دلچسپ مکالمہ (نصائح) کی تصنیف

۱۳۴۷ھ : جامع الرضوی (جلد دوم) کے چاروں حصوں کی تکمیل ہوئی

۱۳۴۸ھ : تسہیل الوصول الی علم الاصول (فقہ واصول) کی تصنیف

۱۳۴۹ھ : نافع البشر فی فتاوی ظفر (فقہ)

۱۳۵۳ھ : تنویر السراج فی ذکر المعراج (سیرت) کی تصنیف

۱۳۵۴ھ : نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب (فقہ) کی تصنیف

۱۳۵۷ھ : الانوار اللامعہ من الشمس البازغہ (فلسفہ) کی تصنیف

۱۳۵۷ھ : الفوائد التامہ فی اجوبۃ الامور العامہ (عقائد وکلام) کی تصنیف

۱۳۵۷ھ : جامع الاقوال فی رویۃ الہلال (فقہ) کی تصنیف

۱۳۵۸ھ : مشرق اور سمت قبلہ (ہیئت) کی تصنیف

۱۳۶۰ھ : مولود رضوی (سیرت) کی تصنیف

۱۳۶۵ھ : تحفۃ العظما فی فضل العلما (فضائل) کی تصنیف

۱۳۶۶ھ : سد الفرار المہاجری بہار (نصائح/سیاست) کی تصنیف

۱۳۶۷ھ : چودھویں صدی کے مجدد (مناقب) کی تصنیف

۱۳۶۸ھ : حیات اعلی حضرت، چار جلد (مناقب) کی تصنیف

۱۹۴۸ء : مدرسہ شمس الہدیٰ کے پرنسپل ہوئے

۱۹۵۰ء : مدرسہ شمس الہدیٰ سے ریٹائرمنٹ لیا۔ اس کے بعد ظفر منزل، پٹنہ میں مخصوص افراد کو درس دیتے اور تصنیف وتالیف میں مصروف رہتے

۱۳۷۰ھ : عید کا چاند (فقہ) کی تصنیف

۱۳۷۱ھ : تنویر المصباح للقیام عند حی علی الفلاح (فقہ) کی تصنیف

۱۳۷۱ھ : شاہ شاہد حسین درگاہی میاں سجادہ نشین بارگاہ عشق میتن گھاٹ، پٹنہ کی استدعا پر کٹیہار (بہار) تشریف لے گئے جہاں جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کا افتتاح فرمایا

۱۳۸۰ھ : کٹیہار سے ظفر منزل تشریف لئے

۱۳۸۲ھ : وصال سے پہلے "النور والضیاء فی سلاسل الاولیا" تصنیف فرمایا

۱۳۸۲ھ : ۱۹ر جمادی الآخرہ ۱۳۸۲ھ/ ۱۸ر نومبر ۱۹۶۲ء کو ذکر بالجہر کرتے ہوئے رب کریم کے حضور حاضر ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور متعلقین ومعتقدین کو ان کے فیوض وبرکات سے بہرہ مند فرمائے آمین!

ساحل شہسرامی - ایک تعارف

☆ قلمی نام : ساحل شہسرامی (علیگ)

☆ نام : ارشاد احمد رضوی

☆ ولدیت : جناب اشفاق احمد برکاتی ولد وصی احمد حبیبی

☆ تاریخ پیدائش : ۱۹ر ستمبر ۱۹۷۳ء

☆ مستقل پتہ : کاشانۂ برکات رضا۔ وصی منزل محلہ مدار دروازہ، شہسرام 821115

☆ موجودہ پتہ : پروفیسر سید محمد امین قادری، ماشاء اللہ ہاؤس، کبیر کالونی، جمال پور علی گڑھ

☆ تعلیمی نسبتیں : ضیائی، مصباحی، علیگ

☆ تعلیمی اسناد : عالمیت، فضیلت، تخصص فی الفقہ، (جامعہ اشرفیہ، مبارک پور) ایم اے، عربی (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) الٰہ آباد عربی فارسی بورڈ، بہار مدرسہ بورڈ اور جامعہ اردو کی جملہ اسناد

☆ مقالات : دینی، علمی اور ادبی موضوعات پر چالیس سے زائد مقالات

☆ فتاویٰ : تقریباً ایک ہزار فتاویٰ جو فقیہ اعظم ہند علامہ محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کی تصدیقات سے مزین ہیں۔

تصانیف:

(۱) خاندان برکات کی علمی اور ادبی خدمات — مطبوعہ

(۲) تبرکات خاندان برکات — مطبوعہ

(۳) تصانیف خاندان برکات — مطبوعہ

(۴) شاہ حقانی کا اردو ترجمہ وتفسیر قرآن - ایک تنقیدی و تحقیقی جائزہ — مطبوعہ

یہ کتاب امین ملت پروفیسر سید محمد امین قادری برکاتی دامت برکاتہم القدسیہ کی سرپرستی اور شراکت میں تصنیف ہوئی

(۵) مولانا سید غیاث الدین حسن شریفی رضوی- حیات اور شاعری — مطبوعہ

(۶) تاریخ ولادت نبوی — غیر مطبوعہ

(۷) حضرات محدثین کے اخلاق کریمانہ — غیر مطبوعہ

(۸) خواجۂ ہند کی صوفیانہ شاعری — غیر مطبوعہ
(۹) مخدوم سمنانی کے علمی آثار — غیر مطبوعہ
(۱۰) قطب الاقطاب دیوان محمد رشید مصطفیٰ عثمانی - حیات وافکار — غیر مطبوعہ
(۱۱) امام احمد رضا اور شہر ام — غیر مطبوعہ
(۱۲) مفتی اعظم — غیر مطبوعہ
(۱۳) صدر الشریعہ — غیر مطبوعہ
(۱۴) ملک العلما — غیر مطبوعہ
(۱۵) شدھی تحریک اور حضرت صدر الافاضل — غیر مطبوعہ
(۱۶) حافظ ملت — غیر مطبوعہ
(۱۷) شارح بخاری — غیر مطبوعہ
(۱۸) حضرت صادق شہر امی - حیات اور شاعری — زیر طبع
(۱۹) حکیم الاسلام مفتی مظفر احمد قادری برکاتی - حیات اور خدمات — مطبوعہ
(۲۰) متنبی - ایک خصوصی مطالعہ — زیر طبع
(۲۱) عرفان عرب (زمانۂ جاہلیت سے لے کر دور حاضر تک کے عربی ادب کی اجمالی تاریخ اور ایم اے (عربی) کی نصابی نظموں کا اردو ترجمہ) — زیر طبع

تراجم :

(۱) کاشف الاستار - اسد العارفین سید شاہ محمد حمزہ عینی مارہروی — زیر طبع
(۲) النور والبہا لاسانید الحدیث وسلاسل الاولیا (۱۳۰۷ھ) سراج العارفین سید شاہ ابو الحسین احمد نوری — زیر طبع
(۳) وجود العاشقین - خواجہ سید محمد بندہ گیسو دراز — غیر مطبوعہ

مرتبات:

(۱) مقالات شارح بخاری (تقریباً چودہ سو صفحات) — زیر طبع
(۲) اسلامی نظریۂ موت - ملک العلما علامہ ظفر الدین رضوی — مطبوعہ
(۳) فتاویٰ ملک العلما — مطبوعہ

فہرست مضامین

ملک العلما

ذِکرِ احباب و دُعاءِ احباب

تیرے رضا پر تری رضا ہو ۔۔۔ اس سے غضب تھراتے یہ ہیں
بلکہ رضا کے شاگردوں کا ۔۔۔ نام لیے گھبراتے یہ ہیں
حامدؔ منّی و انا من حامد ۔۔۔ حمد سے ہمد کماتے یہ ہیں
عبدالسلامؔ سلامت جس سے ۔۔۔ سخت آفات میں آتے یہ ہیں

میرے ظفرؔ کو اپنی ظفر دے ۔۔۔ اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں
میرا امجدؔ مجد کا پکا ۔۔۔ اس سے بہت کچیاتے یہ ہیں
میرے نعیم الدینؔ کو نعمت ۔۔۔ اس سے ذلت پاتے یہ ہیں
احمدؔ و اشرف حمد و شرف لے ۔۔۔ اس سے ذلت پاتے یہ ہیں
مولانا دیدار علیؔ کو ۔۔۔ کب دیدار دکھاتے یہ ہیں
مجبور احمدؔ مختار ان کو ۔۔۔ کرنا ہے مر جاتے یہ ہیں
عبد علیمؔ کے علم کو سن کر ۔۔۔ جہل کی بہل بھگاتے یہ ہیں
اک اک وعظ عبدالاحدؔ پہ ۔۔۔ کتنے نتھنے پھلاتے یہ ہیں
بخش رحیمؔ پہ رحمت جس سے ۔۔۔ آرے کے نیچے آتے یہ ہیں
جوہر منشی لعلؔ پہ ہیرا ۔۔۔ کھا مرنے کو منگاتے یہ ہیں

آل رحمٰنؔ برہان الحقؔ ۔۔۔ شرق پہ برق گراتے یہ ہیں
تازہ ضرب شفیع احمدؔ سے ۔۔۔ کہنہ بخار اٹھاتے یہ ہیں
دے حسنینؔ وہ تقبیح ان کو ۔۔۔ جس سے برے کھسیاتے یہ ہیں
نجدیہ میں ہلچل رہے ان کی ۔۔۔ جیسے ہل ان پر چلاتے یہ ہیں
کم کو فزوں افزوں کو فزوں تر ۔۔۔ کر دے ترا ہی کھاتے یہ ہیں
اپنوں میں ان کے مثل فزوں کر ۔۔۔ ترا ذکر بڑھاتے یہ ہیں
دل میں ہراس نہ لانے دینا ۔۔۔ دل میں انی چمکاتے یہ ہیں
ان پہ کرم رکھ سر پہ قدم رکھ ۔۔۔ تیرے ہی کہلاتے یہ ہیں
تیرے گدا ہیں تجھ پہ فدا ہیں ۔۔۔ تیرا ہی کھاتے گاتے یہ ہیں

صلی اللہ علیک وسلم
بارک شرف مجد کرم

ملک العلما

علامہ ساحل شہسرامی

(علیگ)

ملک العلما..... جامع کمالات شخصیت

جلیل الشان خاندان کے عظیم المرتبت فرد ملک العلما فاضل بہار مولانا شاہ محمد ظفرالدین قادری برکاتی رضوی علیہ الرحمہ (۱۳۰۳ھ/ ۱۸۸۰ء-۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) ان رجال اسلام میں شمار ہوتے ہیں جن کے نقوش قدم رہتی دنیا تک راہ نما ہوتے ہیں۔ آپ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ جید تلمیذ، مسترشد اور خلیفہ تھے اور اہل سنت کے ممتاز عالم دین۔ آپ کی پوری زندگی علمی و تعلیمی مصروفیات، دین متین کی نشرواشاعت اور یاد الٰہی میں گزری۔ کمالات و محاسن کا یہ گلدستہ، چمن زار مصطفوی سے خاص تعلق رکھتا تھا۔

خاندان:

ملک العلما ایک وجیہ اور باوقار خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا خاندان عراق سے غزنی اور غزنی سے ہندوستان آیا۔ ہندوستان میں سب سے پہلے تشریف لانے والے خاندانی بزرگ سید ابراہیم ہیں جو اپنی صلاحیتوں اور توانائیوں کے بل بوتے پر فیروز شاہ تغلق کی فوج میں ملازم ہو گئے۔ حضرت سید ابراہیم زندگی بھر لشکر اسلام کے ہمراہ جہاد میں شریک ہوتے رہے اور فوجی مہم میں کامیاب حصہ لیتے رہے۔ بالآخر ۱۳/ ذوالحجہ ۷۵۳ھ کو قلعہ روہتاس (سہسرام ضلع شاہ آباد، بہار) کی جنگ میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔ بہار شریف (نالندہ) کی ایک اونچی پہاڑی پر آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ مزار مبارک پر قدیم طرز کا عالی شان گنبد تعمیر ہے۔ جس کے جنوبی دروازے پر درج ذیل اشعار کندہ ہیں۔

دریں گنبد کہ ہست از روئے معنی	بقدر از گنبد افلاک برتر
نہفتہ شیر مردے کز بہ ہیبت	نخفتے شیر اندر بطن شبر
مدار الملک ابراہیم بو بکر	کہ تیغ از بہر حق می زد چو حیدر
چنیں لشکر کش و کشور کشائے	نہ خیزد دوم اندر ہفت کشور
کنوں چوں بر درت افتاد یارب	ز راہِ لطف بکشائے بر و در
بہ مشکِ رحمت و کافورِ رافت	کنی دیوار خاکش را معطر

ترجمہ: اس گنبد میں جو رتبے اور عظمت میں آسمان کے گنبد سے برتر ہے۔ ایک شیر دل انسان آرام فرما ہے۔ جس کی خداداد ہیبت کا یہ عالم ہے کہ اس کے ڈر سے شیر اپنے ٹھکانوں

کے اندر بھی چین سے نہیں سو پاتے۔ یعنی مدار الملک سید ابراہیم ابوبکر جو حیدر کرار کی مانند حق کی حمایت میں شمشیر زنی کرتے تھے۔ ایسا سپہ سالار اور کشور کشا فاتح تو سات ملکوں میں بھی ڈھونڈ ہے سے نہ ملے گا۔ رب کریم یہ شیر دل بندہ اب تیرے آستانِ رحمت پر حاضر ہے۔ از راہ کرم اس پر اپنی رحمتوں کے دروازے کشادہ فرمادے۔ اپنی مشک بار رحمت اور کافور زا مہربانی سے اس کی قبر کی دیواریں معطر کردے۔ ۱۲ اساحل

گنبد براہیمی کے مشرق دروازے پر یہ اشعار ثبت ملتے ہیں ۔

یہ عہد دولتِ شاہِ جہاں گیر | کہ بادا در بہار ملک نوروز
شہنشاہ جہاں فیروز سلطان | کہ بر شاہان گیتی گشت فیروز
ملک سیرت، ملک بیو براہیم | کہ بدُ در دین ابراہیم تن سوز
بہ ماہِ ذی الحجہ یک شنبہ از دہر | بدہ چوں سیزدہ از مہ دریں روز
بہ ہجرت ہفت صد و پنج ست تاریخ | مسافر شد ملک در جنت امروز
خداوندا! بہ فضل خویش بروے | کنی آساں حساب آخریں روز

ترجمہ: سارے جہاں پر حکمراں بادشاہ کا دور حکومت سراپا بہار ملک ہندوستان کے لئے عید سے کم نہ تھا۔ (کون بادشاہ؟) وہی سلطان فیروز تغلق جو دنیا کے سارے حکمرانوں پر فیروز مند رہا۔ فرشتہ صفت ملک بیوٴ ابراہیم جو دین براہیمی کی اشاعت کے لئے ہمہ دم کمر بستہ رہتے۔ ۱۳ رذولحجہ ۷۵۳ھ اتوار کے دن جنت کو سدھارے۔ اے اللہ! اپنے فضل خاص سے ان سے قیامت کے دن آسان حساب لینا۔ ۱۲ اساحل
(حیات اعلیٰ حضرت جدید جلد اول ص ۷۷، ۷۸، مطبوعہ گجرات)

ولادت:

ایسے عظیم المرتبت خاندان میں حضرت ملک العلما نے آنکھ کھولی۔ آپ ۱۰ رمحرم الحرام ۱۳۰۳ھ / ۱۹ را کتوبر ۱۸۸۰ء کو صبح صادق کے وقت پیدا ہوئے (ایک روایت ۱۴ رمحرم / ۲۳ را کتوبر ۱۸۸۰ء کی بھی ملتی ہے) آپ کے والد ماجد ملک عبدالرزاق اشرفی علیہ الرحمہ پابند شریعت سیدھے سادے بزرگ تھے اور اپنی سادگی کی بدولت اعزاز و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے۔ حضرت شاہ چاند بیتھوی ولد شاہ غلام رسول علیہ الرحمہ سے سلسلۂ اشرفیہ میں بیعت تھے اور اوراد مشائخ کے عامل۔ فارسی خاصی جانتے تھے اور عربی کی بھی ابتدائی

تعلیم تھی۔ کاشت کاری پر گزر بسر تھی، اس لئے ملازمت سے دست کش رہے ۱۳۱۲ھ میں اللہ کو پیارے ہوئے۔

آپ کی نسبت شیخ مبارک حسین کے چھوٹی صاحبزادی سے ہوئی جو شاہ چاند بیتھوی سے سلسلۂ قادریہ میں مرید تھیں۔ ان کے بطن سے صرف ایک صاحبزادے ملک العلما پیدا ہوئے، باقی صاحبزادیاں تھیں۔ ملک العلما کی والدہ ماجدہ کو حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خاص عقیدت تھی۔ وہ ہر سال گیارہویں شریف بہت اہتمام سے کرتیں۔ اسی کی برکت ہے کہ آپ کا وصال ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ کو ہوا۔ رحمۃ اللہ علیہا

سلسلۂ نسب:

حضرت ملک العلما کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

۱۔ ملک محمد ظفرالدین قادری بن ۔۲۔ ملک منشی محمد عبدالرزاق بن ۔۳۔ ملک کرامت علی بن ۔۴۔ ملک احمد بن ۔۵۔ ملک غلام قادر بن ۔۶۔ ملک سعادت یار بن ۔۷۔ ملک حمید بن ۔۸۔ ملک رزاق بن ۔۹۔ ملک محمد علی بن ۔۱۰۔ ملک فتح اللہ بن ۔۱۱۔ ملک غلام نبی بن ۔۱۲۔ ملک محمد معصوم بن ۔۱۳۔ ملک محمد سعیدالدین عرف ملک سدّن ۔۱۴۔ ملک احمد اللہ بن ۔۱۵۔ ملک تاتار بن ۔۱۶۔ ملک بہاءالدین بن ۔۱۷۔ ملک محمد اسماعیل بن ۔۱۸۔ ملک الہٰ داد بن ۔۱۹۔ ملک غلام محی الدین عرف ملک گدّن بن ۔۲۰۔ ملک خطاب الملک بن ۔۲۱۔ ملک علاءالملک بن ۔۲۲۔ ملک داؤد (خلف اکبر) بن ۔۲۳۔ حضرت سید ابراہیم ملک بیا غازی عرف ملک بیو شہید بن ۔۲۴۔ حضرت سید ابوبکر بن ۔۲۵۔ سید ابوالقاسم عبداللہ بن ۔۲۶۔ سید محمد فاورق بن ۔۲۷۔ سید ابومنصور عبدالسلام بن ۔۲۸۔ سید عبدالوہاب بن ۔۲۹۔ غوث الثقلین، غیث الکونین سیدنا شیخ محی الدین عبد القادر حسنی حسینی جیلانی قدست اسرارہم۔ سرکار غوث اعظم کا سلسلۂ نسب کافی شہرت رکھتا ہے۔ اس لئے اتنے ہی اجداد کرام بیان ہوئے (حیات اعلیٰ حضرت، جلد اول ص ۷۹)

ان میں ملک خطاب الملک سے لے کر ملک بیو شہید تک بہار شریف میں پہاڑی مقبرے کے اندر آرام فرما ہیں۔ حضرت سید ابوبکر غزنی سے تین میل کے فاصلے پر مشرقی قصبہ بت نگر میں مدفون ہیں۔ حضرت ملک غلام قادر نے بہار شریف سے منتقل ہو کر مضافاتی قصبہ رسول پور میجرا میں سکونت اختیار کی، اس لئے ان کی نسلیں وہیں مدفون ہیں۔ ملک العلما دینی

خدمات کے سلسلے میں مختلف جگہوں پر تشریف لے گئے۔ آخری آرامگاہ قبرستان شاہ ارزاں پٹنہ میں بنی۔ ان کے صاحبزادے پروفیسر مختار الدین احمد علی گڑھ میں اقامت رکھتے ہیں۔

اس خاندان میں ملک کا لقب حضرت سید ابراہیم غزنوی ہندی سے رائج ہوا۔ بادشاہ وقت نے آپ کو "ملک بیا" کا خطاب دیا تھا، ورنہ ان سے پہلے افراد خاندان خود کو سید لکھا کرتے تھے۔ اس اعزازی نسبت کے احترام میں یہ حضرات اپنے رشتے صرف اپنے ملک خاندان میں ہی کیا کرتے ہیں۔ ان کی خاندانی شاخیں پٹنہ، گیا، مونگیر، شاہ آباد، نالندہ، علی گڑھ، دہلی، کراچی اور لاہور میں پھیلی ہوئیں ہیں۔

بچپن:

ملک العلما کا بچپن رسول پور میجرا میں گذرا جو ایک قدیم طرز کا گاؤں اور شرفا کی بستی ہے۔ نالندہ اور راجگیر کے بیچ میں "سیلاؤ" نامی قصبہ ہے جس سے چار میل دور مغرب کی سمت میں رسول پور میجرا آباد ہے۔ یہ بستی بہار شریف، نالندہ اور راجگیر کی آغوش میں واقع ہے، اس لئے زمانہ قدیم سے ثقافت وتہذیب کے آثار رکھتی ہے۔ بہار شریف مخدوم جہاں شیخ شرف الدین یحیٰ منیری فردوسی (م ۷۸۲ھ) کی آرام گاہ، متعدد جلیل القدر صوفیا، علما، حکما اور ادبا کا مدفن ہے۔ نالندہ یونیورسٹی ہزاروں سالہ قدیم علمی و دانش کے آثار رکھتی ہے اور راجگیر ہندو، جین اور بودھ مذہب کا مرکز عقیدت ہے۔ اس لئے اس علاقے میں دین وادب، تہذیب وثقافت اور علم ودانش کا دیرینہ چلن رہا ہے۔ ایسی سرزمین کی آب و ہوا میں حضرت ملک العلما کا بچپن گذرا۔ اس لئے دین وادب سے وابستگی لازمی سی چیز تھی۔

تعلیم:

اسلامی طرز کے مطابق جب ملک العلما چار سال چار مہینے چار دن کے ہوئے تو رسم بسملہ خوانی ادا کی گئی۔ یہ بہت اچھی اسلامی رسم تھی جس کی برکتیں پوری زندگی ساتھ رہتیں۔ جدید سائنسی تحقیق بھی کہتی ہے کہ اتنی مدت میں بچے کا شعور اس قابل ہو جاتا ہے کہ کتابی تعلیم کی دشواریاں جھیل سکے۔ اس سے پہلے بچوں کو مختصر زبانی تعلیم دینی چاہیے۔ موجودہ دور کی انگریزی طرز تعلیم اس افادیت سے خالی ہے۔ حضرت ملک العلما کی رسم بسملہ خوانی شاہ چاند بیتھوی علیہ الرحمہ نے ادا فرمائی جس کی برکت اس صورت میں ظاہر

ہوئی کہ دنیا نے آپ کو ملک العلما کی صورت میں دیکھا۔

ابتدائی تعلیم والد ماجد منشی ملک عبدالرزاق نے دی۔ قرآن حکیم اور اردو فارسی کی کتابیں گھر پر ہی حافظ مخدوم اشرف، مولوی کبیر الدین اور مولوی عبد الطیف نے پڑھائیں۔ ۱۳۱۲ھ میں اپنی نانیہال موضع بین ضلع پٹنہ تشریف لئے گئے جہاں مدرسہ غوثیہ حنفیہ میں تفسیر جلالین، میر زاہد وغیرہ متوسطات تک تعلیم حاصل کی۔ یہاں کے اساتذہ میں مولانا شیخ محی الدین اشرف، مولانا شیخ بدر الدین اشرف کے علاوہ مولانا مہدی حسن میجروی، حافظ محمد اسماعیل بہاری، مولانا فخر الدین حیدر، مولانا محمد منعم، منشی اکرام الحق، مولانا معین اظہر رئیس بین خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ اس ادارے میں بیشتر عربی کتابیں مولوی حکیم محمد ابراہیم موی سے پڑھیں جو حاذق طبیب بھی تھے۔ یہاں کے اساتذہ میں مولوی شیخ محی الدین اشرف صاحب، ملک العلما پر خاص شفقت فرماتے۔ ملک العلما کو بھی ان کی محبتوں کا اعتراف تھا۔ فرماتے: ''میں ان کے احسانات میں از سرتاپا غرق ہوں'' (حیات ملک العلما ص ۱۱) مدرسہ حنفیہ غوثیہ بین کے رفقائے درس میں مولوی اشرف الحق (م ۱۳۱۸ھ) ولد منشی اکرام الحق، حکیم ابوالحسن خلف سید شاہ مظفر حسین، مولوی عبدالقدوس، مولانا حکیم وصی احمد، مولوی حکیم محمد رضا خاں، ماموں زاد بھائی مولوی عبدالماجد، مولوی محمد سعید، مولوی محمود عالم گھوٹوی قابل ذکر ہیں۔

عظیم آباد (پٹنہ) عرصۂ دراز سے تہذیب، ثقافت، ادب اور علم کا نمائندہ رہا ہے۔ یہیں بخشی محلہ کے اندر ۱۳۱۸ھ میں مدرسہ حنفیہ قائم ہوا جسے قاضی عبدالودود (۱۹۸۴ء) کے والد ماجد قاضی عبد الوحید فردوسی (م ۱۳۲۶ھ)* خلیفۂ امام احمد

---

* قاضی عبدالوحید فردوسی رضوی علیہ الرحمہ کو اعلیٰ حضرت سے خاص عقیدت تھی۔ جناب حضور شاہ امین احمد فردوسی کے مرید خاص تھے۔ پٹنہ میں رودادہ پر مشتمل اہل سنت کی عظیم کانفرنس (۱۳۱۸ھ) آپ نے ہی کرائی تھی جس میں اعلیٰ حضرت بھی تشریف لے گئے تھے اور وہیں اکابر علما نے اعلیٰ حضرت کو ''مجدد'' کا خطاب دیا۔ اس وقت تک کی تقریباً نصف تصانیف رضا آپ نے اپنے خرچ سے طبع کرائیں۔ آپ کی ہی تحریک پر اعلیٰ حضرت نے المعتقد المنتقد کا حاشیہ المعتمد المستند تحریر فرمایا جس میں پہلی بار دیو بندیوں کے سرغنہ مولوی اشرف علی تھانوی کی تکفیر کی۔ اعلیٰ حضرت نے قاضی صاحب کی نماز جنازہ بھی پڑھائی اور قبر میں بھی اتارا (حیات اعلیٰ حضرت، جلد اول، ص ۵۶)

رضا قادری برکاتی قدس سرہ نے قائم کیا اور جید علمائے اہل سنت کی خدمات حاصل کیں۔ ان میں محدث سورتی شاہ وصی احمد پیلی بھیتی ہندوستان گیر شہرت رکھتے تھے۔ ملک العلما نے حضرت کی آمد کو غنیمت جانتے ہوئے درس حدیث کے لئے ۲۵ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۰ھ کو اس ادارے میں داخلہ لیا اور محدث سورتی علیہ الرحمہ سے مسند امام اعظم، مشکوٰۃ شریف اور ملا جلال پڑھی۔ محدث صاحب اپنی علالت کے سبب شعبان میں پیلی بھیت واپس ہوئے تو ملک العلما نے بھی اپنے ہم درس حکیم ابوالحسن کے ہمراہ کانپور کا رخ کیا۔ یہاں امداد العلوم میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے مرید اور مولانا احمد حسن کانپوری کے شاگرد مولانا قاضی عبدالرزاق (م ۱۹۴۶ء) سے خصوصی درس لیا۔ احسن المدارس میں مولانا احمد حسن کانپوری (م ۳ صفر ۱۳۲۲ء) سے منطق کی کتابیں پڑھیں اور مولانا عبید اللہ پنجابی (م ۶، جمادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ) سے ہدایہ اخیرین مکمل کی۔ محدث سورتی کی کشش انہیں پیلی بھیت لے گئی جہاں محدث صاحب کے مدرسہ دار الحدیث میں حدیث کی منتہی کتابیں پڑھیں پھر ۱۳۲۱ھ بانس بریلی پہنچے اور مصباح التہذیب نامی مدرسے میں مولوی غلام یٰسین دیوبندی کے درس میں شریک ہوئے جو سنی بن کر تعلیم دے رہے تھے۔ دوران درس جب مولوی غلام یٰسین کی دیوبندیت آشکارا ہوئی تو امام اہل سنت اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور آپ سے تفسیر و حدیث، فقہ و تصوف کی منتہی کتابیں اور بعض نادر علوم کا درس لینا چاہا لیکن اعلیٰ حضرت ہمہ دم افتا اور تصنیف میں مصروف رہتے، اس لئے آپ کے پاس درسگاہی مصروفیات کے لئے وقت کہاں تھا۔ کہتے ہیں کہ دل کی لگن اپنی راہیں خود نکال لیتی ہے۔ ملک العلما دھن کے پکے تھے۔ انہوں نے اعلیٰ حضرت کے درس گاہی فیض کو دوبارہ جاری کرنا چاہا جس کے لئے بصد اصرار دار العلوم منظر اسلام کے قیام کی راہیں ہموار کیں۔ اعلیٰ حضرت کے منجھلے بھائی استاذ زمن مولانا حسن رضا خاں بریلوی (م ۱۳۲۶ھ) بڑے شاہزادے حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں (م ۱۳۶۲ھ) مولانا حکیم سید محمد امیر اللہ بریلوی رحمۃ اللہ علیہم سے ملاقاتیں کیں اور اپنا عندیہ ظاہر فرمایا۔ ان حضرات نے ملک العلما کے مبارک خیال کی تائید فرمائی اور اس مشن کی تکمیل کے لئے ہمہ دم مستعد ہوئے۔ بالآخر اعلیٰ حضرت نے اس ادارے کے قیام اور سرپرستی کی ذمہ داری قبول فرمائی اور منظر اسلام ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں قائم ہوا جس کے پہلے ناظم استاذ زمن مولانا حسن رضا خاں علیہ الرحمہ

اور اولین طلبہ ملک العلما مولانا ظفر الدین قادری رضوی اور مولانا سید عبد الرشید عظیم آبادی* ہوئے۔ انہیں دو طالب علموں سے اس ادارے کا افتتاح ہوا۔ ایک سال کے اندر اندر ہی اس ادارے نے جید اساتذہ اور ٹھوس علمی صلاحیت رکھنے والے علما کو اپنے اندر سمیٹ لیا۔ ان میں مولانا حکیم سید امیر اللہ بریلوی، مولانا حامد حسن رامپوری تلمیذ خاص مولانا ارشاد حسین فاروقی رامپوری (م ۱۳۱۱ھ)، مولانا سید بشیر احمد علی گڑھ تلمیذ رشید استاذ العلما مولانا لطف اللہ علی گڑھی (م ۱۳۳۴ھ) منظر اسلام کے نامور اساتذہ ہیں جن سے ملک العلمانے مسلم الثبوت، صحیح مسلم شریف اور دیگر درسیاتی کتب کی تکمیل فرمائی۔ ۱۳۲۲ھ سے ۱۳۲۵ھ تک آپ کا تعلیمی سفر جاری رہا۔ آپ نے ان چار سالوں میں جو کتابیں پڑھیں، اس کی تفصیل اپنے قلم سے یہ تحریر فرمائی:

۱۳۲۲ھ: عروض المفتاح، مقامات حریری، میر زاہد، ملا جلال، بخاری شریف، نسائی شریف، جبر و مقابلہ، مساحت اقلیدس۔

۱۳۲۳ھ: دیوان متنبی، مطول، حمد اللہ، قاضی مبارک، تفسیر مدارک، تاریخ یمینی، تصریح، شرح چغمینی، سبع شداد مسلم الثبوت۔

۱۳۲۴ھ سبعہ معلقہ، مقامات بدیع الزماں ہمدانی، صدرا، شمس بازغہ، ہدایہ اخیرین، شرح عقائد نسفی مع خیالی، صحیح مسلم۔

۱۳۲۵ھ: توضیح تلویح، بیضاوی شریف، شرح مواقف (امور عامہ) عبد العلی میر زاہد، ابوداؤد، ابن ماجہ، موطا امام مالک، موطا امام محمد، طحاوی شریف، درمختار، (حیات ملک العلما ص ۱۳)

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے ملک العلما کو بخاری شریف کا درس دیا، افتا نویسی کے اسرار سکھائے، ریاضی، ہیئت، توقیت، جفر اور تکسیر جیسے پیچیدہ علوم کی تعلیم دی۔ رسالۂ اقلیدس کے چھ مقالے، تصریح، شرح چغمینی پڑھائی اور فن تصوف میں شیخ شہاب الدین سہر

★ سید عبد الرشید عظیم آبادی، ملک العلما کے رفیق درس اور اعلیٰ حضرت کے تلمیذ اور خلیفہ تھے۔ ملک العلما کی کئی کتابوں پر آپ کی تقریظات ہیں۔ انہوں نے ملک العلما کے ساتھ مل کر زمانۂ طالب علمی میں چند سوالات مرتب کئے اور اشرف علی تھانوی کے سامنے بریلی میں پیش کئے لیکن وہ جناب ان سوالات کا جواب نہ دے سکے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے ملک العلما کا رسالہ "ظفر الدین الجید"۔ سید عبد الرشید صاحب کے ہی چھوٹے صاحب زادے ہیں مولانا حکیم سید شاہ عزیز احمد ابو العلائی الہ آباد، جن کے صاحبزادوں میں سید شمیم گوہر مشہور عالم، ادیب، طنز نگار اور شاعر ہیں۔

وردی کے عوارف المعارف اور رسالہ قشیریہ کا درس دیا۔

۱۳۲۵ھ کا تعلیمی سال مکمل ہونے کے بعد ماہ شعبان کے اخیر میں ملک العلما کو ان کے رفقائے درس کے ساتھ دستار فضیلت سے نوازا گیا۔ اس تاریخی جلسے کے خصوصی مہمان تھے درگاہ شیخ العالم مخدوم عبدالحق ردولوی قدس سرہ کے سجادہ نشین مخدوم شاہ التفات احمد علیہ الرحمہ جنھوں نے اعلیٰ حضرت کی ایما پر ملک العلما کے سر پر دستار فضیلت باندھی اور تدریس وافتا کی سند مرحمت فرمائی۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اسی سال ملک العلما کو سلاسل عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کی اجازت وخلافت عطا فرمائی اور 'ملک العلما' اور 'فاضل بہار' کا ممتاز لقب بخشا۔

تدریس:

فراغت کے بعد اعلیٰ حضرت کی خدمت میں تقریباً چار سال مزید رہے۔ دارالعلوم منظر اسلام میں تدریسی ذمہ داریاں نبھائیں، اعلیٰ حضرت کی سرپرستی میں فتاویٰ لکھے اور بوقت ضرورت مناظرے بھی کیے۔ خاص ذمہ داری یہ تھی کہ منظر اسلام کے انتظام وانصرام میں بھی ہاتھ بٹائیں اور ہر سال کے اوقات صلوۃ وصوم کی تخریج کریں۔ یہاں آپ کی تدریس سے تلامذہ کی اچھی تعداد نے فائدہ اٹھایا۔ شوال ۱۳۲۸ھ میں اعلیٰ حضرت کے حکم سے انجمن نعمانیہ ہند، لاہور تشریف لے گئے۔ ۱۳۲۹ھ میں معززین شملہ کے اصرار پر اعلیٰ حضرت نے انہیں خطیب اور مفتی کی حیثیت سے شملہ بھیجا۔ اگلے سال ۱۳۳۰ھ میں مولانا عبدالوہاب الہ آبادی کے قائم کردہ جدید ادارے مدرسہ حنفیہ، آرہ بہار میں صدر مدرس کی حیثیت سے تشریف لے گئے۔ یہ عہدہ بھی اعلیٰ حضرت کے حکم سے قبول فرمایا۔ اس ادارے کو سنبھالا دینے کے بعد ڈسٹرکٹ سیشن جج سید نورالہدیٰ ولد شمس الہدیٰ کے قائم کردہ ادارے مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں مدرس اول کی حیثیت سے طلب کیے گئے۔ آپ نے یہاں چار سال تفسیر، حدیث اور فقہ کا درس دیا۔ ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء میں سید شاہ ملیح الدین سجادہ نشین خانقاہ کبیریہ سہسرام کی درخواست پر مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام تشریف لے گئے۔ حضرت نے یہاں مدرس اول کی حیثیت سے ۱۳۳۹ھ کے اوائل تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ یہیں آپ کے صاحبزادے پروفیسر مختار الدین احمد اور صاحبزادی ربیع خاتون کی ولادت ہوئی جن کا تذکرہ آگے آتا ہے۔

یہاں کے رفقائے ادارہ میں مولانا سید ابوالحسن خوشدل شہسرامی (م ۱۹۳۵ھ) مولانا نجم الدین شہسرامی، مولانا رحم الٰہی مظفر نگری (م ۱۳۶۳ھ) مولانا سید موسیٰ رضا کاکوی (م ۱۹۵۲ء) مولانا فرخند علی مدرس خانقاہ کبیریہ کے اسمائے گرامی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ان سے روابط کی تفصیل کے لئے دیکھئے: ملک العلما اور علمائے شہسرام"۔

۱۳۳۸ھ/ ۱۹۲۰ء میں مدرسہ شمس الہدیٰ حکومت بہار کے حوالے ہوگیا۔حکومت کے زیر نگرانی اس کے انتظامات کی تجدید ہوئی اور نئی تقرریاں عمل میں آئیں۔اس وقت بھی حضرت ملک العلما کو سینئر مدرس کی حیثیت سے منتخب کیا گیا۔حضرت نے ۱۳۳۹ھ میں یہ منصب سنبھالا اور اسے خوبی تدبیر کے ساتھ نبایا۔آپ تیس بتیس سال تک اس ادارے سے وابستہ رہے اور ۱۹۵۰ء میں پرنسپل کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے۔یہاں کے رفقائے ادارہ میں ان کے دیرینہ رفیق مولانا سید عبدالرشید عظیم آبادی، مولانا سید عبید اللہ قادری الجھری (م ۵رجمادی الاخری ۱۳۳۸ھ) مولانا سید عبد السبحان دسنوی، مولانا حاجی معین الدین ندوی (۳رمئی ۱۹۴۱ء)، مولانا مشتاق احمد کانپوری (م ۱۳۵۲ھ) ولدعلامہ احمد حسن کانپوری، مولانا مقبول احمد خاں دربھنگوی (م ۱۹۷۹ء)، مولوی سید دیانت حسین دربھنگوی (م ۱۹۴۹ء) قابل ذکر ہیں۔ان میں کچھ تو اخیر تک ساتھ رہے، کچھ پہلی بار پٹنہ کی شفٹنگ میں ساتھ رہے اور بعض چند سال ہی رہ سکے۔ریٹائرمنٹ کے بعد ملک العلما اطمینان کے ساتھ تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے لیکن دولت کدے پر بعض حضرات ان دنوں بھی حصول علم کی غرض سے حاضر ہوتے۔یوں تدریس کا سلسلہ بھی ضمنی طور سے جاری رہا۔

بارگاہ عشق میتن گھاٹ کے سجادہ نشین شاہ شاہد حسین عرف درگاہی میاں کی فرمائش پر ۲۱ر شوال المکرم ۱۳۷۱ھ کو ملک العلما نے کٹیہار (بہار) میں جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کا افتتاح فرمایا اور اپنی محنت و کوشش سے اسے کافی فروغ بخشا۔منصب صدارت کو خود رونق بخشی، تدریس کے لئے اچھے اساتذہ مدعو کیے جن میں مولانا احسان علی مظفر پوری، مولانا محمد یوسف، مولانا محمد مشتاق، مولانا شہاب الدین، مولانا محمد سلیمان رضوی اور مولانا سید عبد المنان قادری (م ۱۰رنومبر ۱۹۵۶ء) کے اسمائے گرامی ملتے ہیں۔حضرت ملک العلما تفسیر بیضاوی، تفسیر مدارک، صحیح بخاری، صحیح مسلم، ہدایہ اخیرین اور مناظرۂ رشیدیہ کا درس دیتے۔فتویٰ نویسی، تصنیف اور وعظ کی مصروفیات علاحدہ تھیں۔اس ادارے نے کٹیہار اور اس

کے مضافات کو دین اور علم سے منسلک کیا اور قابل قدر علما پیدا کئے۔ اپنے وصال سے دو سال پہلے ۱۳۸۰ھ میں حضرت ظفر منزل پٹنہ تشریف لے آئے اور خود کو تصنیف و افتا اور ذکر الٰہی کے لئے خاص کر لیا۔ البتہ درس قرآن اور وعظ کا سلسلہ اب بھی جاری رہا۔

انداز درس:

ملک العلما مستعد، جفاکش، توانا تھے اور علم سے والہانہ شغف رکھتے تھے۔ اس لئے پوری لگن اور محنت سے درس دیتے وہ بھی تسلسل کے ساتھ۔ جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار میں عمر کی آخری منزلیں تھیں اور ادارے کی نوخیزی کے سبب انتظامی ذمہ داریاں بھی سر پر تھیں۔ ان سب کے باوجود ملک العلما روزانہ چھ گھنٹہ پڑھاتے تھے۔ اس سے آپ کے تدریسی شغف اور توجہ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی ادارے کے فیض یافتہ، ملک العلما کے چہیتے شاگرد مولانا شہاب الدین اشرفی نے اپنے مشاہدات پر مشتمل ایک مضمون تحریر کیا ہے: "ملک العلما کی زندگی کے چند گوشے۔" اس میں وہ حضرت کے طرز تدریس پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"میں نے حضرت ملک العلماء قدس سرہ سے جو چند فنون کی کتابیں پڑھی ہیں، مثلاً بخاری شریف، طحاوی شریف، مسند امام اعظم، تفسیر مدارک، ہدایہ آخرین، تصریح، مسلم الثبوت، دیوان حماسہ وغیرہ۔ اس لئے نہ صرف ایک فن بلکہ مختلف فنون میں آپ کے طریقۂ تدریس کا انداز میرے دل پر اب بھی نقش ہے۔ تمام فنون کی کتابوں میں طریقۂ تدریس کی عمدگی، مضامین کی تفہیم کا انداز منفرد اور نرالا تھا۔ حدیث میں بخاری پڑھانے میں حدیث کا مفہوم، حسب ضرورت راویوں کے حالات کا بیان، حدیث سے مستخرج مسائل کی وضاحت، مسائل کے مختلف فیہ ہونے کی صورت میں تہذیب، تقریب کے حوالے سے روایان حدیث کی جرح و عدالت کا ذکر، مذہب حنفی کی دیگر احادیث سے تائید وغیرہ آپ کے حسن تدریس کے جلوے تھے۔

فقہ و اصول فقہ پڑھانے کا انداز بڑا دلنشیں تھا۔ فقہ پڑھانے میں اس بات پر بھی روشنی ڈالتے کہ یہ مسئلہ ادلۂ اربعہ میں سے کس دلیل سے ثابت ہے۔ اگر مسئلہ نص سے ثابت ہوتا تو حسب ضرورت یہ بھی بتاتے کہ عبارۃ النص، اشارۃ النص، دلالۃ النص، اقتضاء النص میں سے کس نص سے یہ مسئلہ مستنبط ہے۔ اسی طرح یہ بتاتے کہ یہ مسئلہ قیاسی

ہے یا الحاقی؟ یا خلاف قیاس استحسان بالاثر وغیرہ ہے۔ علم ہیئت میں ہم نے حضرت ملک العلماء سے صرف تصریح پڑھی جس میں فلک اور کرہ کی تفصیل، رات و دن کے اختلاف، کسوف وخسوف کے وجوہات، برزخ و اقالیم کی تفصیل، صبح وشفق، سمت قبلہ کے استخراج کا طریقہ بتاتے اور مسائل کو پوری وضاحت سے سمجھاتے۔ علم ہیئت میں ان کی سلم الافلاک کا ایک قلمی نسخہ تھا، جسے متعدد طلبہ نے نقل کیا۔ حضرت ملک العلما کی طرف سے درسگاہ میں طلبہ کو اعتراض کی کھلی چھوٹ ہوتی تھی۔ مگر عموماً خود ہی اعتراض کی بھی وضاحت کرتے اور خود ہی جواب بھی دیتے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا کہ علم کا دریا موجیں مار رہا ہے۔ دوران درس کسی سبق سے متعلق کوئی واقعہ ہوتا تو اسے بھی بیان فرماتے۔ اور اس سے نتیجہ اخذ کر کے نصیحت فرماتے جو بڑا دلنشیں ہوتا (ماہنامہ جہان رضا اگست ۲۰۰۳ء ص ۲۲۔۲۳)

تلامذہ:

حضرت ملک العلما نے بریلی شریف، آرہ، پٹنہ، شہسرام اور کٹیہار میں درس دیا۔ سب سے زیادہ اوقات پٹنہ میں گذرے۔ اس کے علاوہ مسجد میں درس قرآن، مراسلاتی سطح پر ہیئت وتوقیت کی تعلیم، کاشانۂ اقدس پر خارجی اوقات میں طلبہ کے درس کی ذمہ داریاں بھی رہیں۔ غرض زندگی کا ہر لمحہ افادات سے لبریز تھا تو مستفیدین کی تعداد بھی اسی تناسب سے ہوگی۔ ہزاروں افراد نے آپ سے علمی فیض اٹھائے جن کا کوئی باضابطہ ریکارڈ محفوظ نہیں۔ چند ممتاز تلامذہ کے تذکرے ضمنی طور سے ملتے ہیں۔ انہیں کے ذکر پر اکتفا کرتا ہوں:

☆ سید شاہ احسن الہدیٰ سجادہ نشین خانقاہ شاکریہ پنڈ شریف ضلع مونگیر بہار ☆ سید شاہ فرید الحق عمادی (م ۱۷ر مارچ ۲۰۰۱ء) سجادہ نشین خانقاہ عمادیہ منگل تالاب پٹنہ سٹی ☆ سید شاہ عاشق حسین شمسی (م وسط اپریل ۲۰۰۱ء) سجادہ نشین درگاہ شاہ ارزاں شاہ گنج پٹنہ ☆ مولانا حافظ عبدالرؤف (م ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء) نائب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور ☆ شمس العلما مفتی محمد نظام الدین بلیاوی، الہ آباد (م ۱۹۹۴ء) ☆ مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی (م ۲۰۰۲ء) ☆ مولانا محمد احمد رفاقتی مصنف تذکرہ علمائے اہل سنت، مظفر پور ☆ خواجہ علم وفن محمد مظفر حسین رضوی، پورنیہ ☆ مولانا شہاب الدین اشرفی ☆ مولانا عبدالرشید رشیدی، چمنی بازار، پورنیہ ☆ مولانا شفیق احمد شہسرامی مرحوم

ذخیرۂ مکاتیب کی روشنی میں حضرت کے صاحبزادے پروفیسر مختار الدین احمد تلامذہ کا ایک جامع تعارف ترتیب دے رہے ہیں۔ خدا کرے جلد تکمیل کو پہنچے۔

فنی کمالات:

ملک العلما ایک باعمل عالم دین، صاحب کردار انسان، اخلاق مند ہمدرد، رائج فنون کے ساتھ کئی ایک نادر فنون میں بھی مہارت رکھنے والے فرد امت تھے۔ دوسرے مضامین میں ان کی فنی مہارت پر مختصر تبصرہ موجود ہے۔ میں یہاں صرف ہیئت و توقیت اور جفر و تکسیر میں فنی قدرت کا مختصر تعارف پیش کرتا ہوں۔

ہیئت و توقیت میں ملک العلما قدس سرہٗ خاص مہارت تھی اور اسی فن نے آپ کو زیادہ شہرت عطا کی۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے جن افراد کو اس فن کے بنیادی اصول سکھائے، ان میں ممتاز شخصیت ملک العلما کی تھی۔ اس فن میں آپ کے توسط سے اعلیٰ حضرت کا علمی فیض آئندہ نسلوں تک پہنچا۔ آپ نے اس فن میں چار کتابیں تصنیف کیں اور کئی ایک تلامذہ پیدا کیے جن میں ممتاز حضرت علامہ حافظ عبد الروف بلیاوی نائب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور اور شمس العلما مفتی نظام الدین بلیاوی الہٰ آبادی، خواجہ محمد مظفر حسین رضوی ہیں۔ تصانیف میں توضیح التوقیت، موذن الاوقات، توضیح الافلاک اور مشرقی کا غلط مسلک کافی شہرت رکھتی ہیں۔

ملک العلما اس فن میں اپنے تلمیذ کی کیفیت بیان کرتے ہیں لکھتے ہیں:

"ہیئت و نجوم میں کمال کے ساتھ علم توقیت میں کمال تو حد ایجاد کے درجہ پر تھا یعنی اگر اس فن کا موجد کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ علما نے جستہ جستہ اس کو مختلف مقامات پر لکھا ہے۔ لیکن میرے علم میں کوئی مستقل کتاب اس فن میں نہ تھی۔ اس لیے جب میں نے اور میرے ساتھ مولوی سید شاہ غلام محمد صاحب بہاری، مولانا مولوی حکیم سید شاہ عزیز غوث صاحب بریلوی، مولوی سید محمود جان صاحب بریلوی، حضرت حجۃ الاسلام صاحب زادہ والا جاہ مولانا شاہ حامد رضا صاحب بریلوی، مولوی نواب مرزا صاحب بریلوی نے اس فن کو حاصل کرنا شروع کیا، تو کوئی کتاب اس فن کی نہ تھی، جس کو ہم لوگ پڑھتے۔ اسی وجہ سے اعلیٰ حضرت خود ہی اس کے قواعد زبانی ارشاد فرماتے۔ اسی کو ہم لوگ لکھ لیتے اور اسی کے مطابق عمل کر کے اوقات نصف النہار، طلوع، صبح صادق، عشاء ضحوۂ کبریٰ، عصر نکالتے، ایک

زمانہ تک تو وہ قواعد ہم لوگوں کی کاپیوں میں لکھے رہے۔ پھر میں نے ان سب کو ایک کتاب میں جمع کر کے پوری توضیح وتشریح کے ساتھ مع مثال بلکہ امثلہ لکھ کر اس کا نام الجواہر و الیواقیت فی علم التوقیت معروف بہ توضیح التوقیت رکھا۔ الحمد اللہ کہ یہ رسالہ مطبع نعیمی مرادآباد میں چھپ کر شائع کیا گیا ہے اور اس سے بہت لوگوں نے اس علم کو حاصل کیا۔

اسی زمانے میں مجھے بریلی شریف جانے کا اتفاق ہوا تو ایک نسخہ گرامی جناب محبّ مکرم مخلص محترم جناب حکیم سید شاہ عزیز غوث صاحب کے لیے لیتا گیا۔ انہوں نے دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور مولوی صاحب بھی فارسی زبان میں اس فن میں تصنیف فرما رہے تھے۔ وہ رسالہ مجھے دکھایا کہ میں نے اس طرح لکھنا شروع کیا تھا۔ لیکن اب توضیح التوقیت کے بعد اس کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی ہے۔ میں نے بہت اصرار کیا کہ آپ ہرگز ایسا خیال نہ فرمائیں۔ آپ اس کتاب کو ضرور مرتب کر ڈالیے۔ یہ بھی اعلیٰ حضرت کا فیض اور ان کے علم کی اشاعت ہے ع ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است۔

(حیات اعلیٰ حضرت۔ جلد اول ۲۷۷ تا ۲۷۹)

جفر و تکسیر بھی ان فنون میں ہیں جن کے واقف کار خال خال ملیں گے۔ اعلی حضرت قدس سرہ کو اس فن میں مجتہدانہ بصیرت حاصل تھی۔ اعلیٰ حضرت سے اس فن کو جن حضرات نے حاصل کیا ان میں حجتہ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خاں قادری، مفتی اعظم شاہ مصطفے رضا خاں قادری نوری اور ملک العلما شاہ محمد ظفر الدین قادری قدست اسرارہم بہت نمایاں تھے۔ ملک العلماء تکسیری مہارت کا یہ حال تھا کہ گیارہ سو باون طریقے سے صرف مربع بھرا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں حضرت نے تحدیث نعمت کے طور پر اپنا ایک بیان کیا ہے جسے یہاں نقل کر دینا افادیت سے خالی نہ ہوگا۔ ملک العلما رقم طراز ہیں:

"عرصہ کی بات ہے کہ ایک شاہ صاحب مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ تشریف لائے اور محبّ محترم حامی دین، واقف علوم عقلیہ ونقلیہ مولانا مقبول احمد خاں صاحب دربھنگوی مدرس مدرسہ کے مہمان ہوئے اور اپنی عزت بنانے، وقار جمانے کو ادھر ادھر کی بات کرتے ہوئے فن تکسیر کی واقفیت کا ذکر کیا۔ مولوی صاحب بہت ظریف طبیعت ہیں۔ یہ سن کر ایسا انداز برتا جس سے ان شاہ صاحب نے سمجھا کہ میرے فن دانی کے قائل اور معتقد ہو گئے۔ چنانچہ مہینہ دو مہینہ میں ایک دو پھیرا ادھر ان کا ہونے لگا اور مولانا کے یہاں

ایک دو وقت قیام ضرور کرتے۔ یہ بھی مہمان نوازی فرماتے۔ جب ان کی ڈینگ بہت بڑھی تو ایک دن بہت ہلکی زبان سے فرمایا کہ میرے مدرسہ میں بھی ایک مدرس مولانا ظفر الدین صاحب ہیں، وہ بھی فن تکسیر جانتے ہیں۔ بہت حیرت ہوئی، وہ تو سمجھ رہے تھے کہ مولانا مقبول احمد خاں صاحب کے علم میں دنیا میں، میں ہی تکسیر جاننے والا ہوں اور اسی وجہ سے ایسے زبردست معقولی ہونے پر بھی میری عزت کرتے ہیں۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ اس پٹنہ میں مولانا کے دوستوں میں اسی مدرسہ کے مدرسوں میں، ایک شخص فن تکسیر جانتے ہیں تو حیرت کی حد نہ رہی۔ بولے کہ ان سے میری ملاقات کرا دیجئے گا۔ انہوں نے کہا: اچھا! وہ تو روزانہ مدرسہ کے وقت ۱۰ بجے مدرسہ تشریف لاتے ہیں اور چار بجے دریاپور واپس جاتے ہیں۔

چنانچہ ایک دن مولوی صاحب موصوف شاہ صاحب کو لیے ہوئے میرے پاس تشریف لائے اور ان کا تعارف کراتے ہوئے بہت سی خوبیاں بیان کرتے ہوئے خاص انداز سے فرمایا کہ سب سے بڑا کمال آپ کا یہ ہے کہ آپ فن تکسیر جانتے ہیں۔ میں سمجھ گیا۔ میں نے کہا کہ اس سے بڑھ کر اور کیا کمال ہوگا کہ آپ وہ فن جانتے ہیں، جس کے جاننے والے روئے زمین سے معدوم و مفقود نہیں تو قلیل الوجود ضرور ہیں۔ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ جناب کو بھی فن تکسیر کا علم ہے؟ میں نے کہا یہ مخلصوں کا محض حسن ظن ہے، کسی فن کے چند قواعد کا جان لینا فن کی واقفیت نہیں کہلاتی ہے۔ ہاں اس فن سے یک گونہ دلچسپی ضرور ہے۔

اس کے بعد میں نے ان شاہ صاحب سے پوچھا: جناب مربع کتنے طریقہ سے بھرتے ہیں؟ بہت فخریہ فرمایا: سولہ طریقہ سے۔ میں نے کہا: بس۔ اس پر فرمایا: اور آپ؟ میں نے کہا: گیارہ سو باون طریقے سے۔ بولے: سچ؟ میں نے کہا: جھوٹ کہنا ہوتا تو کیا لاکھ دولاکھ کا عدد مجھے معلوم نہ تھا، گیارہ سو باون کی کیا خصوصیت تھی؟ کہا: میرے سامنے بھر سکتے ہیں؟ میں نے کہا: ضرور، بلکہ میں نے بھر کر رکھ دیا ہے۔ آج چار بجے میرے ساتھ دریاپور تشریف لے چلیں۔ مولانا مقبول احمد خاں صاحب کو بھی میں دعوت دیتا ہوں، وہ کتاب میں حاضر کروں گا۔ ایک ہی نقشہ ہے جو اتنے طریقے سے بھرا ہوا ہے۔ جس میں کوئی ایک دوسرے سے ملتا ہوا نہیں۔ پوچھا: کن سے سیکھا؟ میں نے اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کا نام لیا۔ حضرت کے معتقد تھے، نام سن کر ان کو یقین ہو گیا مگر پوچھا: اور اعلیٰ حضرت کتنے طریقے

سے بھرتے ہیں؟ میں نے کہا: تیس سو طریقے سے۔ کہا: آپ نے اور کیوں نہیں سیکھا؟ میں نے کہا: وہ تو علم کے دریا نہیں، سمندر ہیں۔ جس فن کا ذکر آیا، ایسی گفتگو فرماتے کہ معلوم ہوتا کہ عمر بھر اسی کو سیکھا اور اسی کی کتب بینی فرمائی ہے۔ ان کے علوم کو میں کہاں تک حاصل کرسکتا ہوں؟ آخر ۴؍ بجے وہ میرے ساتھ دریاپور تشریف لائے اور وہ کاغذ جس پر میں نے وہ نقوش لکھے تھے، ملاحظہ فرمایا۔ بہت تعجب سے دیکھتے رہے اور اعلیٰ حضرت کی زیارت کے مشتاق ہوکر بعد مغرب واپس ہوئے پھر نہ معلوم کہ بریلی شریف حاضر ہوئے یا نہیں۔

(حیات اعلیٰ حضرت۔ جلد اول ص ۲۸۱ تا ۲۸۴)

ذوق مطالعہ:

ذوق مطالعہ ہی فنی صلاحیتوں کو جلا بخشتا ہے اور فکری حسن کو نکھارتا ہے۔ ملک العلما کو قدرت نے یہ ذوق بہت فیاضی کے ساتھ عطا کیا تھا۔ آپ کو طالب علمی کے زمانے سے ہی کتب بینی کا شوق تھا جو رفتہ رفتہ عشق کی حد تک پہنچ چکا تھا۔ پروفیسر مختار الدین احمد لکھتے ہیں:

''انہیں کتابیں جمع کرنے کا شوق طالب علمی کے زمانے سے تھا۔ ایک مجلد میں ''فہرست کتب علوکہ فقیر ظفر الدین احمد مورخہ ۱۰ ار رجب المرجب ۱۳۲۳ھ'' کے عنوان کے تحت کتابوں کے نام درج کئے ہیں۔ اس وقت بریلی میں ان کے پاس ۹۸؍ کتب ورسائل تھے۔

(حیات ملک العلما ص ۱۰)

ملک العلما خود ہی مطالعہ سے شغف نہ رکھتے تھے بلکہ طلبہ کو بھی مطالعہ اور کتابیں خریدنے کی ترغیب دیتے۔ یہاں بھی مولانا شہاب الدین اشرفی صاحب کا مشاہداتی بیان پیش کرتا ہوں کیونکہ یہ ان کی آنکھوں دیکھی ہے:

ضعف پیری اور علمی تبحر کے باوجود حضرت ملک العلما علیہ الرحمہ کے مطالعہ کا یہ حال تھا کہ ضرورت کی تکمیل کے بعد وقت ضائع نہ فرماتے۔ مختلف علوم وفنون کی کتابوں کا مطالعہ فرماتے، قیلولہ کے وقت عموماً اخبار ورسائل کا مطالعہ کرتے۔ جب میں یا کوئی اور طالب علم خدمت کے لئے جاتا تو ان سے علمی گفتگو فرماتے یا واقعات بیان کرتے اور ان پر اپنا ناصحانہ تبصرہ بھی کرتے۔ طلبہ کو کتابوں اور اہم رسالوں کے مطالعہ کی ترغیب دیتے خصوصاً امام احمد رضا قدس سرہ کے رسائل کے مطالعہ کی تاکید فرماتے۔ ''الاشباہ والنظائر لابن نجیم حنفی'' کے فوائد کا ذکر فرماتے ہوئے مجھے اس کے مطالعہ کی خصوصی ترغیب دی۔ کتابوں

کے خریدنے کی نصیحت کرتے اور فرماتے تھے کہ علماء کے ہتھیار ہیں۔ بے کتاب کے مولوی ایسے ہیں جیسے بے ہتھیار سپاہی۔ نیز فرماتے جب بھی سنی علمائے کرام کی کوئی تصنیف منظر عام پر آجائے تو اپنی گاڑھی کمائی کا پیسہ اس کے حاصل کرنے میں صرف کرو۔ انہیں کی ترغیب کا اثر تھا کہ وہاں کے محنتی باذوق طلبہ کچھ نہ کچھ کتابیں ضرور خریدتے۔ میں نے بھی بفضلہٖ تعالیٰ خاصی کتابیں دوران طالب علمی میں ہی خرید لیں۔ چند کتابیں خود حضرت ملک العلماء نے مجھے باہر سے منگوادی تھیں جن میں شرح جامی کی معروف شرح ''محرم آفندی،، بھی شامل ہے (جہان رضا اگست ۲۰۰۲ء ص ۲۳)

تصنیف:

قلم سے ملک العلما کا زمانۂ طالب علمی سے رابطہ رہا۔ فتویٰ نویسی نے اس ذیل میں خاصی کمک پہنچائی۔ لیکن خاص بات یہ رہی کہ آپ کا قلم ہمیشہ دین اور لوازمات دین کے گرد گھومتا رہا۔ آپ کو کبھی ادیبانہ شوق نہیں چرایا جس سے آپ کی عالمانہ شان پر دھبہ آئے۔ آپ کی باضابطہ تصنیف کا آغاز ۱۳۲۳ھ سے ہوتا ہے یعنی سال فراغ سے دو سال پہلے۔ پھر یہ سلسلہ اخیر دم تک جاری رہا اور تقریباً سو کتابیں متعدد فنون میں منظر عام پر آئیں۔ موضوعات قلم میں فنون حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، تاریخ، سیرت، سوانح، اخلاق، صرف، نحو، منطق، فلسفہ، عقائد، مناظرہ، ہیئت، توقیت، تکسیر، اذکار، اوفاق آتے ہیں۔ بیشتر کتابیں اردو زبان میں ہیں لیکن چند اہم تصانیف عربی میں بھی لکھی گئیں جن میں صحیح البہاری خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ حضرت ملک العلما کی تحریروں کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں اعلیٰ حضرت کے افادات ملتے ہیں اور انہیں کا طرز تحقیق جھلکتا ہے۔ سوز دل پایا تھا اس لئے پرخلوص جذبے بھی ہر جگہ اپنی اہمیت تسلیم کراتے چلے جاتے ہیں۔

حضرت ملک العلما کی تصانیف اور مختلف فنون میں ان کی مہارت پر اگلے صفحات میں کہیں جزوی اور کہیں مفصل تبصرہ موجود ہے۔ اس لئے یہاں صرف حضرت کی تصانیف کی فہرست موضوعات اور سن تصنیف کی تعیین کے ساتھ پیش ہوتی ہے:

(سیرت) ☆ شرح کتاب الشفا للقاضی عیاض (۱۳۲۴ھ) میں آغاز تصنیف۔ مکمل نہ ہو سکی ☆ تنویر السراج فی ذکر المعراج (۱۳۵۳ھ) اس کے کئی حصے لاہور سے شائع ہوئے۔ گھوسی، مبارک پور اور ہزاری باغ نے بھی اس کی بعض جلدیں شائع کیں ☆ مولود رضوی

(۱۳۶۰ھ) پاکستان سے شائع ہوئی۔
(حدیث) ☆ نزول السکینۃ باسانید الاجازات المتینہ (۱۳۳۳ھ) ☆ جامع الرضوی معروف بہ صحیح البہاری (۱۳۴۵ھ) سن آغاز۔ ۶ر جلدوں میں فقہ حنفی کی موید احادیث جمع کرنے کا ارادہ تھا لیکن غالبا تین جلدیں ہی ترتیب پاسکیں کہ وقت موعود آ گیا۔ دوسری جلد جو چار اجزا اور دس ہزار احادیث پر مشتمل ہے، مصنف کی حیات میں ہی شائع ہو چکی تھی، ابھی حال میں پاکستان سے بھی اشاعت ثانیہ ہوئی ہے۔ پہلی جلد پر بھی پاکستان میں کام ہو رہا ہے جو کتاب العقائد پر مشتمل ہے ☆ الافادات الرضویہ۔ اصول حدیث (۱۳۴۴ھ)
(فقہ و اصول) ☆ مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس (۱۳۲۳ھ) ☆ اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیہ فی المساجد (۱۳۲۵ھ) ☆ التعلیق علی القدوری (۱۳۲۵ھ) بسط الراحۃ فی الحظر والاباحۃ (۱۳۲۶ھ) الفیض الرضوی فی تکمیل الحموی (۱۳۲۶ھ) ☆ رفع الخلاف من بین الاحناف (۱۳۳۲ھ) ☆ القول الاظہر فی الاذان بین یدی المنبر (۱۳۳۳ھ) ☆ تحفۃ الاحباب فی فتح الکوۃ والباب (۱۳۳۲ھ) نہایۃ المنتھی فی شرح ہدایت المبتدی (۱۳۴۳) ☆ تسہیل الوصول الی علم الاصول (۱۳۴۸ھ) ☆ نافع البشر فی فتاوی ظفر (۱۳۴۹ھ) ☆ نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب (۱۳۵۴ھ) ☆ جامع الاقوال فی رویۃ الھلال (۱۳۵۷ھ) ☆ عید کا چاند (۱۳۷۰ھ) ☆ تنویر المصباح للقیام عندحی علی الفلاح (۱۳۷۱ھ) اصلاح الایضاح۔ ان میں مجموعہ فتاویٰ نافع البشر ناچیز نے مرتب کر کے شائع کیا جس میں چھ فقہی رسائل بھی شائع ہوئے۔ جامع الاقوال بوجوہ پٹنہ سے شاہ محمود حسین عرف شاہ بودا برادر شاہ حامد حسین سجادہ نشین درگاہ شاہ ارزاں کے نام سے ۱۳۵۷ھ میں شائع ہوا۔ باقی رسائل غیر مطبوعہ ہیں۔
(عقائد و مناظرہ) ☆ ظفر الدین الجید (۱۳۲۳ھ) مطبوعہ ☆ الحسام المسلول علی منکر علم الرسول (۱۳۲۳ھ) ☆ مبین الھدیٰ فی نفی امکان مثل المصطفےٰ (۱۳۲۴ھ) یہ خالص مناظراتی تحریر ہے جو ابھی قلمی صورت میں ہے۔ ☆ شکست سفاہت (۱۳۲۶ھ) مطبوعہ ☆ ظفر الدین الطیب (۱۳۲۷ھ) یہ ظفر الدین الجید کے ساتھ متعدد بار شائع ہوا ☆ نجم الکنزہ علی الکلاب المطرۃ (۱۳۲۸ھ) ☆ النبراس لدفع المنباس (۱۳۲۹ھ) ☆ کشف المستور عن مناظرۃ رامپور (۱۳۳۴ھ) ☆ گنجینۂ مناظرہ (۱۳۳۴ھ) مطبوعہ ☆ ندوۃ

العلما (۱۳۳۸ھ) ☆ الفوائد التامہ فی اجوبۃ الامور العامۃ (۱۳۵۷ھ)
(فضائل ومناقب) تحفۃ الاحبار فی مناقب الاخبار (۱۳۲۷ھ) ☆ تحفۃ المطانی فضل العلما (۱۳۶۵ھ) ☆ النور والضیا فی سلاسل الاولیا (۱۳۸۲ھ) سبھی قلمی صورت میں ہیں۔
(تاریخ وسوانح) ☆ الجمل المعدد لتالیف المجدد (۱۳۲۷ھ) دسیوں ایڈیشن نکل ہیں ☆ جواہر البیان فی ترجمۃ خیرات الحسان (۱۳۳۳ھ) حضرت ابن حجر مکی (م ۹۷۳ھ) نے امام اعظم کی سوانح "الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان" تحریر فرمائی۔ ملک العلما نے حاجی لعل خاں کی فرمائش پر اس کا اردو ترجمہ کیا جو ۱۳۳۳ھ میں کلکتہ سے شائع ہوا پھر اس کے متعدد ایڈیشن ہندوستان، پاکستان اور ترکی سے شائع ہوئے۔ ☆ خیر السلوک فی نسب الملوک (۱۳۳۳ھ) ☆ اعلام الاعلام باحوال العرب قبل الاسلام (۱۳۴۱ھ) ☆ چودھویں صدی کے مجدد (۱۳۶۷ھ) ☆ حیات اعلیٰ حضرت / مظہر المناقب (۱۳۶۹ھ) یہ کتاب چار جلدوں میں ہے جو بارہ سال کے عرصے میں تصنیف ہوئی۔ پہلی جلد مصنف کی حیات میں شائع ہوئی۔ باقی دو جلدیں ۲۰۰۳ء میں مفتی مطیع الرحمٰن رضوی کی ترتیب سے۔
(اخلاق ونصائح) ☆ سرور القلب المحزون فی الصبر عن نور العیون (۱۳۳۸ھ) یہ رسالہ متعدد بار شائع ہوا۔ ناچیز نے اسے ایڈٹ کر کے 'اسلامی نظر موت' کے نام سے المجمع الاعظمی ہزاری باغ کے زیر اہتمام شائع کرایا۔ ☆ ھادی الھدیٰ ترک الموالات (۱۳۳۹ھ) ☆ دلچسپ مکالمہ (۱۳۴۷ھ) ہجرت پاکستان کے بعد ۴۵ لاکھ مسلمان عورتیں بیوگی کا داغ لئے بیٹھی تھیں۔ عقد بیوگاں کی ترغیب میں یہ رسالہ تحریر ہوا جس کے دو ایڈیشن ۱۳۴۷ھ اور ۱۳۵۵ھ میں پٹنہ کے شائع ہوئے ☆ سد الفرار لمہاجری بہار (۱۳۶۶ھ) ہجرت بنگال کے نام سے مشہور یہ رسالہ پٹنہ سے شائع ہو کر مفت تقسیم ہوا۔
(نحو وصرف) ☆ التعلیق علیٰ شروح المغنی (۱۳۳۱ھ) ☆ وافیہ (۱۳۳۵ھ) ☆ المقصر المبنی علی بناء المغنی (۱۳۳۶ھ) ☆ نظم المبانی فی حروف المعانی (۱۳۲۷ھ) ☆ عافیہ بصرف (۱۳۳۵ھ) ۱۹۳۶ء میں بریلی سے شائع ہوا۔
(منطق وفلسفہ) ☆ تقریب (۱۳۳۵ھ) ☆ تہذیب (۱۳۳۵ھ) ☆ الانوار اللامعۃ من الشمس البازغۃ (۱۳۵۷ھ) سبھی قلمی ہیں۔

(ہیئت وتوقیت) ☆ الجواہر والیواقیت معروف توضیح التوقیت (۱۳۳۰ھ) مطبوعہ ☆ بدر الاسلام لمیقات کل الصلوۃ والصیام معروف بہ مؤذن الاوقات (۱۳۳۵ھ) مطبوعہ ☆ توضیح الافلاک معروف بہ سلم السماء (۱۳۴۰ھ) ☆ مشرقی اور سمت قبلہ/ مشرقی کا غلط مسلک (۱۳۵۸ھ) ۱۹۴۰ء جنوری فروری کے معارف اعظم گڑھ میں قسط وار اشاعت ہوئی۔ ابھی چند سال پہلے لاہور سے کتابی شکل میں شائع ہوا۔

(جفر وتکسیر) اطیب الاکسیر فی علم التکسیر (۱۳۳۰ھ) ☆ التحقیق المبین لکلمات التوبین (۱۳۳۰ھ) متفرق۔

افتا:

ملک العلما ۱۳۲۱ھ میں بریلی پہنچے اور ۱۳۲۲ھ میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ درسیات کے ساتھ مشق افتا بھی شروع ہوئی۔ پہلا فتویٰ لکھ کر جب اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بغرض اصلاح پیش کیا تو حسن اتفاق کہ بالکل صحیح نکلا۔ اعلیٰ حضرت خوش ہوئے، دعائیں دیں اور انعام سے بھی نوازا۔ ملک العلما افتخاریہ انداز میں اس نوازش کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جامع حالات فقیر محمد ظفر الدین قادری رضوی غفرلہٗ کہتا ہے کہ ۱۳۲۲ھ میں سب سے پہلے جو فتویٰ میں نے لکھا اور اعلیٰ حضرت کی خدمت میں اصلاح کے لیے پیش کیا، حسن اتفاق سے بالکل صحیح نکلا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز اس فتویٰ کو لیے ہوئے خود تشریف لائے اور ایک روپیہ دست مبارک سے فقیر کو عنایت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: مولانا! سب سے پہلے جو فتویٰ میں نے لکھا، اعلیٰ حضرت والد ماجد قدس سرہ العزیز نے مجھے شیرینی کھانے کے لیے ایک روپیہ عنایت فرمایا تھا۔ آج آپ نے جو فتویٰ لکھا، یہ پہلا فتویٰ ہے اور ماشاء اللہ بالکل صحیح ہے۔ اس لئے اسی اتباع میں ایک روپیہ آپ کو شیرینی کھانے کے لیے دیتا ہوں۔ غایت مسرت کی وجہ سے میری زبان بند ہوگئی اور میں کچھ بول نہ سکا۔ اس لیے کہ فتویٰ پیش کرتے وقت میں خیال کر رہا تھا کہ خدا جانے جواب صحیح لکھا ہے یا غلط۔ مگر خدا کے فضل سے وہ صحیح اور بالکل صحیح نکلا اور پھر اس پر انعام اور وہ بھی ان الفاظ کریمہ سے کہ میرے والد ماجد صاحب نے مجھے اول فتویٰ صحیح پر انعام دیا تھا، اس لیے میں بھی اول فتویٰ صحیح پر انعام دیتا ہوں۔ حق یہ ہے کہ ایک خادم کی وہ عزت افزائی ہے جس کی حد نہیں،

اور اس کے بعد اس کو ہمیشہ برقرار رکھا۔ میرے پاس چالیس سے زیادہ مکاتیب ہیں جو وقتاً فوقتاً بریلی شریف سے امضا فرمائے۔ اس میں برابر ولدی الاعز مولانا مولوی محمد ظفر الدین جعلہ اللہ تعالی کاسمہ ظفر الدین سے شروع فرمایا۔ فتاویٰ شریف جلد اول میں میرا نام انہیں لفظوں سے تحریر فرمایا (حیات اعلیٰ حضرت اول ص ۱۵۴)

افتا کا سلسلہ پوری زندگی چلتا رہا حتی کہ وصال کے دن بھی وراثت کے متعلق ایک مفصل فتویٰ تحریر فرمایا۔ آپ کے صاحبزادے پروفیسر مختار الدین احمد لکھتے ہیں:

''زندگی کے آخری دن صبح دس بجے دریاپور کی مسجد جا کر حسب معمول انہوں نے قرآن پاک کا درس دیا اور اسی شام کو چار خط لکھے۔ والدۂ مرحومہ فرماتی تھیں کہ دو خطوط کے بارے میں تو یاد نہیں، تیسرا خط تمہارے نام تھا اور چوتھا خط بہت طویل تھا جو وراثت کے ایک پیچیدہ مسئلے کے بارے میں تھا'' (موذن الاوقات ص ۳۶)

احقر نے ممکنہ وسائل سے حضرت ملک العلما کے جتنے فتاویٰ اور فقہی رسائل دستیاب ہو سکتے تھے، انہیں کتابی صورت دیدی ہے۔ یہ فتاویٰ ملک العلما ۵۱۲ رصفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔

مناظرہ:

ملک العلما نے غیر مقلدوں، دیوبندیوں، آریوں اور پادریوں سے کئی ایک کامیاب مناظرے کئے۔ کئی مناظروں میں اعلیٰ حضرت کے حکم سے تشریف لے گئے اور کئی جگہ انہیں خود طلب کیا گیا۔ رنگون (برما)، رامپور، بریلی، کلکتہ، میوات، راندیر کے مناظروں کا تذکرہ تحریری صورت میں ملتا ہے۔ کئی تحریریں بھی مناظراتی انداز کی ہیں جن میں مبین الھدیٰ فی نفی امکان مثل المصطفے میں حضرت کا جدلیاتی علم شباب پر ہے۔ کلکتہ کے مناظرے کی روداد ''گنجینۂ مناظرہ'' (۱۳۳۴ھ) کے نام سے چھپ چکی ہے۔ رامپور کے مناظرے کے تفصیل کشف المستور عن مناظرۃ رامپور (۱۳۳۴ھ) میں موجود ہے۔ ظفر الدین الجید میں تھانوی کا گھیراؤ ہے اور ظفر الدین الطیب میں غیر مقلدیت کے فتنے کو لگام دی گئی ہے۔ میں یہاں کلکتہ، میوات اور راندیر کے مناظرے کی تفصیلات نقل کرتا ہوں جو حضرت نے خود بیان فرمائی ہیں۔

فیروز پور میوات کے مناظرے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"۱۳۲۶ھ ملک میوات میں وہابیہ دیوبندیہ نے بہت اودھم مچا رکھا تھا اور بیچارے سیدھے سادے میواتیوں کو اپنے دام تزویر میں پھنسانا چاہتے تھے کہ جناب مولانا صوفی رکن الدین صاحب الوری نے مولانا مولوی احمد حسین خاں صاحب رامپوری مقیم درگاہ معلیٰ اجمیر شریف اندرون حجرہ نواب رامپور کو کسی عالم مناظر کو لینے کے لئے بریلی شریف بھیجا۔ مولوی صاحب موصوف بریلی حاضر ہوئے اور اعلیٰ حضرت سے وہاں کے حالات عرض کئے۔ اس وقت اعلیٰ حضرت نے مجھے یاد فرمایا اور حکم دیا کہ ملک میوات تحصیل نواح فیروز پور جھرکا میں وہابیوں سے مناظرہ کرنا ہے۔ آپ مولانا کے ساتھ تشریف لے جائیے اور وہابیہ کو شکست دیجئے۔ میں نے عرض کیا، تعمیل ارشاد کو حاضر ہوں۔ حضور کی دعا کی ضرورت ہے، حضور کی دعا شامل حال رہی تو انشاء اللہ وہابیہ کو ضرور شکست ہوگی۔ اس وقت اعلیٰ حضرت مکان کے اندر تشریف لے گئے اور ایک اونی جبہ لاکر مجھے عنایت فرمایا، اور ارشاد ہوا کہ یہ مدینہ طیبہ کا ہے۔ میں نے اسے دونوں ہاتھوں سے لے کر سر پر رکھا، آنکھوں سے لگایا اور رکھ لیا۔ اعلیٰ حضرت کی دعا اور اس جبہ مبارکہ کی برکت، ہوئی کہ وہابیہ کی طرف سے متعدد صاحبان مناظرہ کے لئے آئے تھے۔ ان میں ایک صاحب ایسے بھی تھے جو بقول خود مکہ معظمہ میں تین چار سال قیام بھی کر چکے تھے، اور اسی بنا پر بڑے زور سے دعویٰ کیا تھا کہ تقریریں سب عربی میں ہوں۔ ادھر سے کہا گیا کہ مولانا یہ مجلس مناظرہ ہے، دونوں طرف کے عوام بکثرت شریک جلسہ ہوئے ہیں۔ عربی میں فریقین کی تقریر ہونے یہ کیا سمجھیں گے؟ لیکن وہ نہیں مانے اور اسی پر اصرار کیا۔ دو تین مرتبہ فریقین کی تقریریں ہوئی تھیں کہ مولوی صاحب موصوف تقریر کرتے بول اٹھے: والناس می فہمند۔ مولوی احمد حسین خاں صاحب رامپوری نے فوراً ٹوکا مولانا! یہ تو فصیح عربی نہیں ہوئی، فصیح عربی 'والناس می مجھند ہے۔ کیا ایسی ہی عربی مکہ معظمہ سے سیکھ کر آئے ہیں؟ اس پر زبردست قہقہہ پڑا اور مولوی صاحب کھسیانے سے ہو گئے۔ اس کے بعد بقیہ تقریر اردو میں کی۔ پھر فریقین کی تقریریں عربی کی جگہ اردو ہی میں ہونے لگیں۔ جب ابتدائی مباحث طے ہو گئے اور علمی سوالات کی نوبت آئی تو پہلے ہی سوال کے جواب میں سبھوں نے ایسی خاموشی اختیار کی کہ ایک لفظ بھی نہ بول سکے۔ تقاضے پر تقاضے ہوتے مگر ان کا سکوت نہ ٹوٹتا۔ تین گھنٹے تک سب کے سب خاموش محض رہے۔ آخر ثالث و حکم صاحب نے کہا۔ مولانا! کچھ تو

بولیے تاکہ ہم لوگوں کو کچھ کہنے کا موقع ملے۔ اس پر بھی وہ لوگ خاموش محض رہے۔ آخر مجبوراً ان لوگوں نے بھی اعلان کیا۔

صاحبو! آپ لوگوں کے سامنے سب ابتدائی باتیں طے ہوئیں۔ جب علمی باتوں کی نوبت آئی، مولانا ظفر الدین صاحب نے جو سوالات کیے ان کے جواب میں ان تمام علما نے سکوت محض سے کام لیا اور بالکل خاموشی میں تین گھنٹہ وقت صرف کر دیا۔ اس سے علوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں ہے اور یہ لوگ جواب سے قاصر ہیں، ورنہ کس دن کے لیے اٹھار کھتے۔ ان لوگوں کا مذہب باطل اور مولوی شاہ رکن الدین صاحب، مولوی شاہ ارشاد علی صاحب و مولانا مولوی ظفر الدین صاحب مولوی احمد حسین خاں صاحب وغیرہ علما کا مذہب حق ہے۔ آپ لوگ آتے وقت دروازے سے الگ الگ داخل ہوئے تھے۔ اب سب لوگ متفق ہو کر اس دروازہ سے مولوی ظفر الدین صاحب کے ساتھ مناظرہ گاہ سے باہر تشریف لے جائیں۔ چنانچہ ان چند مولویوں کے علاوہ بقیہ سب لوگ علمائے اہل سنت کے ساتھ ساتھ آئے۔ جب بخیر و خوبی کامیابی کے ساتھ ہم لوگ بریلی شریف واپس ہوئے اور اعلیٰ حضرت کو اس مناظرہ کی روداد سنائی اور ان لوگوں کی خواہش کا اظہار کیا کہ میوات والے چاہتے ہیں کہ مناظرہ کے پورے حالات کتابی شکل میں شائع کر دیے جائیں۔ وہ لوگ اس کی طباعت کے مصارف برداشت کرنے کو تیار ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے بھی اسے پسند فرمایا اور اس رسالہ کا تاریخی نام ”یکے نجدیہ کا چپ مناظرہ“ رکھا اور جناب مولانا حسن رضا خاں صاحب نے اس کا تاریخی نام ”شکست سفاہت رکھا“ چنانچہ یہ رسالہ اسی زمانہ میں چھپ کر تمام ملک میں شائع کر دیا گیا۔

(حیات اعلیٰ حضرت۔ اول ص ۱۷۸ تا ۱۸۱)

۱۳۳۴ھ میں کلکتہ کا مناظر ہوا ہے اس کے بارے میں رقم طراز ہیں:

”۱۳۳۴ھ میں جب میں مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ میں مدرس اول تھا۔ رمضان شریف کی تعطیل میں اعلیٰ حضرت کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا۔ اس زمانہ میں اعلیٰ حضرت ہیأت میں ایک کتاب تصنیف فرما رہے تھے اور میں اسے صاف کر رہا تھا۔ ارادہ تھا کہ ماہ رمضان المبارک تمام کر کے بعد شش عید کے جب مدرسہ کھلے گا، پٹنہ واپس ہوں گا۔ لیکن اواخر رمضان شریف میں جناب حاجی لعل خاں صاحب مرحوم کا خط پہنچا کہ یہاں ولی

اللہ نامی ایک وہابی آیا ہوا ہے اور جگہ جگہ مناظرہ کا چیلنج دیتا ہے۔ حضور والا مولانا محمد ظفر الدین صاحب کو روانہ فرمادیں۔ اس وقت وہ کتاب قریب ختم کے تھی، اعلیٰ حضرت نے دو دن میں اس کو تمام کر دیا۔ لیکن مجھے نقل کرنا اور صاف کرنا بہت باقی تھا، اس لیے حضرت نے فرمایا کہ آپ کو اس کو اپنے ساتھ لیتے جایئے اور نقل کرنے کے بعد اصل اور نقل دونوں رجسٹری سے واپس کر دیجئے گا۔ جب چلنے کا وقت ہوا اور اسٹیشن جانے کے لیے سواری آ گئی، اعلیٰ حضرت باہر تشریف لائے اور دو نوٹ دس دس روپے کے مجھے عنایت فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ میرا ارادہ تھا کہ امسال عید میں آپ یہیں رہیں گے۔ بچوں کے لیے کپڑے بنواؤں گا تو آپ کے لیے بھی بنواؤں گا۔ لیکن دینی ضرورت سے آپ کلکتہ جا رہے ہیں، اس لیے یہ روپے آپ کی نذر ہیں۔ مجھے بہت شرم آئی کہ طالب علمی کا زمانہ تو ضرورت کا زمانہ تھا، اب تو میں نوکر ہوں۔ میں پیر کی خدمت کیا کرتا اور ان کی نذر کرتا کہ الٹے پیر ہی سے روپے وصول کروں۔ میں نے کچھ تامل کیا۔ اعلیٰ حضرت نے باصرار عنایت فرمایا۔ میں نے قدم بوسی کرتے ہوئے وہ روپے لے لیے اور کلکتہ روانہ ہوا۔ میرے پہنچنے کی خبر ملتے ہی سارا جوش ٹھنڈا ہو گیا، کس میں مناظرہ کا دم ہے۔ اعلیٰ حضرت کی دعا کا اثر ہے۔

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے　　　اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

(حیات اعلیٰ حضرت۔ اول ص ۱۵۷، ۱۵۸)

راندیر کے مناظرے میں آپ کی طلب اس وقت ہوئی جب ملک العلماء مدرسہ خانقاہ کبیریہ شہسرام میں مدرس اول کے فرائض انجام دے تھے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس مناظرے میں مناظر کی حیثیت سے آپ کا انتخاب فرمایا۔ مکتوب رضا ملاحظہ ہو:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم!

مولانا المکرم ذی المجد والکرم ولدی الاعز مولانا مولوی ظفر الدین جعلہ اللہ تعالیٰ کاسمہ ظفر الدین! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ!

وہابیہ خذلہم اللہ تعالیٰ نے تین جگہ شور مچا رکھا تھا۔ بھاگل پور، فیروز آباد، راندیر، بھاگلپور کا نتیجہ تو یہ ہوا کہ آپ کو اس اشتہار اور مولانا مولوی نعیم الدین صاحب کے خط سے واضح ہوگا۔ یہ خط اصل ہے، بعد ملاحظہ واپس ہو۔ فیروز آباد میں ایک صاحب مورچہ لیے ہوئے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ وہاں حاجت نہ ہوگی۔ راندیر میں ابھی کوئی آدمی کام کا نہ گیا۔

وہاں ضرورت پڑتی معلوم ہوتی ہے۔ میں نے فاتحان بھاگل پور کو آج ہی لکھ دیا ہے کہ طیار رہیں، مگر انہوں نے وہاں سے کلکتہ جانے کو لکھا تھا اور شاید ابھی انہیں اطراف میں ان کا قیام مناسب ہو۔ لہٰذا آپ راندیر جانے کے لیے طیار رہیں۔ میرے تار کا انتظار کریں۔ والسلام مع الاکرام۔ فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ ۸؍رجب المرجب ۱۳۳۶ھ

(حیات اعلیٰ حضرت، دوم ص ۶۹۲)

اعلیٰ حضرت اپنے دوسرے مکتوب محررہ ۲۲ رجب ۱۳۳۶ھ میں رقم طراز ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ولدی الاعز مولانا المکرم اکرمکم وجعلک کاسمک ظفر الدین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کی مستعدی پر بحمدہ تعالیٰ بہت جی خوش ہوا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ خیرا! وبارك فی کم و بکم ولکم وعلیکم۔ آج ۱۳ دن ہوئے راندیر سے جواب نہ آیا۔ جواب آنے پر کچھ کہا جائے گا۔ ظاہراً وہی تحریر بعونہ تعالیٰ کافی ہوگی۔ (حیات اعلیٰ حضرت، دوم، ص ۷۰۱) مناظرہ اگر ہوا تو اس کی تفصیلات نہیں ملتیں۔

شکل نورانی:

گندمی رنگ، دراز قد، کشادہ چہرہ، جسم توانا، بھرا بھرا، کشادہ پیشانی، آنکھیں بڑی بڑی، ریش مبارک گھنی اور خوبصورت، ہاتھ دراز اور چوڑے، آواز بلند اور بارعب تھی۔ مزاج میں شوکت تھی لیکن متواضع، جبروت تھا لیکن سادہ، رعب تھا لیکن شفیقانہ۔

عائلی زندگی:

ملک العلما ۱۳۲۵ھ میں بریلی شریف سے فارغ التحصیل ہوئے اور وہیں تدریسی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ دو سال کے بعد ۱۳۲۷ھ کے اواخر میں رشتہ ازدواج سے منسلک ہوئے۔ آپ کی اہلیہ رابعہ خاتون منشی محمد واعظ الحق استھانوی (پٹنہ) کی بڑی صاحبزادی تھیں۔ ان کی ولادت ۱۲؍ربیع الاول شریف ۱۳۱۳ھ کو ہوئی۔ اس طور سے آپ ملک العلما سے عمر میں دس سال چھوٹی تھیں۔ ان کے بطن سے دو بیٹے اور چھ بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ جب تک اعلیٰ حضرت حیات رہے، بھی بچوں کے نام آپ ہی نے تجویز فرمائے۔ یہ ملک العلما کی اعلیٰ حضرت سے غایت درجہ عقیدت تھی۔ حضرت خود تحریر فرماتے ہیں:

"۱۳۲۹ھ میں، میں شملہ میں جامع مسجد میں خطیب تھا کہ مکان سے خط آیا اور اس میں بڑی لڑکی کی پیدائش کی خوش خبری تھی۔ میں نے اس خط کو اور اس کے ساتھ ایک عریضہ لکھ کر بریلی شریف اعلیٰ حضرت کی خدمت اقدس میں حاضر کیا جس میں تاریخی نام کے لئے عرض کیا تھا۔ بہ واپسی ڈاک جواب آیا جس میں مبارک باد تھی اور بچی کے لئے دعائے خیر اور تاریخی نام "زرینہ خاتون" (۱۳۲۹ھ) تحریر فرمایا تھا۔ اسی طرح رجب ۱۳۳۳ھ میں دوسری لڑکی پیدا ہوئی تو میں نے پٹنہ سے عریضہ حاضر کیا اور تاریخی نام کی درخواست کی تو ولیہ خاتون (۱۳۳۳ھ) زبر وبینات سے تاریخی نام تجویز فرمایا۔ پھر عزیزی مختار الدین سلمہ کے بعد ۱۳۳۹ھ میں شہسرام میں لڑکی پیدا ہوئی۔ میں نے اس کی ولادت کی خبر دی اور تاریخی نام کے لئے عرض کیا، حضور نے ربیع خاتون (۱۳۳۹ھ) تاریخی نام تجویز فرمایا۔" (حیات اعلیٰ حضرت، اول، ص ۳۱۷)

پہلی بچی زرینہ خاتون ۱۳۲۹ھ میں تولد ہوئی۔ دوسرا بچہ پیدا ہوا جو عالم شیر خوارگی میں انتقال کر گیا پھر ایک صاحبزادی ۱۳۳۳ھ میں پیدا ہوئیں۔ ملک العلما نے ان کا تاریخی نام رئیسہ خاتون بجویز کرنا چاہا جس کا تاریخی سال حضرت کی صواب دید کے مطابق ۱۳۳۳ھ نکل رہا تھا۔ اس سلسلہ میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی رائے مبارک دریافت کرنا چاہی تو بریلی شریف سے یہ جواب موصول ہوا:

"رئیسہ خاتون کے عدد ۱۳۴۲ھ ہیں کہ کتاب میں دو (ی) ہیں۔ ہمزہ کے لئے کوئی عدد نہیں، نہ اس کے عدد کبھی لئے جائیں۔ اگر مرکز یعنی واو پر ہے تو اس مرکز کے عدد لیں گے جیسے رأس، رؤس، رئیس میں ۱، ۶، ۱۰۔ اور کچھ نہیں جیسے علماء، نساء، خبء، تبوء، جئ۔ میرے خیال میں دل آرام خاتون (۱۳۳۳ھ) آیا تھا اسی زمانے میں مگر کچھ پسند نہ تھا۔ لہٰذا آپ کو نہ لکھا (حیات اعلیٰ حضرت ۲/۱۲۰) پھر آپ نے ولیہ خاتون، نام تجویز فرمایا:

"لڑکی کا تاریخی نام ولیہ خاتون سمجھ میں آیا ہے۔ یہ تاریخ زبر وبیات میں ہے۔

و	ل	ی	ہ	خ	ا	ت	و	ن
۱۳	۷۱	۱۱	۶	۶۰۱	۱۱۱	۴۰۱	۱۳	۱۰۶ = ۱۳۳۳

(مکتوب رضا، حیات اعلیٰ حضرت، دوم، ص ۶۹۹)

قیام شہسرام کے دوران ۱۳۳۶ھ میں صاحبزادہ مختار الدین احمد کی ولادت

ہوئی۔ اعلیٰ حضرت نے مبارکباد کا تار دیا۔ مکتوب تحریر فرمایا اور ملک العلما کی فرمائش پر تاریخی نام بھی تجویز ہوا:

مولانا المکرّم اکرمکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خط آیا، اس کا جواب تو بعد کو ہو۔ پہلے یہ گزارش کہ ۲۸؍ ذی قعدہ روز جمعہ کو آپ کا خط مژدہ ولادت صاحبزادہ وطلب نام تاریخ میں آیا۔ میں نے اسی دن تہنیت کا تار دیا اور اس میں تاریخی نام مختار الدین (۱۳۳۶ھ) لکھا۔ اس کی کوئی رسید نہ آئی۔ میں نے سمجھا کہ غیر ضروری جان کر آپ نے نہ لکھی۔ اب کہ خط آیا، اس میں بھی اس کا کوئی تذکرہ نہیں، تو ظن ہوتا ہے کہ تار پہونچا ہی نہیں، جسے بھیجے ہوئے آج ۱۶؍ دن ہوئے۔ اگر ایسا ہے، اطلاع دیجئے کہ تار گھر مطالبہ ہو۔ فقیر قادری غفرلہٗ (حیات اعلیٰ حضرت۔ ۲/ ۷۰۸)

انہیں صاحبزادے کے تعلق سے اعلیٰ حضرت نے ایک خواب دیکھا۔ اس کے بعد یہ ہدایت فرمائی: نور العین مختار الدین کو تول کر ناج تصدق کیجئے اور ایک راس اس کی طرف سے ذبح کر کے تصدق مع پوست کر دیجئے۔ میں نے ایک خواب دیکھا، ان شاء اللہ العزیز اچھا ہے۔ یہ صدقہ مناسب ہے" (حیات اعلیٰ حضرت۔ ۲/ ۷۱۷)

۱۳۳۹ھ میں اللہ تعالیٰ نے پھر ایک صاحبزادی عطا کی۔ یہ ملک العلما کے قیام شہسرام کا آخری زمانہ تھا۔ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں اطلاعی عریضہ حاضر کیا اور نام تجویز کرنے کی فرمائش کی تو اعلیٰ حضرت نے یہ مفاوضۂ عالیہ تحریر فرمایا:

"خط ملا۔ یہ نعمت تازہ مبارک ہو۔ اس کا نام وہ رکھئے کہ ہندوستان میں کسی عورت کو نصیب نہ ہوا، یعنی حضرت رُبَیِّع بنت مُعَوِّذ انصاریہ صحابیہ بنت صحابی علیہما الرضوان کے نام پر ربیع خاتون (۱۳۳۹ھ) (حیات اعلیٰ حضرت، دوم، ص ۷۳۸)

۱۳۴۰ھ میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے وصال کے بعد تین صاحبزادیاں اور تولد ہوئیں۔ ملک العلما نے صفیہ خاتون (۱۳۴۲ھ) شمیمہ خاتون (۱۳۴۵ھ) اور نعیمہ خاتون (۱۳۴۸ھ) نام تجویز کیا۔ ایک صاحبزادے عالم شیر خوارگی میں اور ایک صاحبزادی ولیہ خاتون پانچ سال کی عمر میں ۲۹؍ ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ/ ۱۵؍ اگست ۱۹۲۰ء میں فوت ہو گئیں۔ حضرت نے مرحومہ کو ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ بارش میں عریاں پریشان ہیں۔ اعلیٰ حضرت سے اس خواب کی تعبیر چاہی تو اعلیٰ حضرت نے تسلی دی اور فرمایا کہ خواب مبارک ہے:

"بچی مرحومہ کو جس طرح خواب میں دیکھا جاتا ہے، انشاء اللہ تعالیٰ بہت مبارک ہے۔ نہانا رحمت و برکت ہے اور برہنگی دلیل حاضری بارگاہ ہے کہ دربار عزت میں حاضری یوہیں ہوگی۔ قال اللہ تعالیٰ: لقد جئتمونا کما خلقنکم اول مرۃ۔ وقال صلی اللہ علیہ وسلم: انکم تحشرون حفاۃً عُراۃً۔ اور دیکھنے والوں کو تصحیح اعمال کی تنبیہ و انذار ہے۔ قال صلی اللہ علیہ وسلم: انا النذیر العریان۔ حضرت سرمد کا شعر ہے۔

پوشاندہ لباس ہر کرا عیبے دید ۔۔۔ بے عیباں را لباس عریانی داد

والسلام (حیات اعلیٰ حضرت۔۲/۳۲۔۷)

صاحبزادہ پروفیسر مختار الدین احمد کا تعارف اخیر میں آتا ہے۔ ان کا عقد مسنون ان کی سگی خالہ نجم النسا بیگم کی چھوٹی صاحبزادی ناظمہ بیگم کے ہمراہ جولائی ۱۹۴۵ء میں ہوا۔ ان سے دو صاحبزادے طارق مختار، اقبال احمد اور دو صاحبزادیاں یاسمین مختار اور فریدہ مختار ہیں۔ طارق مختار (M.A.M.Phil.,Arabic) اور اقبال احمد (B.Com. M.A. Islamic Studies) کی شادیاں ان کی والدہ ناظمہ بیگم کی بھتیجیوں فرزانہ اور ناہید سلطانہ سے ہوئیں۔ یاسمین مختار کی شادی ڈاکٹر طارق چھتاری (شعبۂ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) کے ہمراہ ہوئی اور فریدہ مختار اعجاز احمد (ایڈوکیٹ) کشمیر سے منسوب ہیں۔ سبھی صاحب اولاد اور شاد و آباد ہیں۔

حضرت ملک العلما کی اہلیہ محترمہ رابعہ خاتون ۷۵ سال کی عمر میں ۸ رجب ۱۳۸۸ھ/ ۱۲ اکتوبر ۱۹۶۸ء میں ملک العلما کے وصال سے چھ سال بعد دنیا سے رخصت ہوئیں اور درگاہ شاہ ارزاں میں شوہر کے پہلو میں دفن ہوئیں۔ رحمہما اللہ رحمۃ واسعۃ

وابستگی رضا:

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے ملک العلما کو ہمیشہ اپنی خصوصی نوازش کا مستحق سمجھا، اس لئے ملک العلما کے دل میں بھی اعلیٰ حضرت سے والہانہ وابستگی کے جذبات تھے۔ شفقت و اکرام کے یہ سلسلے ادبیات سے لے کر معاملات تک تھے۔ تصنیف، تدریس، خطابت، مناظرہ، خانگی معاملات، معمولات حیات حتی کہ اذکار و اوراد میں بھی ملک العلما اعلیٰ حضرت کی پیروی اپنے لئے لازم سمجھتے۔ اعلیٰ حضرت کے حضور بالکل چوں قلم در دست کاتب تھے۔ اپنی پسند، ناپسند کا کوئی دخل نہ تھا۔ ہر کام اعلیٰ حضرت کے مشورے اور حکم سے

ہوتا۔اعلیٰ حضرت نے جہاں تدریس کے لئے متعین کیا وہاں تشریف لے گئے۔جہاں سے طلب کیا، فوراً حاضر ہوئے۔۱۳۲۹ھ تک بریلی شریف میں ہی رہے۔اس کے بعد اعلیٰ حضرت کے حکم پر شملہ تشریف لے گئے۔بریلی واپسی ہوئی پھر اعلیٰ حضرت نے آرا بھیجا، متعدد جگہ مناظرے کے لئے روانہ کیا۔پٹنہ اور شہسرام کے دوران قیام مراسلات کا سلسلہ قائم رہا جن میں کتابوں کی تصحیح، متعدد کتب کے حوالوں کی تخریج، ہیئت وتوقیت کے نقشہ جات تیار کرنے کا حکم ہوتا اور ملک العلما خوشی خوشی ساری ذمہ داریوں سے کنارہ کش ہو کر ان احکام کی تعمیل کو اولین ترجیح دیتے جگہ اس سلسلے میں کبھی کبھی شہسرام سے پٹنہ خدابخش لائبریری کا سفر کرنا پڑتا اور وہاں قیام کر کے مطلوبہ کتابوں کی عبارتیں تلاش کی جاتیں۔حیات اعلیٰ حضرت کے اخیر میں جو مکاتیب رضا درج ہیں، ان سے ان معاملات پر روشنی پڑتی ہے۔

ملک العلما نے حسن ادب کا خاص حصہ پایا تھا اور بارگاہ رضا سے شیفتگی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی، اس لئے دربار رضا کی ہر شئی سے والہانہ انس تھا۔اس جناب سے بھی ویسی ہی نوازش تھی۔ملک العلما ایک مرتبہ کچھ پریشانیوں میں مبتلا ہوئے۔دل گرفتہ ہو کر عریضہ ارسال خدمت کیا اور طالب دعا ہوئے۔اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے مفصل تسلی نامہ تحریر فرمایا اور ساتھ ہی قدرے مالی امداد بھی فرمائی۔آپ کے صاحبزادے پروفیسر مختار الدین احمد کا بیان ہے:

"دس دس روپے کے یہ نوٹ فاضل بریلوی کے وصال کے بیسیوں سال بعد میں نے والد مرحوم کے قلمدان میں ایک لفافے میں حفاظت سے رکھے ہوئے دیکھے تھے۔آپ نے انہیں اپنے استاد ومرشد کی محبت وشفقت کی یادگار سمجھ کر بطور تبرک محفوظ رکھ چھوڑا تھا۔"

(حیات ملک العلما ص ۸)

اب وہ گرامی نامہ ملاحظہ کیجئے اور شاگرد کی محبت کے ساتھ ساتھ استاد کی شفقت بھی دیکھتے چلئے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ولدی الاعز مولانا المکرم جعل کاسمہ ظفر الدین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مولیٰ عزوجل پر توکل کر کے قبول کر لیجئے۔وہ کریم اکرم الاکرمین برکات وافرہ عطا فرمائے۔اور آپ کو دین سے اور دین کو آپ سے نصر موزر پہنچائے۔آمین آمین بجاہ

الکریم المعین علیہ وعلیٰ آلہ اصحابہ الصلاۃ والتسلیم اور احسن یہ کہ استخارۂ شرعیہ کر لیجئے۔

آپ کا خط درباره پریشانی دنیا آیا تھا۔ ہفتے ہوئے اور سا کا جواب آج دوں کل دوں مگر طبیعت علیل۔ بار بار بخار کے دورے اور اعدائے دین کا ہر طرف سے ہجوم۔ ان کی دفع میں فرصت معدوم۔ علاوہ اس کے سو سے زیادہ جواب فتاوی کے اس مہینہ کے اندر چار رسالے تصنیف کر کے بھیجنے ہوئے اور میری تنہائی اور ضعف کی حالت معلوم۔ وحسبنا ربی ونعم الوکیل، اس سے اعتماد رہتا ہے کہ عدم جواب کو اوزار صحیحہ پر خود محمول فرمائیں گے۔

اس خط کے جواب میں یہ چاہا تھا کہ آیات واحادیث دربارۂ ذم دنیا ومنع التفات بہ تمول اہل دنیا لکھ کر بھیجوں۔ مگر وہ سب بفضلہ تعالیٰ آپ کے پیش نظر ہیں۔ فلاں کو دست غیب ہے، فلاں کو حیدر آباد میں رسوخ ہے۔ یہ تو دیکھا مگر یہ نہ دیکھا کہ آپ کے پاس بعونہ تعالیٰ علم نافع ہے، ثبات علی السنۃ ہے۔ ان کے پاس علم نہیں یا علم مضر ہے۔ اب کون زائد ہے، کس پر نعمت حق بیشتر ہے؟ بشرط ایمان وعدہ علو وغلبہ باعتبار دین ہے، نہ یہ کہ دنیوی امور میں مومنین کو تفوق رہے۔ دنیا سجن (قید خانہ) مومن ہے۔ سجن میں جتنا آرام مل رہا ہے، کیا محض فضل نہیں؟ دنیا فاحشہ ہے، اپنے طالب سے بھاگتی اور ہارب کے پیچھے دوڑتی ہے۔ دنیا میں مومن کا قوت کفاف (ضروریات کی کفالت کرنے والا رزق) بس ہے۔

فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ ۱۳۔۱۱۔۱۳۳۹ھ

(حیات اعلی حضرت، دوم ص ۴۴۷، ۴۵۰)

اعلیٰ حضرت کی رضا مندی ملک العلما کو اس قدر مطلوب تھی کہ جو باتیں اعلیٰ حضرت کو لوجہ اللہ ناگوار ہوتیں، اس سے دست کش ہو جاتے، چاہے اس میں کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو جائے اور دوسروں کی کیسی ہی افادیت کیوں نہ ہو۔ آپ نے منطق، فلسفہ، صرف، نحو میں تقریب، تذہیب، وافیہ، عافیہ تصنیف کیں اور انہیں بغرض اصلاح اعلی حضرت کی خدمت میں بھیجا۔ چونکہ ان فنون میں کثیر کتابیں پہلے سے ہی موجود ہیں، اسی لئے اس میں شہرت پسندی اور ذوق مصنفی کا پہلو نکلتا ہے جبکہ اعلی حضرت اپنے وابستگان کو سراپا خلوص اور دین کا مجاہد دیکھنا چاہتے تھے۔ آپ جوابی مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"آپ کا رسالہ موذن الاوقات آیا، نام بھی نہایت مناسب وموزوں پایا۔ اس کے مقصد اول وخاتمہ کو ضرور دکھا لینا چاہیئے اور تذہیب کا حرف بحرف قبل طبع دکھا لینا فرض

اہم ہے۔ مولانا! کسی وقت اپنے آپ کو مشورۂ احباب سے مستغنی نہ کرنا بہت مفید فی الدین ہے۔ آپ کی تصانیف عافیہ، وافیہ، تقریب پر خوشی ہوئی، مگر کاش یہ وقت آپ نے بہشتی زیور وگوہر کی قلعی کھولنے میں صرف کیا ہوتا تو عمدہ ذخیرۂ عقبیٰ ہوتا۔ جہاں ان کتابوں سے گمراہ ہوئے جاتے ہیں۔ (مکتوب محررہ ۲۲؍رجب ۱۳۳۶ھ بحوالہ حیات اعلیٰ حضرت ۲/۷۰۱)

اس مکتوب سے جب اعلیٰ حضرت کی ناپسندیدگی کا پتہ چلا تو وہ گرامی اوراق جو محنت شاقہ کے بعد سپرد قلم ہوئے۔ ان کی اشاعت یکلخت روک دی گئی۔ آج کے دور میں استاذ اور مرشد کا ایسا ادب بے نظیر ہے حالانکہ اعلیٰ حضرت نے ان کتابوں کی تصنیف پر خوشی کا اظہار کیا تھا، ان کی اشاعت پر روک نہیں لگائی تھی۔ انہوں نے صرف اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ ان کے چہیتے شاگرد اور مسترشد اپنی توجہ دینی اور مذہبی موضوعات پر مرکوز رکھیں جو عمدہ ذخیرہ عاقبت ہے۔ یہ ادب اور قلبی وابستگی یونہی نہیں تھی بلکہ اعلیٰ حضرت اپنے تلامذہ اور متعلقین کو اتنا نوازتے تھے، ان سے ایسی شفقت سے پیش آتے تھے کہ دل خود بخود ان کے قدموں میں جھکے جاتے تھے۔ صرف ایک واقعہ نقل کرتا ہوں جسے ملک العلما نے خود بیان فرمایا ہے:

''حضرت حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خاں صاحب کے برابر لڑکیاں ہی پیدا ہوئیں۔ اسی لیے سب لوگوں کی دلی تمنا تھی کہ کوئی لڑکا ہوتا تاکہ اس کے ذریعہ اعلیٰ حضرت کا نسب وحسب وفضل وکمالات کا سلسلہ جاری رہتا۔ خداوند عالم کی شان کہ ۱۳۲۵ھ میں مولوی محمد ابراہیم رضا خاں صاحب سلمہ کی ولادت ہوئی۔ نہ صرف والدین اور اعلیٰ حضرت بلکہ تمام خاندان بلکہ جملہ متوسلین کو از حد خوشی ہوئی۔ اس خوشی میں منجملہ اور باتوں کے اعلیٰ حضرت نے جملہ طلبائے مدرسہ اہل سنت وجماعت منظر اسلام کی، ان کی خواہش کے مطابق دعوت فرمائی۔ بنگالی طلبہ سے دریافت فرمایا: آپ لوگ کیا کھانا چاہتے ہیں؟ انہوں نے کہا مچھلی بھات۔ چنانچہ روہو مچھلی بہت وافر طریقہ پر منگائی گئی اور ان لوگوں کی حسب خواہش دعوت ہوئی۔ بہاری طلبہ سے دریافت فرمایا: آپ لوگوں کی کیا خواہش ہے؟ ہم لوگوں نے کہا: بریانی، زردہ، فیرنی، کباب، میٹھا ٹکڑہ وغیرہ۔ بہاریوں کے لئے پرتکلف کھانا تیار کرایا گیا۔ پنجابی اور ولایتی طلبہ کی خواہش ہوئی دنبہ کا خوب چرب گوشت اور تنور کی پکی گرم روٹیاں۔ غرض ان لوگوں کے لیے وافر طور پر اسی کا انتظام ہوا۔ اس وقت خاص عزیزوں

مریدوں کے لیے جوڑا بھی تیار کیا گیا تھا۔ نہایت ہی مسرت سے لکھتا ہوں کہ میں بھی انہیں خاص لوگوں میں ہوں جن کے لئے جوڑا بھی تیار کرایا تھا۔ وہ کرتا، پائجامہ، جوتا، ٹوپی تو اسی زمانہ میں پہن لیا تھا مگر انگرکھا بہت قیمتی کپڑے کا تھا، گاہے گاہے اس کو پہنا کرتا تھا۔ وہ بہت دنوں تک رہا، یہاں تک کہ چھوٹا ہو گیا، تو اس کو تبرکا رکھ دیا۔ جب مدرسہ خانقاہ شہسرام میں مدرس ہوا اور مخلص قدیم مولوی سید غیاث الدین صاحب چشتی ابوالعلائی رجہتی بہاری کو حسب طلب مخلص محترم حامی دین متین جناب حاجی محمد لعل خاں صاحب کلکتہ بھیجنے لگا اس وقت میں نے وہ انگرکھا مولوی صاحب موصوف کی نذر کر دیا، جو مجھ سے دبلے پتلے تھے اور ان کو ٹھیک آ گیا۔ اس وقت ان کے بڑے بھائی مولوی صاحب موصوف نے جواب دیا کہ اولاً مولانا کے میرے تعلقات دوستانہ قدیم زمانۂ طالب علمی کے ہیں، ثانیاً یہ انگرکھا تاریخی تبرک ہے، یہ اعلیٰ حضرت کا عطیہ ہے۔ یہ مولانا ظفر الدین صاحب کی محبت و خلوص ہے جو انہوں نے مجھے عنایت فرمایا، جو قیمتی ہونے کے علاوہ تبرک اور عزیزی مولوی محمد ابراہیم رضا خاں عرف جیلانی میاں کی پیدائش کی یادگار ہے۔"

(حیات اعلیٰ حضرت، اول ص ۱۵۵، ۱۵۶)

ایسی شفقتوں سے پوری داستان حیات بھری پڑی ہے۔ تفصیل دیکھنی ہو تو حیات اعلیٰ حضرت کے صفحات مطالعہ کیجئے۔ اسی لئے ان کے تلامذہ اور وابستگان ہمہ دم جاں نثاری پر آمادہ رہتے۔ اس سلسلے میں سبھی یکساں جذبات رکھتے ہیں لیکن اس خصوص میں صدر الشریعہ، صدر الافاضل، ملک العلما، قاضی عبدالوحید علیہم الرحمہ کی جاں نثاریاں بے نظیر ہیں۔ اسی جاں نثار جذبے کا اثر تھا کہ اعلیٰ حضرت کے وصال کے بعد بھی ان حضرات نے اپنی پوری زندگی رضوی مشن کے لئے وقف کر دی۔ چند مکاتیب دیکھئے۔ اندازہ ہوگا کہ آثار رضا سے ملک العلما کو کیسی گہری دلچسپی تھی۔

(مولوی سید شمس الضحیٰ عظیم آبادی متعلم دار العلوم حزب الاحناف ہند لاہور کے نام مکتوب)

مولانا (مصطفیٰ رضا خاں) صاحب یقیناً اپنے سفر سے بریلی شریف پہنچ گئے ہوں گے۔ وہ اعلیٰ حضرت کی تصنیفات اگر طباعت کے لیے تم عزیز کو روانہ فرمائیں تو ازیں چہ بہتر۔ سلطنۃ المصطفیٰ میں نے بہت تلاش کی تھی کہیں پتا نہیں چلا۔ ہاں علوم الغیب کا مسودہ مجھے ملا تھا جس کو بڑی محنت و کاوش سے مبیضہ کر کے اور تبویب اس کی کر کے مجلد کرا کے الماری میں

رکھوادیا ہے۔ مفتی اعظم صاحب سے اس کے متعلق خط و کتابت کیجئے کہ وہاں سے روانہ فرمادیں۔ واقعی عجیب و غریب کتاب ہے۔ علم غیب کے مسئلے میں اس کتاب کو دیکھ کر کسی کو شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اس قدر مواد جمع کر دیا ہے کہ شاید و باید، وہ کتاب اگر چھپ جائے تو سبحان اللہ و بحمدہ۔" (مکاتیب ملک العلماء)

مولانا امجد رضا صاحب نوری مقیم گوالیار کو اپنے مکتوب (مورخہ ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ میں تحریر فرماتے ہیں:

"اس وقت اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی جملہ تصنیفات و تالیفات و تحریرات چھپ جائیں تو سنیوں کو کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہ ہوگی۔ تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، عقائد، اخلاق کے علاوہ تاریخ جغرافیہ، ہیئت، توقیت، حساب، جبر و مقابلہ، تکسیر، جفر، زائچہ کون سے علوم ہیں جن میں اعلیٰ حضرت کی تصنیف نہیں۔ جس وقت یہ کتابیں جناب کی ہمت و محنت و توجہ سے چھپ جائیں گی، اس وقت لوگوں کی آنکھیں کھلیں گی کہ اعلیٰ حضرت کیا تھے۔ واقعی جناب نے انہیں حیات جاوید بخشی اور ہر شخص کو ان کے علوم و فنون سے متمتع ہونے کا موقع دیا۔

میرے بریلی سے آنے کے بعد سے اس وقت تک ربیع الاول تا رمضان شریف تین رسالے چھپے ہیں۔ ایک تو وہی نشاط السالکین جس کی نصف سے زیادہ کا بیان میرے سامنے لکھی جا چکی تھیں اور دوسرا رسالہ الاسد المسئول، تیسرا غایۃ التحقیق۔ یہ سب رسالے نمبر ا سے ۱۳ تک میں نے منگوا لیے ہیں۔ افسوس ہے کہ ۳، ۴، ۵ جو لاہور میں چھپنے کے واسطے بھیجے تھے، معلوم ہوتا ہے کہ اب تک انہوں نے چھپوا کر نہیں بھیجا۔ مولوی ابوالبرکات سید احمد صاحب سے ایسی توقع نہ تھی۔ اور تین رسالے نمبر ۱۱، ۱۲، ۱۳ بہت خراب چھپے ہیں، صحت کا بھی التزام نہیں کیا ہے۔ بریلی شریف والے منشی صاحب جنہوں نے رسالہ ۱ تا ۱۰ کی کتابت کی تھی بہت ہی خوشخط ہیں۔ یہ بیچارے بدایونی صاحب ٹھیک نہیں ہیں۔ بہتر ہے کہ انہی منشی صاحب سے کتابت کا کام لیا جائے۔ خدا جناب کو اپنے مقصد عالی میں کامیاب کرے تاکہ تصنیفات (کی اشاعت) کا کام حسب خواہش انجام پائے۔"

(مکاتیب ملک العلما قلمی ۱۴۔۱۵)

سید پیارے علی بریلوی اور مولانا تقدس علی خاں کے نام ایک مکتوب ۱۵ رمحرم

الحرام ۱۳۶۵ھ/یکم جنوری ۱۹۴۵ء میں یہ سطریں ملتی ہیں:

"خداوند عالم نعمانی میاں صاحب کو مقدرت دے کہ صرف ترجمہ کیا، جملہ تصنیفات حضرت حجتہ الاسلام بلکہ تمام تصنیفات اعلی حضرت امام اہل سنت شائع فرمائیں۔" (حیات ملک العلما، ص ۲۶، ۲۷)

حلقۂ احباب:

ملک العلما کا دائرہ احباب بے حد وسیع تھا۔ اس میں ان کے کریمانہ اخلاق، رواداری اور مرنجاں مرنج طبیعت کا بھی خاصا دخل تھا۔ پروفیسر مختار الدین احمد صاحب کی فرمائش پر جب میں ملک العلما کے نام آئے مکاتیب کی فائل مرتب کر رہا تھا تو اکابر، احباب اور تلامذہ کے سینکڑوں خطوط دیکھنے کو ملے، جن میں مفتی اعظم، صدر الشریعہ، محدث اعظم، نوری گدا امجد رضا خاں نوری، نواب مرزا، پیارے علی بریلوی، سید حسام الدین احمد منعمی، مولانا عبد الاحد پیلی بھیتی، مولانا سید غیاث الدین حسن اصدقی رضوی، مولانا سید ملیح الدین کبری، مولانا سید ابو الحسن خوشدل شہرامی، مولانا نجم الدین شہرامی، مولانا سید وصی احمد شہرامی، مولانا سید موسیٰ رضا کاکوی کے متعدد خطوط نظر آئے۔ ان کے علاوہ مولانا سید غلام محمد بہاری، مولانا حکیم سید عزیز غوث بریلوی، مولانا سید محمود جان بریلوی علم توقیت کے ہم درس احباب تھے۔ ان میں بعض حضرات کی مکاتیب اگلے صفحات میں شامل ہیں۔ ان خطوط کے مطالعے سے ملک العلما کے طرز وفا، خلوص و محبت، احباب کی غمگساری کا اندازہ ہوتا ہے، کیونکہ اپنے ذاتی مسائل اسی سے کہے جاتے ہیں جن سے ہمدردی اور تعاون کی امید ہوتی ہے۔

معمولاتِ شب و روز:

ملک العلما کے اوقات زندگی بہت منضبط اور ایک متعین نظام کے تحت تقسیم تھے۔ آخری عمر کے معمولات بزمانہ قیام جامعہ لطیفیہ کٹیہار حسب ذیل تھے:

فجر سے ذرا پہلے بیدار ہو کر نماز فجر کی تیاریوں میں مصروف ہو جاتے۔ سنت پڑھ کر وظائف میں مشغول رہتے پھر نماز فجر با جماعت پڑھ کر مختصر وظائف ادا کر کے کبھی صباحی سیر پر نکل جاتے، ساتھ ہی ذکر الٰہی کا سلسلہ بھی جاری رہتا اور کبھی مصلے پر ہی بیٹھے مصروف عبادات رہتے، پھر ناشتہ سے فراغت کے بعد تالیف و تصنیف کا سلسلہ شروع

ہو جاتا۔ مدرسے میں درس کے اوقات میں مسلسل چار پانچ گھنٹے درس دیتے، صرف ظہر کی نماز، ظہرانے اور قیلولے کا وقفہ ہوتا۔ اس وقفے میں اخبارات اور مسائل کا مطالعہ ہوتا پھر درس میں مصروف ہو جاتے۔ عصر کی نماز کے بعد اکابر علمائے اہل سنت کی طرح علمی نشست ہوتی اور زبانی افادات کے سلسلے جاری رہتے۔ مغرب کی نماز ادا مطالعہ میں مصروف ہو جاتے۔ عشائیہ کے بعد بھی مطالعہ ہوتا، تصنیفی معاملات رہتے یا وعظ اور سیرت کے جلسوں میں تشریف لے جاتے۔ اخیر کے دنوں میں، جب آپ جامعہ لطیفیہ سے سبکدوش ہو کر ظفر منزل پٹنہ میں مقیم تھے، درسی مصروفیات کم ہو گئی تھیں لیکن گھر پر تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ شاہ احسن الہدیٰ، شاہ فرید الحق عمادی، شاہ سید عاشق حسین ارزاں شاہی حضرت کے گھر پر آ کر درس لیتے رہے۔ عوامی سطح پر آپ نے درس قرآن کا سلسلہ تسلسل کے ساتھ جاری رکھا۔ ہر یکشنبہ کو صبح دس بجے دریاپور کی مسجد میں تشریف لے جاتے اور قرآن حکیم کی تفسیر بیان فرماتے۔ ہاں! معمول کے شب و روز میں کبھی کبھی سفر کا معاملہ ضرور خلل ڈالتا، چاہے وہ سفر کسی دینی مقصد کے لئے ہو یا وعظ و تقریر کے لئے۔

شمائل کریمانہ:

مولانا شہاب الدین اشرفی بیان فرماتے ہیں:

"حضرت ملک العلما لباس لمبا زیب تن فرماتے، لمبی پگڑی سر پر باندھتے، کھانے میں کریلا بہت پسند فرماتے۔ جب بازار میں کریلا نہیں ملتا تو پرول خریدواتے نیم کی چھوٹی چھوٹی شاخ کٹواتے۔ ایک دن اسی طرح پرول کا کریلا تیار ہوا۔ دستر خوان پر آیا۔ میں (شہاب الدین) اور مولانا عبداللہ صاحب حضرت کے ساتھ دستر خوان پر کھانا کھا رہے تھے۔ حضرت فرماتے ہیں کس قدر عمدہ بنا ہے۔ سبحان اللہ! مگر ہم لوگوں سے بالکل کھایا نہیں جاتا تھا۔ حضرت کے ڈر سے ہم لوگ بالجبر والاکراہ کھاتے رہے۔ کٹیہار اسٹیشن کی ٹنکی کا پانی مستقل منگوا کر نوش فرماتے تھے۔ کیونکہ مدرسہ کے ٹیوب ویل کا پانی بہت اچھا نہ تھا۔ گوشت میں بڑا ٹکڑا پسند فرماتے۔ مرے خسر مولانا قاضی شمیر الدین صاحب رشیدی علیہ الرحمہ بندوق سے شکار کرتے اور میں گھر آتا تو میرے ہاتھوں چڑیا کا گوشت حضرت کی خدمت میں بھیجتے۔ پہلی بار گوشت کے ٹکڑے چھوٹے چھوٹے تھے۔ فرمایا ٹکڑا بڑا بڑا ہونا چاہیے۔ اس کے بعد جب کبھی بھی ان کی خدمت میں گوشت لے جاتا، بڑے بڑے ٹکڑے

کر کے لے جاتا تو بہت پسند فرماتے۔ایک بار خالص دودھ کا مزید آگ پر جلا کر عمدہ دہی تیار کر کے گھر سے لے گیا۔حضرت کی خدمت میں پیش کیا۔حکم فرمایا۔ابھی دہی تیار نہیں ہے،اسے رکھ دو پھر دوسرے دن دہی منگوایا،اس میں ترشی پیدا ہو چکی تھی۔فرمایا:اب دہی تیار ہوا ہے۔پھر آپ نے رغبت سے تناول فرمایا۔پھل بھی بڑا پسند فرماتے۔کٹیہار شہر میں نیا مچھلی ملتی ہے۔وہی کھاتے تھے۔

جلال علم کا نور حضرت ملک العلماء کے چہرہ پر ایسا برستا تھا کہ جو دیکھتا آپ کی علمی جلالت کا احساس وادراک کر لیتا۔چہرے رعب اس قدر ظاہر تھا کہ کسی کو آپ کے سامنے مجال سخن نہ ہوتی تھی۔بڑے بڑے علما کو میں نے دیکھا کہ آپ سے گفتگو کرنے میں لکنت لسانی کے شکار ہو جاتے۔یا تو بولنے کی تاب نہ ہوتی یا پھر ڈرے سہمے انداز میں اپنی بات پیش کرتے۔

حضرت ملک العلماء علمی وجسمانی دونوں اعتبار سے بارعب تھے۔آواز گرجدار تھی،چہرہ کشادہ جسم بھرا ہوا،آنکھیں بڑی بڑی پیشانی چوڑی،عالمانہ رعب ودبدبہ کے ساتھ رہتے،گفتگو پوری شان وشوکت اور عالمانہ وقار سے کرتے،ایسا معلوم ہوتا کہ واقعی ایک زبردست عالم دین ہیں۔اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے سچے خلیفہ ہیں۔اپنے وقت کے بڑے بڑے علما آتے تو ان کے علمی رعب سے مرعوب ہو جاتے۔مجلس میں جب گفتگو فرماتے تو سب پر حاوی رہتے۔گفتگو میں کافی وزن ہوتا،بے تکی باتیں نہیں کرتے،جو کہتے پورے اعتماد کے ساتھ کہتے۔کسی سے دب کر گفتگو نہ کرتے بلکہ پورے عالمانہ شان سے پیش آتے۔ایک بار سفر کے دوران چند سیاسی لیڈروں سے سیاسی موضوعات پر گفتگو ہوئی۔آپ غالب رہے۔مگر ان سیاست دانوں نے بور بنانے کے انداز میں کہا:ملاجی!آپ کا گھر کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا!عظیم آباد(پٹنہ)ان لیڈران نے مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا!یہ عظیم آباد کہاں ہے؟آپ نے فرمایا عظیم آباد کو پڑھے لکھے لوگ جانتے ہیں۔چنانچہ داغ دہلوی نے کہا ہے ۔

کوئی چھینٹا پڑے تو داغ کلکتے چلے جائیں
عظیم آباد میں،ہم منتظر ساون کے بیٹھے ہیں

(جہان رضا اگست ۲۰۰۲ء ص ۲۳۔۲۴)

زہد وورع:

زہد وورع، احتیاط اور تقویٰ ایک عالم دین کی شان ہے۔ اسے ان اوصاف سے متصف ہونا ہی چاہیے۔ ملک العلما ایک ممتاز عالم دین تھے، اس لئے تقویٰ اور احتیاط کی بھی امتیازی شان رکھتے تھے۔ نماز جماعت کے مکمل پابند، سنتوں کا آئینہ، مستحبات کے شیفتہ، شریعت سے آراستہ اور طریقت کے رمز آشنا تھے ملک العلما۔ اعلیٰ حضرت نے انہیں باطنی خوبیوں کی بدولت آپ کو فراغت کے بعد ہی خلافت و اجازت سے سرفراز کر دیا تھا، ورنہ اعلیٰ حضرت خلافتیں تقسیم نہیں کرتے تھے۔ ان کے یہاں اس معاملے میں بہت احتیاط برتی جاتی تھی۔ دیگر سلاسل کے اوراد مشائخ کی اجازتیں بھی آپ کو عطا کی گئی تھیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اپنا مجموعۂ وظائف آپ کے حوالے کر دیا تھا کہ جہاں سے چاہیں نقل کر لیں۔

آپ کے افکار و اوراد کا سلسلہ زندگی کی آخری سانس تک قائم رہا حتی کہ ذکر بالجہر کرتے کرتے جان، جان آفریں کے حوالے کر دی۔ آپ کی بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ اجازت و خلافت ملنے کے بعد بھی ایک عرصہ تک کسی کو مرید نہیں بنایا۔ بہت اصرار کے بعد ارادات کا سلسلہ شروع کیا لیکن اس پر بھی اپنے مریدوں کو ظفری کی جگہ رضوی لکھنے کی تلقین فرماتے تا کہ اعلیٰ حضرت کی نسبت کا چرچا ہی عام ہو۔ آپ کی اسی احتیاط کی بنا پر آپ کے مریدین کی تعداد محدود ہے۔ یہ آپ کی بے نفسی ہی ہے کہ آپ نے اپنے دشمنوں سے بھی انتقام نہیں لیا بلکہ ہمیشہ عفو و درگزر کا معاملہ رکھا۔ اسی تقویٰ کی برکت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی عمر میں برکت دی، اوقات کو مفید کاموں میں مصروف رکھنے کی توفیق عطا فرمائی، دلوں کو آپ کی جانب متوجہ کیا اور قبول خاص و عام عطا کیا۔

استقامت فی الدین:

ملک العلماء اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے فیض یافتہ تھے۔ اس لئے مذہبی تصلب میں پختہ تھے۔ البتہ تصلب کو تشدد کی حد تک پہنچانے کے قائل نہیں تھے۔ شریعت مصطفویہ اور مذہب مہذب اہل سنت پر خود بھی مضبوطی کے ساتھ گامزن تھے اور دوسروں کو بھی گامزن رکھتے۔ آپ کی تصانیف، فتاویٰ اور مکاتیب اس پر بہترین شاہد ہیں۔ ”مواہب ارواح القدس“ اور دیگر مناظراتی اور تنقیدی تحریروں میں آپ کا دینی تصلب خوب ظاہر ہے۔ اس راہ میں پٹنہ کی ملازمت کے دوران آپ کے صبر و ضبط کا خوب امتحان لیا گیا لیکن آپ کے

پائے ثبات میں ذرہ برابر لغزش نہ آئی۔ بد مذہبوں کی صحبت سے خود بھی دور رہتے اور دوسروں کو بھی دور رہنے کی تلقین کرتے۔اس ذیل میں آپ کے شاگرد مولانا شہاب الدین اشرفی کا بیان،بہترین سند ہے:

''ایک بار آپ نے سلسلۂ کلام میں ''الصحبۃ مؤثرۃ'' پر سیر حاصل گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ، واقعی اچھوں کی صحبت نیک بنادیتی ہے اور بروں کی صحبت بناتی ہے پھر یہ واقعہ ارشاد فرمایا:

''ایک متصلب سنی عالم کا ایک ہی لڑکا تھا۔سوئے اتفاق کہ وہ لڑکا بھاگ کر کسی قادیانی کے مدرسے میں پہونچ گیا اور وہیں اس نے اپنی تعلیم مکمل کی اور عقیدتاً بھی وہ قادیانی ہوگیا، جب وہ گھر آیا تو اس کے والد نے اسے دیکھتے ہی بھگا دیا اور کہدیا کہ آج سے تم مجھے اپنا چہرہ نہیں دکھا سکتے۔وہ لڑکا اسی شہر میں کسی قادیانی کے یہاں پناہ گزیں رہا۔ اس کی والدہ اپنے لڑکے کی جدائی کا غم برداشت نہیں کرپاتی۔وہ اپنے شوہر سے چھپ چھپ کر اپنے لڑکے سے ملنے جاتی۔کئی بار آنے جانے کے بعد ایک دن اپنے شوہر کو اس نے اپنے دام تزویر میں پھنسالیا۔کہنے لگی کہ آخر وہ تمہارا لڑکا ہی تو ہے۔اس کی باتوں سے متاثر ہو کر اس نے اپنے لڑکے کو آنے جانے کی اجازت دے دی اور وہ سنی عالم بھی اس قادیانی کے گھر آنے جانے لگا، آخر کار وہ بھی قادیانی ہو کر مرا۔''

پھر ہم لوگوں کو نصیحت فرمائی کہ ''جب بڑے متبحر عالم کا یہ حال ہے کہ صحبت بد اثر کر جاتی ہے۔تم کم پڑھے لکھے یا جاہلوں کو بروں کی صحبت اور بدعقیدوں کی صحبت سے کتنا دور رہنا چاہیے۔'' (ایضا،ص ۴۴)

ملی درد:

حضرت ملک العلما نے دل دردمند پایا تھا۔دوسروں کی ذرا سی تکلیف دیکھی نہ جاتی۔احباب و متعلقین کی ہر ممکن دستگیری اور غم گساری کرتے۔جب دردمندی کے یہ عام جذبات ہیں تو ملت کے تئیں ان کے جذبوں کی فراوانی کیسی ہوگی؟ خوب اندازہ ہوسکتا ہے۔ملت پر جب بھی افتاد پڑی، آپ نے اپنے خون جگر سے درد ملت کا مداوا پیش کیا ہے۔ ہادی الہداۃ لترک الموالات، دلچسپ مکالمہ اور سد الفرار لمہاجری بہار اسی جذبے نے تحریر کرائے ہیں۔سد الفرار کا یہ اقتباس دیکھیے، ملی اضطراب لفظ لفظ سے برستا محسوس ہوتا

ہے۔ فسادات بہار سے متاثر ہو کر ہزاروں مسلمان ترک وطن کر کے بے تحاشا بغیر غور وفکر کے سراسیمگی کی حالت میں بنگال اور کراچی منتقل ہو رہے تھے۔ ملک العلما انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''آپ خوف وہراس سے بھاگ کر اپنے اسلاف کے کارناموں پر پانی پھیر رہے ہیں، اپنی قوم کو ہمیشہ کے لئے ذلیل وخوار کر رہے ہیں، مسلمانوں کو جو یہاں اقلیت میں ہیں، ان کو اقلیت در اقلیت میں مبتلا کر رہے ہیں۔ کیا آپ کی غیرت اس کی متقاضی ہے کہ آپ کے آباؤ اجداد نے تو دار الکفر میں آ کر اسلام کا چراغ روشن کر کے خدا کے یہاں سرخروئی حاصل کی تھی۔ آپ اپنے اس فعل سے دار الاسلام سے اسلام کا چراغ بجھا کر اس کو دار الکفر بنا رہے ہیں۔ کیا آپ کی غیرت اس کی اجازت دیتی ہے کہ وہ مساجد جہاں آپ اور آپ کے آباؤ اجداد اپنی پیشانیاں گھسا کرتے تھے، ان کو ویران چھوڑ جائیں؟ کیا آپ کی غیرت اس کی اجازت دیتی ہے کہ بزرگوں کے مزارات جن پر آپ صندل لگا کر اور چادر چڑھا کر اپنی سعادت اور قلب و ایمان کی ٹھنڈک محسوس کرتے ہیں، آپ بھاگ کر ان کو کفار ومشرکین کی پامالی اور تذلیل کے لئے چھوڑ جائیں کہ ان کے جانور انہیں ناپاک کریں؟ (حیات ملک العلما، ص ۳۲، ۳۳)

ملی درد کی نشانی یہ بھی ہے کہ ملت کے ہر کارآمد فرد کی حوصلہ افزائی کی جائے، ان کی کوششوں کو سراہا جائے، ان سے ہر موڑ پر تعاون اور ان کے ارتحال پر دل تڑپ اٹھے۔ شاہ حمید الدین صاحب پٹنہ کے ایک مخلص سنی بزرگ تکیہ بارگاہ عشق کے صاحب سجادہ تھے۔ رجبی شریف کے جلسوں کا انہوں نے پہلی مرتبہ اہتمام کیا جو برسوں جاری رہے۔ سنیت کے فروغ میں ان کی بڑی کوششیں ہیں۔ انہی کے صاحبزادے اور متوسلین کی توجہ سے جامعہ لطیفیہ کٹیہار (ضلع پورنیہ بہار) قائم ہوئی۔ ان کی وفات ہوئی تو ملک العلما تڑپ اٹھے۔ صدر الافاضل کے نام ایک مکتوب محررہ ۴ر شوال المکرم ۱۳۶۴ھ میں تحریر فرماتے ہیں:

''جناب کا مکرمت نامہ آیا، ۲۳ر رمضان المبارک شب کے ایک بجے محب سنت وعلمائے سنت مخلصی جناب سید شاہ حمید الدین صاحب سجادہ نشین تکیہ شریف میتن گھاٹ پٹنہ جن کے یہاں جلسۂ رجبی شریف میں دو مرتبہ جناب تشریف لائے تھے، ان کا انتقال پر

ملال ہوا۔ اس حادثے نے میری کمر توڑ دی۔ آل انڈیا سنی کانفرنس کی شاخ صوبائی کانفرنس کی کامیابی کا اعتماد انہی کے بازوئے ہمت پر تھا۔ یہاں مشائخ وعلما ہیں لیکن ایسا شیر دل باہمت کوئی نہیں رہا۔" (حیات ملک العلما، ص ۱۵)

قناعت وتوکل:

رزق کی کثرت وقلت رب تبارک وتعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے۔ اس راہ میں صلاحیت اور دانش مندی کا دخل نہیں ہوتا۔ ملک العلما علیہ الرحمہ بھی ایک زمانے میں وسائل کی کمی اور اخراجات کی زیادتی سے پریشان رہے۔ ملک العلما کے نام اعلیٰ حضرت کے مکاتیب اس کے شاہد ہیں۔ لیکن ان سب کے باوجود ملک العلما کشادہ دست رہے اور قناعت اور توکل کے سائے میں آپ کی زندگی کے ایام گزرے۔ اسے رب کی رحمت پر اعتماد ہی کہا جائے گا کہ صاحبزادے کو اعلیٰ تعلیم دلائی اور بہت سارے مدارس، اداروں اور افراد کی جیب خاص سے امداد فرماتے رہے۔ میں نے پروفیسر مختار الدین احمد صاحب کے پاس ان منی آرڈروں کی رسیدیں خاصی تعداد میں دیکھیں جنہیں ملک العلما نے امدادی طور سے اداروں یا افراد کو روانہ کیا تھا۔

میانہ روی:

اعتدال اور توازن کامیابی کا تلازمہ ہے۔ اسلام ہر سطح سے اسی کی تعلیم دیتا ہے۔ ملک العلما اس اسلامی وصف سے پوری طرح آراستہ تھے۔ معمولات حیات سے لے کر مذہبیات تک ہر جگہ آپ نے اسی معتدل برتاؤ کا مظاہرہ فرمایا۔ سخت کلامی، انتہاپسندی، کہیں اور کبھی دیکھنے کو نہ ملی ہر جگہ متانت، حلم، وقار، اعلیٰ ظرفی، سیر چشمی اعتدال اور نرم برتاؤ کا مشاہدہ ہوا۔ ملک العلما نے یہ متانت، اعتدال، موقع شناسی، فہم وتدبر اور مشکل حالات سے مقابلہ کی خداداد صلاحیت نہ ہوتی تو وہ برٹش گورنمنٹ اور کانگریسی حکومت کی نگرانی میں یک سرکاری درس گاہ مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں کامیابی کے ساتھ اپنی زندگی کے دس پندرہ سال نہ گزار پاتے، جبکہ ان کے رفقا میں تین ندوۃ العلما کے اور تین مدرسہ دیوبند کے فارغ تحصیل تھے۔ ان کے عہد کے دونوں پرنسپل مولوی محمود حسن دیوبندی (جو شیخ الہند کے لقب سے مشہور ہیں) کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ مدرسے کے کچھ اساتذہ غیر مقلدین میں تھے۔ ان سبھوں کی موجودگی میں ملک العلما اس سرکاری مدرسے میں مدرس پھر سینئر استاد اور آخر

میں پرنسپل کے عہدے پر فائز ہوئے اور ہزاروں طلبا کو اپنے فیوض سے مستفیض کیا۔ میں نے حضرت کی زیارت تو نہیں کی البتہ دیکھنے والوں سے یہی سنا، ہاں آپ کی تحریریں دیکھی ہیں۔ سنا ہے کہ تحریر میں کہیں نہ کہیں مصنف کے اندرونی جذبات جھلک ہی جاتے ہیں، اسی لئے تحریروں کو مصنف کا آئینہ کہا جاتا ہے۔ اگر اس تناظر میں کوئی دیکھنا چاہے تو آج بھی ہر کوئی آپ کے فکری اعتدال اور جذباتی میانہ روی کو محسوس کرسکتا ہے۔ کچھ شواہد تنقید کے عنوان سے میں نے فتاویٰ کے تعارف میں پیش کردیئے ہیں۔

البتہ آپ کی اعتدال پسندی میں مسکنت نہیں تھی، آپ کی فکر عالی، حوصلے بلند۔ تھے آپ کہا کرتے تھے: خاک از تودۂ کلاں بردار۔ مٹی جیسی بے قدر چیز بھی لینی ہو تو بڑے ڈھیر سے لیا کرو۔ خود آپ نے اپنے صاحبزادے مختار الدین احمد کو دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید علوم کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی۔ مسلم یونیورسٹی جہاں مولانا سید سلیمان اشرف اور مولانا راغب بدایونی رہے ہیں، آپ کا ہی انتخاب کردہ ادارہ تھا جہاں آپ نے اپنے لخت جگر کی تعلیم کا بندوبست فرمایا۔ وہ انہیں جامعہ ازہر بھی بھیجنا چاہتے تھے اور اس دور کے شیخ الازہر مصطفےٰ مراغی صاحب سے مراسلت بھی ہوچکی تھی۔ لیکن دوسری جنگ عظیم شروع ہوجانے کی وجہ سے مصر جانے کا ارادہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔ ان کے صاحبزادے نے دینی علوم کے ساتھ ساتھ عصری علوم کی بھی تکمیل کی۔ انہوں نے ہندوستان کی بہترین درسگاہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں آٹھ سال تعلیم پاکر عربی میں ایم اے اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں لیں تو تین سالہ یورپ میں رہ کر دنیا کی شہرۂ آفاق درس گاہ آکسفورڈ یونیورسٹی سے عربی و اسلامیات میں ڈاکٹر آف فلاسفی کی اعلیٰ سند حاصل کی۔ علی گڑھ میں ان کی علمی تحقیقات کے نگراں علامہ عبدالعزیز میمنی جیسا متبحر عالم و محقق تھا تو آکسفورڈ میں ان کے استاد اور نگران کار یورپ کے مشہور مستشرق پروفیسر سر ہملٹن گب تھے جو یورپ اور عالم اسلام میں اپنے علمی کاموں کی وجہ سے بے حد شہرت رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب علی گڑھ کے شعبۂ عربی و اسلامیات میں لکچرر، پھر ریڈر اور بعد کو پروفیسر اور اپنے استاد علامہ میمن کی جگہ پر صدر شعبہ مقرر ہوئے۔ وہ ادارۂ علوم اسلامیہ کے ڈائریکٹر، فیکلٹی آف آرٹس کے ڈین، مسلم یونیورسٹی ایکزیکٹیو کونسل کے ممبر، مسلم یونیورسٹی کورٹ رکن بھی مقرر ہوئے۔ گو برسوں جامعہ اردو کے پرو وائس چانسلر رہے۔ ۱۹۹۷ء میں وہ مولانا مظہر الحق عربی و فارسی یونیورسٹی پٹنہ کے پہلے وائس

چانسلر مقرر کئے گئے۔ مسلم یونیورسٹی سے وظیفہ یابی کے بعد وہ علی گڑھ ہی میں مقیم ہیں اور ضعف اور کبر سنی کے باوجود اپنے ذاتی وسیع کتب خانہ میں بیٹھے علمی وادبی کاموں میں مشغول ہیں۔

خیر خواہی اور غم گساری:

نرم نرم طبیعت کے مالک ملک العلما ہر ایک کے ساتھ خیر خواہی کا جذبہ رکھتے تھے، حتیٰ کہ مخالف کو بھی اذیت پہنچانے سے باز رہتے اور اس کی ایذا رسانیوں پر عفو و درگزر سے کام لیتے۔ مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ کی ملازمت کے دوران کئی ندوی اور دیوبندی حضرات سے ان کا سابقہ پڑا۔ ملک العلما کی راہ میں خوب کانٹے بچھائے اور پرنسپلی کے عہدے سے حضرت کو کئی سال تک روکے رکھا۔ حضرت نے ان تمام مخالفتوں اور ایذا رسانیوں کو کمال تحمل کے ساتھ برداشت کیا اور ہر ایک کے ساتھ رواداری اور اخلاق سے پیش آتے رہے لیکن یہ رواداری صرف عملی سطح تک محدود تھی۔ فکری سطح پر آپ نے کبھی مداہنت نہیں کی۔ بوقت ضرورت مخالفت بھی کی اور ان کے رد میں کتابیں بھی لکھیں۔ ندوۃ العلما کے رد میں ایک رسالہ پٹنہ کے دوران ملازمت ہی تصنیف فرمایا۔ معقولیت سے قریں یہی طرز عمل ہے کہ بوقت ضرورت ہی تردیدی انداز اپنایا جائے۔ ملک العلما اور دیگر اکابر اہل سنت نے یہی معقول روش اختیار فرمائی۔

آپ کی غمگساری کا یہ پہلو بھی خاصا پر کشش ہے کہ آپ اپنے ذاتی رسوخ سے کام لے کر ضرورت مند احباب کے لئے ملازمت کی حتی الامکان کوشش کرتے رہے۔ سید وصی احمد صاحب کے مکاتیب سے جو اسی کتاب میں درج ہیں، اس کی تائید پیش کی جاسکتی ہے۔

شفقت و محبت:

رحم دلی اور شفقت ملک العلما کی بنیادی خوبیاں تھیں۔ عام طور سے علمی جلال کی ہیبت چہرۂ مبارکہ پر طاری رہتی لیکن طلبہ کے ساتھ بے حد اکرامانہ انداز سے پیش آتے۔ خصوصاً محنتی اور ذہین طالب علم کو بہت نوازتے۔ ان کی فکری دلچسپی، ذہنی تربیت کا ہر ممکن سامان کرتے۔ ان کے اخیر دور حیات کے چہیتے شاگرد مولانا شہاب الدین اشرفی اپنے استاد کی شفقتوں کی میٹھی یادیں آج بھی دل میں لئے بیٹھے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ "اگر شہر سے کوئی آدمی طلبہ کو دعوت دینے آتا تو حضرت ملک العلما اسے بلاتے اور پوچھتے کہ تاج یا

رکشہ کرایہ پر لائے ہو؟ اگر نہ لائے ہو تو کرایہ پر لے لو۔ میرے طلبہ بغیر سواری کے دعوت میں نہ جائیں گے۔ مزید کچھ اور واقعات شفقت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

طلبہ کو جہاں غلطیوں پر ڈانٹتے تھے، وہیں بے پناہ شفقت بھی فرماتے تھے۔ طلبہ کی اخلاقیات پر خصوصی توجہ رکھتے تھے۔ جو طلبہ حضرت ملک العلما سے قریب تھے، ان کی خدمت میں رہتے تھے، آج ان میں جو بھی حیات سے ہیں وہ اپنی جگہ حسن اخلاق کے پیکر ہیں۔ ادب وتہذیب سے کما حقہ آراستہ ہیں۔ مدرسین اور طلبہ کے کھانے پینے کا انتظام مطبخ سے تھا۔ کبھی ترکاری میں نمک زیادہ ہو جاتا تو باورچی کو بلاتے اور ڈانٹتے ہوئے فرماتے ''مولوی یوں ہی غریب ہوتا ہے۔ نمک زیادہ کھلا کر مزید غریب کرنا چاہتا ہے۔'' باورچی محی الدین کو اچھا کھانا پکانے کی ہدایت فرماتے۔ وہ پڑھا لکھا نہیں تھا۔ آپ نے اسے قرآن کریم کے کئی پارے تک تھوڑا وقت نکال کر پڑھایا۔ جہاں وہ پڑھنے میں غلطی کرتا آپ فرماتے۔ ''میں پڑھاتا ہوں لالٹین اور تو پڑھتا ہے سلیچی'' مختصر یہ کہ مدرسین، طلبہ اور ملازمین سب آپ کی محبت وشفقت سے بے پناہ متاثر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی سب کے سب حضرت ملک العلما کا ذکر خیر کرتے ہیں اور ان کی شفقت ومحبت اور انداز تربیت کا تذکرہ کر کے تسلی حاصل کرتے ہیں۔'' (جہان رضا، ص ۲۴)

ادب وتواضع:

اکابر اور مشائخ کے حضور ملک العلما بہت مودب رہتے۔ تاج العلما اور سید العلما کے مکاتیب سے حضرت کا یہ وصف خوب آشکار ہے۔ سبھی سلاسل طریقت کا احترام آپ کو ملحوظ رہتا، اس لئے قادری، چشتی، سہروردی اور نقشبندی بزرگوں کے فیوض سے بھی سرفراز رہے۔ سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کے تو آپ مرید ومرشد ہی تھے لیکن چشتی اشرفی، صابری شاکری، مجیدی ایوبی سلاسل میں بھی آپ کو اجازت وخلافت حاصل تھی۔ تواضع کا یہ حال تھا کہ ہمیشہ خود کو دوسروں سے کمتر سمجھتے۔ اکابر تو خیر اکابر ٹھہرے، اصاغر کے ساتھ بھی احترام وخلوص کا معاملہ رکھتے، انہیں آپ سے مخاطب کرتے، ان سے بھی سلام میں پہل کرتے، خود پسندی تو آپ کو چھو کر نہ گزری تھی۔ صرف اپنا چراغ جلانا کبھی مطمح نظر نہ رہا بلکہ احباب کے لئے خصوصی محفلوں میں نشستیں مخصوص رکھتے۔

ایک زمانہ تھا کہ رجبی شریف کی محفلوں میں تسلسل کے ساتھ کئی سال تک آپ

ذکر معراج فرماتے رہے۔ ان میں سے بعض تقریریں شائع بھی ہو چکی ہیں۔ اس اجلاس کے لئے آپ نے شرط قرار دی تھی کہ اکابر اہل سنت میں سے کسی ایک کو ضرور مدعو کیا جائے۔ پروفیسر مختار الدین احمد کا بیان دیکھئے:

"ملک العلما نے شاہ حمید الدین مرحوم ومغفور کو اس بات پر آمادہ کرلیا تھا کہ میں ضرور تقریر کروں گا بشرطیکہ ہر سال ہندوستان کے مشاہیر سنی علما میں ایک کو ضرور مدعو کیا جائے۔ چنانچہ پہلے سال ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء میں مولانا سید شاہ قمر الہدیٰ سجادہ نشین خانقاہ پنڈ ضلع مونگیر، دوسرے سال مولانا مشتاق احمد کانپوری استاد مدرسۂ عالیہ کلکتہ (م ۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۳ء) تیسرے سال مولانا عبد الواحد بدایونی، چوتھے سال مولانا سید شاہ محمد صاحب محدث کچھوچھوی (م ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء)، پانچویں سال مولانا عبد الحامد قادری بدایونی (م ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء) چھٹے سال مولانا عبد المجید آنولوی بریلوی (م ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) تلمیذ رشید تاج الفحول مولانا شاہ عبد القادر بدایونی قدس سرہ (م ۱۳۱۹ھ)، ساتویں سال مولانا سید وصی احمد سہسرامی صدر مدرس جامعہ نعیمیہ مراد آباد، آٹھویں سال صدر الافاضل استاذ العلما مولانا سید محمد نعیم الدین اشرفی مراد آبادی (م ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) اور دسویں سال مولانا قاضی شاہ محمد احسان الحق نعیمی اشرفی مفتی بہرائچ مدعو کئے گئے اور انہوں نے اپنے مواعظ حسنہ سے حاضرین جلسہ کو فیض یاب کیا۔ جلسۂ یازدہم اور بعد کے جلسوں کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں مل سکی لیکن ان جلسوں میں کسی ایک میں استاذ العلما مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ ضرور تشریف لائے تھے۔ (حیات ملک العلما ص ۲۱،۲۲)

اسی حسن ادب، تواضع، کشادہ قلبی اور ظرف کی وسعت کا اثر تھا کہ احباب واکابر بھی ملک العلما کے لئے اپنے دل میں جگہ رکھتے تھے اور عوام وخواص دونوں حلقے میں آپ کو خداداد مقبولیت حاصل تھی۔

ذہنی دراکی:

ملک العلما بڑے تدبیروں کے آدمی تھے۔ وہ مسائل کو اپنی حاضر دماغی اور ذہنی قوت کے سہارے چٹکیوں میں حل کر دیتے تھے۔ اس ذیل میں ان کے شاگرد مولانا غلام مجتبیٰ اشرفی صاحب کی دو روایتیں یاد آتی ہیں۔

☆ ملک العلما کے رشتے کے ایک ماموں جبریہ فرقے کے حامی تھے۔ رمضان

کے مہینے میں دونوں ایک شخص کی دعوت میں اکٹھا ہوئے۔ رات میں دونوں صاحبان کا قیام ایک ہی کمرے میں ہوا۔ جاڑے کا موسم تھا۔ اتفاق سے جبر یہ ماموں کو استنجے کی حاجت ہوئی۔ جب وہ کمرے سے باہر گئے تو ملک العلما نے دروازہ اندر سے بند کرلیا وہ فارغ ہو کر واپس آئے اور دروازہ بند پا کر اسے پیٹنا شروع کر دیا۔ ملک العلما بہت دیر تک سنی ان سنی کرتے رہے تو اخیر میں ماموں صاحب نے ڈپٹ کر کہا: دروازہ کھولو، باہر بہت ٹھنڈک ہے۔ ملک العلما نے جواب دیا: میں ایک مجبور محض انسان، بھلا دروازہ کیسے کھول سکتا ہوں جبکہ ابھی اللہ کی مرضی نہیں ہے کہ دروازہ کھولوں۔ جب اللہ کی مشیت ہوگی تو دروازہ کھول دوں گا۔ غرض بہت دیر تک انہیں باہر رکھا، جب وہ منت سماجت پر اتر آئے اور کہنے لگے کہ مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔ میں سمجھ گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پتھر کی طرح مجبور محض نہیں پیدا کیا بلکہ اپنی قدرت کاملہ اور حکمت عامہ سے کچھ اختیار بھی دیا ہے۔ میں اپنے جبری عقیدے سے توبہ کرتا ہوں۔ ملک العلما نے جب انہیں ہدایت کے راستے کی جانب لوٹتے ہوئے دیکھا تو دروازہ کھول دی۔

☆ پٹنہ کے مضافات میں ایک شخص اتحاد الوجود کا قائل تھا۔ وہ ہر ایک کو خدا کہا کرتا۔ ملک العلما نے منظم پلان کے تحت ایک مجسٹریٹ دوست کو ساتھ لیا اور اس کے گھر پہنچے اس نے ہر ایک کو خدا کہتے ہوئے مخاطب کیا: کہئے خدا کیسے آنا ہوا خدا! وغیرہ مجسٹریٹ نے اسے ڈنڈے سے پیٹنا شروع کر دیا۔ اس نے کہا ارے! یہ کیا؟ ملک العلما نے فرمایا: یہ تمہارے خدا ہیں، تمہیں پیٹ رہے ہیں تو اس میں اعتراض کی کیا بات ہے۔ مجسٹریٹ نے کہا: تم نے مجھے خدا کہا، مجھ پر اعتراض کروگے یا فرار ہوگے تو کافر ہو جاؤ گے۔ جب پٹ پٹا کر ہوش میں آیا بہت شرمندہ ہوا پھر اپنی گندی سوچ سے توبہ کر لی۔

(ماہنامہ اعلیٰ حضرت، صد سالہ نمبر آخری قسط، ۲۰۰۲ء ص ۱۷۸)

بذلہ سنجی:

ملک العلما علمی اور تحقیقی مصروفیات رکھنے کے باوجود ایک مجلسی انسان تھے کسی انسان کو پرکھنے کے لئے اس کے احباب معیار ہوتے ہیں۔ حضرت ملک العلما کا وسیع دائرۂ احباب ان سے بے تکلف رابطے آپ کی خوشگوار طبیعت کو درشاتے ہیں۔ میں نے حضرت کے نام آئے خطوط کی فائل دیکھی تو اس میں کئی ایک حضرات کے خطوط بہت بے تکلف اور

پر لطف مزاحیہ انداز کے ملے۔ان میں نوری گدا مولانا امجد رضا خاں نوری، پیارے علی بریلوی، مارہرہ مطہرہ کے ایک بزرگ جو بڑی سرکار سے غیر متعلق تھے، خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔البتہ عام طور سے حضرت ملک العلما خود کو لئے دیئے رہتے۔ حلم، متانت، وقار کا بارعب پیکر ہوتے، لیکن بے تکلف احباب کی معیت میں خوب کھلتے اور محفل زعفران زار بن جاتی۔

فتویٰ نویسی ایک خشک موضوع ہے جس میں سیدھے سادے انداز میں حکم شرعی بیان کیا جاتا ہے یا کسی بے راہ روکی جم کر خبر لی جاتی ہے لیکن ایسے موضوع میں بھی حضرت کی ظریفانہ طبیعت خوشگواریاں بکھیرتی ہے۔ایک صاحب کی خبر لیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''مگر آپ جیسے عالی دماغ، روشن خیال حضرات سے ضرور خیال تھا کہ 'فیہ مافیہ' کا مطلب بجز اس میں وہ ہے جو اس میں ہے کچھ نہ سمجھیں گے اور اگر حاشیہ کا مطلب کچھ سمجھ بھی لیں تو ضرور 'فتدبر' دیکھ کر اسے اپنے پس پشت ڈال دیں گے الخ...... آپ کے اتنا بھی عربی پڑھا لکھا سمجھ سکتا ہے کہ یہاں زمین مقبرہ سے تمتع اور اسے اپنے تصرف میں لانے کا ذکر ہے۔اسی لئے ''اگر چہ'' کہہ کر ترقی کرتے ہیں الخ' (فتاویٰ ملک العلما ص ۳۶۰،۳۶۲)

ان جملوں میں ''فیہ مافیہ'' اور ''آپ کے اتنا بھی عربی پڑھا'' سے جو ظرافت کی فضا پیدا کی گئی ہے وہ ہر صاحب علم پر روشن ہے۔آپ کے مارہروی دوست کا مکتوب بھی ''ملک العلما کے چند احباب'' میں شامل ہے۔اس کا ابتدائیہ بہت بے تکلفانہ ہے:

''گدا فراموش، نامہربان، مہربان مولانا معظم ہدیۂ سلام مسنون دعا سلامی خان وانجان! یہ ناکارہ فقیر مارہرہ، خدا جانے آپ کے فیض کرم سے باوجود شوق دیدار کیوں محروم ہے۔ واللہ کس طرح کا فلسفہ ہے، سمجھ میں نہیں آتا۔ نہ یہ بھید کھلتا ہے، کون مرد غیب پیدا ہو جو یہ طلسم توڑے۔ آخر آپ کے عدم کرم بخشنے کی وجہ موجہ کیا ہے؟''

ایسا طرز تخاطب صرف اس سے روا ہوتا ہے جو خود بھی بے تکلفی سے پیش آتا ہو۔

وصال:

تقریباً اسی سال کی عمر میں ۱۹ر جمادی الآخرہ ۱۳۸۲ھ/ ۱۸ر نومبر ۱۹۶۲ء کو اتوار کا دن گزار کر پیر کی رات میں وقت متعین آ پہنچا اور آپ نہایت سکون کے ساتھ اسم جلالت اللہ اللہ کا ورد کرتے ہوئے اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ واعطاہ رتبۃ علیا فی جنۃ عالیہ۔ پیر کے دن فردوسی، شطاری سلسلے کے بزرگ حضرت شاہ محمد

ایوب شاہدی رشیدی سجادہ نشین خانقاہ اسلام پور ضلع پٹنہ (م ۱۹۶۷ء) نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی جو آپ کے مذکورہ سلاسل میں مرشد اجازت بھی تھے۔ درگاہ شاہ ارزاں (م ۱۰۲۸ھ) کے جوار میں محلہ شاہ گنج پٹنہ کے قبرستان میں اس گنجینۂ سعادت کو سپرد خاک کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی تربت پر رحمت ورضوان کے پھول برسائے اور انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے، آمین ثم آمین!

ملک العلما اور مارہرہ مطہرہ

مارہرہ مطہرہ میں بلگرام کے زیدی سادات کی ایک شاخ دسویں ہجری کے اخیر میں آ کر سکونت پذیر ہوئی۔ حضرت میر عبدالواحد بلگرامی (م ۱۰۱۷ھ) کے بڑے شاہزادے سیدنا شاہ عبدالجلیل چشتی قادری قدس سرہ (م ۱۰۵۷ھ) پہلے پہل یہاں تشریف لائے اور باشارۂ روحانی طرح اقامت ڈالی۔ آپ کے نبیرہ تاجدار سلسلۂ برکاتیہ سلطان العاشقین سید شاہ برکت اللہ قادری عشقی پیمی مارہروی قدس سرہ (م ۱۱۴۲ھ) کے مبارک قدموں کی بدولت اس خطے کو لازوال شہرت نصیب ہوئی۔ اسی خاندان ذیشان کے فرد جلیل خاتم الاکابر حضرت سید شاہ آل رسول احمدی قدس سرہ کے دست حق پرست پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بیعت ہوئے۔

ملک العلما، اعلیٰ حضرت کے مسترشد اور خلیفہ تھے، اس لئے مارہرہ مطہرہ سے قلبی اور روحانی لگاؤ کا ہونا ایک فطری امر ہے۔ سراج السالکین سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہ کا وصال ۱۳۲۴ھ میں ہوگیا۔ ایک سال بعد ہی ملک العلما فارغ التحصیل ہوئے۔ علی شعور کے زمانے میں اس خانقاہ کے سجادہ نشین ابوالقاسم سید شاہ اسماعیل حسن معروف بہ شاہ جی میاں قدس سرہ (م ۱۳۴۷ھ) تھے۔ ان کے بعد ان کے صاحبزادے تاج العلما سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قدس سرہ (م ۱۳۷۵ھ) سجادہ نشین ہوئے۔ ان دونوں حضرات سے ملک العلما کے گہرے رابطے تھے۔ حیات اعلیٰ حضرت میں بہت سی روایتیں حضرت سید شاہ اسماعیل حسن علیہ الرحمہ کے حوالے سے ملتی ہیں۔

تاج العلما کی نرینہ اولاد حیات نہ رہی، اس لئے ان کے بعد سجادگی ان کے بھانجوں سید العلما سید شاہ آل مصطفیٰ (م ۱۹۷۴ء) اور احسن العلما سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں (م ۱۹۹۵ء) علیہما الرحمۃ والرضوان کے حصے میں آئی۔ زیر نظر مضمون میں تاج العلما اور سید العلما کے مکاتیب کی روشنی میں ملک العلما کے مارہرہ مطہرہ سے گہرے روابط پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

کثیر المناقب، محب رضائے آل رسول، تاج العلما سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی قدس سرہٗ (۱۳۰۹-۱۳۷۵ھ) اپنے عہد کی تاریخ ساز شخصیت

تھے۔ علم وفضل، زہد واتقا، صبر واستقامت اور فکر وبصیرت میں امتیازی خصوصیت رکھتے تھے۔ والد ماجد مجدد برکاتیت، ابوالقاسم سید شاہ اسمٰعیل حسن شاہ جی میاں قدس سرہٗ (۱۲۷۲ھ-۱۳۴۷ھ) نے آپ کو علمی وراثتوں اور خاندانی وجاہتوں کا امین بنایا تھا جس کی ذمہ داریاں آپ نے خوب نبھائیں۔ دین وعلم، شریعت وطریقت، سماجی ماحول اور ملی سیاست ہر سطح پر آپ نے امت مسلمہ کی راہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔ ہزاروں مریدین، سینکڑوں طلبہ، درجنوں تصانیف اس پر شاہد ہیں۔ اپنے دور میں اٹھنے والی سیاسی تحریکوں میں بھی آپ نے مرشدانہ کردار ادا کیا۔ تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کے تعلق سے بریلی کے اجلاس جماعت انصار الاسلام کا خطبۂ صدارت آپ کی سیاسی بصیرت کا واضح ثبوت ہے۔ تقسیم ہند کے موضوع پر بھی آپ کا نظریہ بہت عمیق تھا۔ آج کا ماحول اس نظریے کی قدر وقیمت پہ صاد کرتا نظر آ رہا ہے۔

سید العلماء حکیم سید شاہ آل مصطفےٰ قادری برکاتی قدس سرہٗ (۱۳۳۳ھ-۱۳۹۴ھ) حضرت تاج العلما کے بھانجے اور حضرت سید بشیر حیدر آل عبا قادری حضرت ''آوارہ'' (۱۸۹۲ء-۱۹۸۶ء) کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ آپ اپنے دور میں علم وفن کی شناخت تھے۔ تحریر وتقریر پہ یکساں دسترس اور حکمت وطب میں بے مثل مہارت رکھتے تھے۔ فکر وسخن میں روائی طبع شنید کے قابل ہوتی۔ زبان وادب میں لکھنؤ کی ٹکسالی زبان کی پہچان تھے۔ بیشتر عمر خطابت کی نذر رہی۔ سنی جمعیۃ العلماء کے پلیٹ فارم سے امت کی تنظیم کا لازوال کارنامہ انجام دیا۔ دین وادب کی تین چار سنگمی تصانیف بھی ہیں جو اردوئے معلّی کے شاہکاروں میں شمار ہوتی ہیں۔ آپ کے شعر وسخن کے رواں سرمائے بھی تھے۔ مارہرہ مطہرہ کے ان دونوں بزرگوں سے ملک العلماء مولانا سید ظفر الدین قادری برکاتی رضوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۰۳ھ-۱۳۸۲ھ) کے دینی اور علمی رابطے تھے۔

حضرت ملک العلما امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید، ان کے مسترشد اور چہیتے خلیفہ تھے۔ آپ سینکڑوں مریدوں کے مرشد، ہزاروں طلبہ کے استاذ اور پچاسیوں کتابوں کے مصنف تھے۔ اپنے عہد میں علم توقیت میں انفرادی شان رکھتے تھے حضرت ملک العلماء بزرگوں کے بڑے ادب شناس اور

مشائخ کے غایت درجہ نیاز مند تھے۔ اسی لیے مشائخ کے حضور حضوری اور ان کی بارگاہوں سے رابطہ آپ کے لیے بہت بڑی سعادت ہوتی تھی۔ یہی سبب ہے کہ آپ اپنے مرکزِ عقیدت سیدنا اعلیٰ حضرت کے کعبۂ دل مارہرہ مطہرہ کے بزرگوں سے بھی بہت نیازمندانہ رابطہ رکھتے تھے اور ان کی کریمانہ نوازشوں کے آرزومند رہا کرتے۔

احقر علی گڑھ کے قیام کے دوران جب حضرت ملک العلما کے کتب خانہ خاص میں ملک العلما کے نام ہندوستان کے مشائخ اور اہل علم کے خطوط کی فائلیں دیکھ رہا تھا تو مکاتیب کے ہجوم میں حضرت تاج العلما اور حضرت سید العلماء قدس سرہما کے خطوط بھی شرف نگاہ بنے جو پروفیسر مختارالدین احمد صاحب کی نوازش سے مجھے حاصل ہوئے۔ مختصری وضاحت کے ساتھ وہ گرامی مکاتیب پیش کئے جاتے ہیں۔

نصف صدی پیشتر خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ سے اہل سنت کی مذہبی قدروں کا ترجمان ایک رسالہ نکلنا شروع ہوا ''اہل سنت کی آواز'' جس کی صدارت حضرت تاج العلما فرمارہے تھے اور سرپرستی اور ادارت حضرت سید العلما اور احسن العلماء سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں قادری برکاتی (قدست اسرارہم) کی تھی۔ اس کے اجرا کی اطلاع جب بریلی شریف پہنچی تو وہاں کے اصحاب علم نے رکنیت کے لیے سبقت کی جن میں حضرت ملک العلما بھی تھے۔

حضرت ملک العلما میں رفاہی اور دینی کاموں کی راہ میں تعاون کا جذبہ خوب تھا۔ تنگ دستی کے باوجود بہت سے اداروں میں چندے کی رقم بھیجتے اور علمی کاموں میں تعاون کرنے میں پہل کرتے۔ اسی جذبۂ خیر کے تحت آپ نے ''اہل سنت کی آواز'' کی رکنیت کے لیے فوری خط تحریر فرمایا۔ اس کے جواب میں حضرت سید العلما نے یہ گرامی مکتوب رقم فرمایا:

دفتر مرکزی جماعت اہل سنت ۷۸۶

مارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ

مولانا المکرم زید مجدہم!

پس از تحیہ مسنونہ خیریت مشحونہ گرامی نامہ موصول ہوا۔ اگر تین روپیہ بذریعہ منی آرڈر روانہ فرمادیں گے تو محصول وی پی نہیں دینا پڑے گا۔ ''اہل سنت کی آواز''

حصہ اول پریس میں گیا ہوا ہے۔ جناب والا کا نام درج رجسٹر کرلیا گیا۔

بقیہ رسائل رو لیگ میں جو قیمتاً شائع ہوئے ہیں وہ قیمتاً اور جو مجاناً (مفت تقسیم کرنے کے لیے) شائع ہوئے ہیں وہ بلا قیمت اِن شاء اللہ تعالیٰ ارسال کیے جائیں گے۔ والسلام مع الاکرام۔ فقیر مارہرہ

سید آل مصطفےٰ سید میاں قادری غفرلہ

ناظم مرکزی جماعت اہل سنت مارہرہ

۸ر ماہ فاخر ربیع الآخر ۱۳۶۵ھ/۱۳ر مارچ ۱۹۴۶ء چہارشنبہ

نوٹ: ترسیل زر بنام حضرت سیدی سید شاہ محمد میاں صاحب قبلہ صدر جماعت اہل سنت مارہرہ مطہرہ خانقاہ برکاتیہ فرمائی جائے۔

حسب تحریر حضرت ملک العلما نے فوراً زرِ تعاون کا منی آرڈر حضرت تاج العلما قدس سرہٗ کی خدمت بابرکت میں ارسال کیا۔ منی آرڈر موصول ہونے کے بعد حضرت تاج العلما نے یہ مفاوضہ کریمہ ارسال فرمایا:

۷۸۶ حضرت محترم دام کرمکم! وعلیکم السلام!

آپ کا پہلا کرم نامہ کارڈ اور اوس کے بعد تین روپیہ کا منی آرڈر ملا۔ چونکہ کرم نامہ میں نام "سید میاں" لکھا تھا جو برخوردار مولوی حافظ سید شاہ آل مصطفےٰ میاں سلمہٗ کا لقب ہے۔ اس لیے انہوں نے جو آپ کو جواب دیا ہوگا غالباً اوسی میں آپ کو اہل سنت کی آواز کے لیے تین روپیہ چندہ پیشگی بھیجنے کو لکھا، جس کا آپ نے منی آرڈر بھیج دیا۔ میرے لیے یہ ذمہ داری پہلا تجربہ ہے اور اس حالت میں کہ مطبع بھی اپنا نہیں اور دوسرے مطبع والے ہم غرباء کے ساتھ لیگیت و کانگریسیت و صلح کلیت کے جراثیم اون کے ارباب اختیار میں کچھ نہ کچھ ہونے کی بنا پر مخالفانہ اور حیلہ بازانہ پریشان کن اور زیربار کرنے والا رویہ اختیار کیے ہوئے ہیں جس سے اجراء و اشاعت رسالہ میں دیر لگ رہی ہے۔ جن صاحبوں نے پیشگی روپیہ بھیج دیا اون میں بے اطمینانی پیدا ہونے کا احتمال تھا، اس لیے میں آپ سے پیشگی ارسال کا مطالبہ نہیں چاہتا اور اب بھی آپ اجازت دیں تو وہ روپیہ واپس کردوں اور رسالہ بعونہ تعالیٰ جاری ہونے پر جب آپ کے پاس پہنچ

لے گا تو اس وقت آپ خود ہی بھیج دیں گے۔ گوناگوں دشواریوں کے باوجود متوکلاً علی المولیٰ تعالیٰ ارادہ کرلیا ہے کہ جمادی الاولیٰ کی ابتدا میں اہل سنت کی آواز کو جاری کر دیا جائے۔ پہلا حصہ چھپ گیا ہے اور دوسرا طبع کو بھیج دیا گیا ہے۔ سلسلۂ مطبوعاتِ جماعت دور جدید نمبر ۱، ۲، ۳، ۷، ۱۲ جو طیار موجود ہے اون کا ایک ایک نسخہ ذریعۂ پیکٹ بلا قیمت حاضر کر رہا ہوں۔ رسید سے اور ان پر اپنی رائے سے بھی اگر مضائقہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ نمبر ۴، ۶، ۱۱ آپ کے پاس ہیں، باقی نمبر ابھی مختلف مطبعوں میں ہیں۔

رویت ہلال کے بارہ میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا ایک فتویٰ جو آپ کے کسی رسالہ میں جس کا نام بھی نہیں چھپا ہوا، جس میں علامہ شامی کی اس عبارت کے متعلق تحقیق ہے کہ ماہ صیام اور عیدین کے علاوہ دوسرے مہینوں کی رویت ہلال میں اختلاف مطالع معتبر ہے یا نہیں۔؟۔ میں نے دیکھا تھا۔ اوس کا ایک نسخہ مجھے درکار ہے قیمت اور محصول سے مطلع فرمایئے تو منی آرڈر سے حاضر کروں اور وہ فتویٰ مجھے بھیج دیا جائے۔

محمد میاں قادری

از مارہرہ ۲۷ ربیع الآخر شریف ۱۳۶۵ھ دوشنبہ مبارکہ

رویت ہلال کے مسئلے میں اختلاف اور عوامی تنازعات کو دور کرنے کے لیے حضرت ملک العلما نے ''جامع الاقوال فی رویۃ الہلال'' (۱۳۵۷ھ) نامی رسالہ تحریر فرمایا جس میں اپنے مربی اور مرشد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کا رسالۂ مبارکہ ''طرق اثبات الہلال'' بھی شامل کیا جو اس موضوع کے سارے پہلوؤں کو محیط ہے۔ ملک العلما نے یہ رسالہ اور ماہنامہ ''اہل سنت کی آواز'' پہ تبصرہ حضرت تاج العلما کی خدمت میں ارسال فرمایا جس کے جواب میں یہ گرامی تحریر سپرد قلم ہوئی:

۷۸۶ ذوالمجد والکرم مولوی محمد ظفر الدین صاحب زاد کرمکم!

وعلیکم السلام!

کل کرم نامہ ملا۔ اوس سے قبل پیکٹ ''جامع الاقوال'' وغیرہ کا بھی ملا تھا۔ آپ کی اس توجہ فرمائی کا شکریہ کہ رسالہ میں اپنے نزدیک جو کوتاہی پائی اوس پر مجھے آگاہ فرمایا۔ وہ نظم جیسا کہ ''اہل سنت کی آواز'' میں مطبوع ہے مجھے مولانا حافظ محبوب علی

خاں صاحب قادری رضوی نے عنایت کی تھی۔ مولانا موصوف سلمہم پر بدگمانی کی میرے لیے کوئی وجہ نہ تھی۔ اس لیے اعلیٰ حضرت کی طرف اوس نظم کا مولانا کا انتساب شائع کیا گیا۔ اب میں اون سے دریافت کر رہا ہوں۔ اون کا جواب ملنے پر ضرورت ہوئی تو آپ کا انتباہ شائع کردوں گا۔ ''ان داتا'' اوس نظم میں نہیں ہے نہ تحفۂ حنفیہ کے ۱۹۲۱ء کے پرچے۔ اور اون میں رسالہ ''قرۃ العین'' ☆ میرے پیش نظر اور غالباً میرے کتب خانہ میں بھی نہیں۔ آپ کے خط میں ۱۹۲۱ء ہے۔ یہ شاید سہو ہو۔ بریلی میں اب وہ کون محقق ہے۔ جس کی طرف میں رجوع کروں اور وہ میری طرف التفات کرے۔

محمد میاں قادری۔ از مارہرہ

۴؍ جمادی الآخریٰ ۱۳۶۵ھ سہ شنبہ

حضرت مولانا محبوب علی خاں پیلی بھیتی علیہ الرحمہ نے اعلیٰ حضرت کے وصال کے بعد حدائق بخشش کا تیسرا حصہ مرتب کر کے شائع کیا۔ اس میں بعض اشعار کی ترتیب میں حضرت مرتب سے سہو ہوا جس کی وجہ سے معاندین رضا نے آسمان سر پر اٹھالیا۔ بعد میں حضرت مرتب کی جانب سے کلمۂ اعتذار شائع ہوا۔ اسی کلمۂ اعتذار اور انتباہی تحریر کو ''اہل سنت کی آواز'' میں شائع کرنے کی درخواست حضرت ملک العلما نے پیش کی جس کے جواب میں حضرت تاج العلما نے مذکورہ بالا محتاط وضاحت فرمائی۔

☆ ''قرۃ العین'' غالباً اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا رسالہ ہے۔ اس کے چند گوشوں کی تحقیق کے سلسلے میں حضرت تاج العلما اور ملک العلما کے درمیان مراسلت رہی۔ یہ جملہ اسی کی جانب اشارہ ہے۔

حدائق بخشش کی ترتیب کے قضیے کے بارے میں حضرت تاج العلما کی یہ وضاحتی تحریر بھی ملک العلماء کے نام ایک مکتوب میں ہے۔ حضرت تحریر فرماتے ہیں:

۷۸۶ مکرمی! وعلیکم السلام!

نامی نامہ ملا۔ دربارۂ نظم آپ کی تحریر کو میں نے کسی اعتراض پر محمول نہ کیا اور جبھی حضرت مولانا محبوب علی خاں صاحب کو اوس کے بارہ میں لکھ دیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ علی بخش

نعت خواں پیلی بھیتی کے پاس سے حضرت مولانا حشمت علی خاں صاحب نے اون کو لے کر بھیجی اور علی بخش صاحب کا یہ کہنا ہے کہ یہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے اون کو لکھ کر دی تھی اور وہ اعلیٰ حضرت ہی کی کہہ کے اسے پڑھتے ہیں۔ ''انتباہ'' میرے پاس اس وقت تو نکلا نہیں۔ ملا تو حوالہ دیکھوں گا۔

محمد میاں قادری

از مارہرہ ۲۳؍رجب ۱۳۶۵ھ

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے رسائل وکتب کی طباعت واشاعت کی جزوی ذمہ داریاں نبھانے کی وجہ سے ملک العلما کو اس راہ کے تجربات تھے اس لیے طباعتی راہ کی دشواریوں سے نپٹنے کے لیے ملک العلما نے حضرت تاج العلما کی خدمت بابرکت میں چند باتیں پیش کیں جو ''اہل سنت کی آواز'' کی اشاعت میں مفید ہوتیں۔ حضرت تاج العلما نے جواباً یہ مفاوضہ عالیہ تحریر فرمایا:

۷۸۶ مکرمی مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری رضوی زاد کرمکم

پس از تسلیم مسنون معروض۔ کرم نامہ کل موصول ہوا۔ آپ کی ہمدردی کا منت پذیر ہوں۔ رسالہ برابر جاری رکھنے کا بعونہ تعالیٰ انتظام کر رہا ہوں اور اوس کی مزید اصلاح ودرستی کا بھی۔ اپنا قدیم مطبع صبح صادق سیتاپور سے یہاں منگایا ہے تاکہ خود اپنے مطبع سے کام لوں ان شاء المولیٰ تعالیٰ۔ سب کچھ مولیٰ عزوجل کی مشیت وکرم اور اوس کے حبیب اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کی رحمت وعنایت پر منحصر ہے۔ خود پاشکستہ ہوں اور سرمایہ کی ضرورت۔ اور چندہ مانگنا نہیں آتا اور مانگوں بھی تو جو چیز رسالہ پیش کرتا ہے اوس کے قدرداں گئے ہیں۔

برخوردار حسن میاں سلمہٗ چند روز سے لکھنؤ، سیتاپور مطبع لانے اور دوسری ضروریات کے سلسلہ میں گئے ہوئے ہیں وہ چند روز میں ان شاء الکریم آتے ہیں تو ''اصح التواریخ'' وسنوف حیات ان شاء الکریم ایک ساتھ بھجوادوں گا۔ ویلیو کا مطالبہ بعض اوقات یہاں وصول نہیں ہوتا، مہینے گذر جاتے ہیں حالانکہ سامان مکتوب الیہ، مرسل الیہ کو مل چکا ہوتا ہے اور وہ رقم ادا کر چکا ہوتا ہے۔ اس وقت ضلع گیا کا ایک ویلیو تین ماہ سے گم ہے۔ مرسل الیہ کو شئی مرسلہ مل گئی اور وہ مطالبہ دے چکا۔ لہٰذا اگر مناسب جانئے تو دورو

پیہ قیمت ''اصح التواریخ'' اور آٹھ آنے قیمت سفوف حیات ۲۰ر تولہ اور ایک روپیہ محصول وغیرہا کے لیے بھیج دیجئے منی آرڈر سے تو ذریعہ رجسٹری پارسل ارسال کردوں۔ اگر کچھ آنہ اور برآمد ہوں گے تو بعد کو اوس کے ٹکٹ بھیج دیجئے گا۔

محمد میاں قادری

از مارہرہ ۲۸-۳-۱۳۶۶ھ

حضرت ملک العلما ''حیات اعلیٰ حضرت'' کی تصنیف کے دوران اعلیٰ حضرت کے حالات کے سلسلے میں مواد فراہم کر رہے تھے۔ اس سلسلے میں آپ نے مارہرہ مطہرہ کے بزرگوں سے بھی مراسلاتی رابطے قائم کیے۔ خانقاہ برکاتیہ کی علمی اور روحانی مرکزیت کی وجہ سے اختلافیات میں بھی یہاں کے بزرگوں سے رائیں لی جاتیں اور تحقیقی گوشے دریافت کیے جاتے۔ حضرت ملک العلمانے بھی سیدی مجدد الف ثانی قدس سرہ کی جانب منسوب چند تفردات کے بارے میں حقیقی صورت حال حضرت تاج العلماسے دریافت کی اور دوسری گذارشات بھی رہیں۔ حضرت تاج العلمانے یہ جواب عنایت فرمایا:

۷۸۶ مکرمی مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری رضوی دام کرمکم

پس از سلام مسنون نگارش مضمون۔ آپ کا کرم نامہ مورخہ ۱۷ربیع الآخر شریف کو موصول ہوا۔ ''اصح التواریخ'' برسوں پہلے کی اُسی مطبع کی چھاپی ہوئی ہے جو ایک حد تک میرے ہی ایک متوسل کا تھا مگر اب برسیں گذریں، ختم ہوگیا۔ مطبع صبح صادق سیتاپور سے مارہرہ لے جانے کے ارادہ سے میں گذشتہ شب میں کانپور آیا ہوں اور یہاں سے چند روز بعد سیتاپور کا قصد ان شاء المولی تعالیٰ ہے۔ مگر مطبع وہاں پہنچ بھی جائے تو اوس کے اجرا کے لیے سرمایہ اور کارکن فراہم ہونا کارے دارد۔ بہر حال! تدبیر کر رہا ہوں۔

حضرت مجدد صاحب سرہندی سے مسئلہ اشارہ بالسبابہ و دخل شیطان در وحی برانبیاء علیہم الصلاۃ والسلام و بعض دیگر مسائل میں ائمہ محققین کے مسلک و مذہب کے خلاف تصریحات ہیں اور سرکار قادریت اور خود سرکار نبوت علیہ ثم علیہ الصلوۃ والسلام میں بھی مخدوش کلمات وارد ہوئے ہیں جن پر بدایوں سے رد میں تحریرات شائع ہوئی ہیں جو میرے پاس بھی بعض مارہرہ میں موجود ہیں۔

رسالہ تکسیر اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ خود اعلیٰ حضرت کا تحریر فرمایا ہوا میرے پاس محفوظ ہے۔ان شاء اللہ تعالیٰ مارہرہ پہنچ کر اوس کی نقل کا انتظام کردوں گا۔مشائخ کرام سلسلۂ عالیہ قادریہ جدیدہ کے سوانح مبارکہ میں بعض قلمی تحریرات کتب خانۂ برکاتی میں محفوظ ہیں۔ ''اہل سنت کی آواز'' حصہ دہم طبع کو گیا ہوا ہے۔کاغذ نہ ملنے کی وجہ سے عرصۂ دراز پڑا رہا۔حالات اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ میں میری جو تحریر آپ کے پاس ہے، ہوسکے تو نقل یا اصل ہی مجھے مارہرہ بھیجدیں۔بعد کو واپس کردوں گا۔

محمد میاں قادری

از کانپور ۱۳۶۶/۵/۴ھ

حضرت ملک العلما نے جب ''حیات اعلیٰ حضرت'' (جلد اول) مکمل تصنیف کرلی تو اُس کا اصل مسودہ حضرت تاج العلما کی خدمت میں ارسال کیا۔وصولیابی کے بعد حضرت تاج العلما نے یہ جواب تحریر فرمایا:

۷۸۶ مکرمی محترمی مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری رضوی زاد کرمکم

پس از سلام مسنون، بفضلہ تعالیٰ بخیر ہوں، آپ کے لیے دعائے خیر کرتا ہوں۔بیس روز کے سفر کانپور کے بعد تین چار روز ہوئے مارہرہ پہنچا۔قلمی سوانح اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا پیکٹ رجسٹری شدہ آپ کا فرستادہ موصول ہوا۔ان شاء المولیٰ تعالیٰ حتی الوسع اسے جلد نقل کرا کر واپس کرتا ہوں۔رسالہ نمبر ۱۰ بھی طبع ہو کر آ گیا ہے وہ بھی ان شاء اللہ عنقریب بھیجتا ہوں۔

ایک امر ضروری یہ ہے کہ برخوردار مولوی حافظ سید آل مصطفےٰ سلمہٗ کا لقب سید میاں ہے۔وہ مخاطبات و مکاتبات میں اس سے معروف بھی ہیں۔آپ میرے لیے اپنی بعض تحریرات میں یہی سید میاں لکھ دیتے ہیں۔اس لیے وہ تحریرات مجھے نہیں ملتیں۔براہِ عنایت یاد کر کے میرا نام سید محمد میاں قادری لکھا کیجئے۔

سید محمد میاں قادری---۲۶-۵-۱۳۶۶ھ شنبہ

اذان ثانی کے مسئلے پر علمائے بدایوں اور رامپور کے جید علما سے علمائے بریلی

کی علمی آویزش رہی ہے۔ اس سلسلے میں حق چونکہ علمائے بریلی کے ساتھ تھا اس لیے مارہرہ مطہرہ کے بزرگوں نے علمائے بریلی کا ساتھ دیا۔ حضرت تاج العلما نے اس موقف حق کی تائید میں درج ذیل رسالے تحریر فرمائے:

۱-بحث الاذان ۲-شافی جواب پر کافی ایرادات ۳-بدایونی تحریر کے شافی جواب

حجۃ الاسلام مولانا شاہ محمد حامد رضا خاں قادری برکاتی رضوی قدس سرہٗ کا رسالہ مبارکہ ''سد الفرار'' بھی اس موضوع پر لاجواب تصنیف ہے جس میں علم وفن اور جودت طبع کے بھرپور نظارے ملتے ہیں۔ علمائے اہل سنت کہتے ہیں کہ جسے فن مناظرہ سیکھنا ہو وہ ''سد الفرار'' کا مطالعہ کرے۔

حضرت ملک العلما نے اس رسالے کی نقل ارسال کرنے کی درخواست حضرت تاج العلما سے کی تو آپ نے یہ مفاوضہ عالیہ ارقام فرمایا:

۷۸۶ ذوالمجد والکرم مولوی ظفر الدین صاحب قادری رضوی زاد کرمکم

وعلیکم السلام! مزاج گرامی!

کرم نامہ آپ کا دو تین دن ہوئے، ملا۔ میں نے اوس کو ایک سرسری نظر سے دیکھا اور رکھ دیا۔ اُس وقت سے ایسا کہیں مخلوط ہو گیا ہے کہ اب ہر چند تلاش کیا نہیں ملا۔ جو مضمون اوس کا یاد رہا اوس کا جواب عرض کرتا ہوں۔ رسالہ نمبر ۱۰ عرصۂ کثیر ہوا شائع ہو چکا اور آپ کو بھی ۲۸ر جمادی الاولیٰ ۱۳۶۶ھ ڈاک سے خود اپنے سامنے برخوردار حسن میاں سلمہٗ نے مہر لگوا کر روانہ کر دیا۔ عجیب کہ آپ کو نہ پہنچا۔ اب رسالہ نمبر ۱۱ و ۱۲ بھی شدید دشواریوں اور کافی زیر باریوں کے بعد چھپ کر آ گیا ہے۔ اغلاط طبع ہاتھ سے درست کرا رہا ہوں۔ عنقریب ان شاء المولیٰ تعالیٰ بھیجوں گا۔ اور اس بار رسالہ نمبر ۱۰ بھی مکرر بھیج دوں گا مگر براہ کرم آئندہ اپنے یہاں کے ڈاکیہ کو تاکید کیجئے۔ آئندہ مکرر بھیجنا بہت متعذر رہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز کے واقعات جو میرے تحریر کردہ آپ نے بھیجے، عرصہ ہوا اون کی نقل کرالی ہے مگر اب کی شدت گرما سے میں مر مر کر جیا اور اوس پر کام کی بھی کثرت رہی، اس وجہ سے مقابلہ نہیں کر پایا۔ اب ان شاء المولیٰ تعالیٰ جلد مقابلہ کر کے وہ بھی ان رسائل کے ہمراہ روانہ کروں گا۔ مزید واقعات اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ

میرے علم ویاد میں کچھ نہ کچھ ہیں مگر میرے لیے اپنی کثرت کارو بیماری اور تنہائی سے اون کو منضبط کردینا دشوار ہے، کوشش ان شاء المولیٰ تعالیٰ کروں گا۔

"سد الفرار" مل گیا ہے۔ میری رائے ہے کہ آپ نے جو کچھ سوانح شریفہ لکھ لی ہیں، اون کی اشاعت میں اب مزید واقعات کا زیادہ انتظار نہ کیا جائے بلکہ تدبیر اشاعت کی جائے۔ حضرت مولانا حشمت علی خاں صاحب دامت برکاتہم کی نسبت ایسا خیال ہے کہ گونڈل تشریف فرما ہوں۔ آپ کے پتہ میں اگر کوئی تبدیلی ہو تو مطلع فرمایئے۔

سید محمد میاں قادری

مارہرہ ضلع ایٹہ ۱۰ ماہ صیام ۱۳۶۶ھ - چہار شنبہ

حضرت ملک العلما جب شہسرام کی خانقاہ کبیریہ سے مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ منتقل ہوئے تو وہاں چند مخلصین اہل سنت کے علاوہ کوئی نہ ملا جو دین وسنیت کی راہ میں آپ کا معاون بنتا۔ ایسے ماحول میں حضرت ملک العلمانے مولیٰ تعالیٰ کے فضل وکرم، اس کے مکرم رسول کی نگاہ عنایت کے سہارے اپنی حکمت و تدبر اور فراست سے ایسے الجھے ہوئے اجنبی ماحول میں قدم جمائے اور اپنی مخلصانہ کاوشوں سے دین وسنیت کے اثرات عام کیے۔ خاص بات یہ تھی کہ اس ماحول میں آپ نے اپنے مرشد ومربی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی تعلیمات اوران کی دینی خدمات سے وہاں کے اہل علم کو مانوس کیا اور صاحبان خانقاہ سے متعارف کرایا۔ لیکن اس راہ میں آپ کو مزاحمتوں اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ ملازمت کے آخری دور میں مولوی محمد سہول عثمانی فاضل دیوبند کی سبکدوشی پر پرنسپل کی جگہ خالی ہوئی۔ اب ملک العلما اس جگہ کے امیدوار تھے۔ ان کا مقابلہ مدرسے کے ایک دوسرے سینئر استاد سے رہا جو فاضل دیوبند بھی تھے اور جنہیں کانگریس پارٹی کے مشاہیر کا تعاون حاصل تھا۔ اسی زمانے میں حضرت مضطرب رہے۔ ان حالات پر مشتمل کسی خط کے جواب میں حضرت تاج العلما سید شاہ محمد میاں قادری برکاتی قدس سرہٗ اپنے تسلی نامے میں ارقام فرماتے ہیں:

۷۸۶ ذوالمجد والکرم مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری رضوی دام کرمکم

وعلیکم السلام

بفضلہٖ تعالیٰ بخیر ہوں اور خواہانِ خیر و عافیت جناب ہوں۔ کل کرم نامہ موصول ہوا۔ میں نے اپنے اکابر کرام قدست اسرارہم سے آپ کے انجاح مقصد کے لیے بارگاہ رب عزت میں عرض کرنے کو عرض کر دیا ہے اور خود بھی عرض کر رہا ہوں۔ بکرمہ تعالیٰ آپ کا مخالف ناکام اور آپ کامیاب ہوں گے۔ ان شاء الکریم عم نوالہ، بعد نماز عشا اول آخر ۱۱-۱۱ بار درود شریف۔ درمیان میں ایک سو گیارہ بار ''طفیل حضرت دستگیر دشمن ہوئے زیر''، تا حصول مقصد پڑھے۔

حضرت مولانا حشمت علی خاں صاحب کے یہاں خطوط کے جواب کے سلسلہ میں اور اطلاع احوال کے بارہ میں یہی رویہ میرے ساتھ بھی ہے جو آپ نے تحریر کیا۔ مولانا خانگی اور بیرونی پریشانیوں میں ہیں اور قیام بھی یکجا نہیں رہتا اور پس غیبت انتظام حفاظت بھی ناقص ہے۔ میرے پاس ایک عرصہ سے کوئی خط اور میرے خط کا جواب نہیں ملا ہے۔ (فیض آباد کے تاریخی مقدمہ میں) وہابیہ کی نگرانی میں ۱۲ر فروری مقرر ہے۔

''اہل سنت کی آواز'' جلد دوم حصہ پنجم تک شائع ہو چکا اور آپ کو بھی عرصہ ہوا بھیجا جا چکا ہے۔ اوس کے بعد میں گوناگوں سخت تر پریشانیوں اور بیماریوں وغیرہا میں گرفتار رہا اور پھر کاغذ نہیں مل رہا ہے۔ اس لیے اور حصہ شائع نہیں ہوا، اب انتظام کر رہا ہوں اور کچھ کاغذ مل گیا ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز کی سوانح مبارکہ جو آپ نے لکھی اوس کا کیا حال ہے۔؟ مکمل ہو گئی یا کیا۔؟

محمد میاں قادری

از مارہرہ ۱۰ر ربیع الاول شریف ۱۳۶۸ھ سہ شنبہ

تقسیم ہند کے موضوع پر اہل سنت تین حصوں میں تقسیم تھے۔ اکثریت جذبات کی رَو اور مسلم لیگ کی ذہن سازی کے نتیجے میں اس تقسیم کی حامی تھی۔ بعض طبقے اس تقسیم کو استحسان کی نگاہ سے تو نہیں دیکھتے تھے لیکن اکثریت کی شمولیت کی بنا پر سکوت اختیار کئے ہوئے تھے تا کہ خود اپنی صفوں میں انتشار نہ پیدا ہو۔ ایک حصہ ایسا تھا جو مسلم لیگ کی سیاست کو سمجھ رہا تھا اور اس تقسیم کے مضر اثرات اس کی نگاہ بصیرت کے پردے

پر آئینہ ہو رہے تھے۔ خانقاہ برکاتیہ اسی آخری نظریے کی حامی و داعی تھی جس کے روحانی رہنما اس وقت حضرت تاج العلما تھے۔ آپ نے مسلم لیگ اور گاندھی گردی کی فریب کاریوں کی نقاب کشائی کرتے ہوئے کئی رسائل تحریر فرمائے:

۱- انسداد قربانی گاؤ ۲- گاندھویوں کا اعمال نامہ ۳- رسالہ در مغالطات گاندھویہ
۴- مسلم لیگ کی زریں بخیہ دری ۵- طرد مغالطۂ لیگ اسی دور کی یادگار تحریریں ہیں۔

مسلم لیگ میں اہل سنت کی اس نا عاقبت اندیشانہ شمولیت کا فائدہ ان کے مذہبی حریفوں نے خوب اٹھایا اور وہ اہل سنت کو جس قدر زک پہونچا سکتے تھے، پہونچائی۔ حضرت ملک العلما نے ان ابتر حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک خط تحریر کیا جس کے جواب میں حضرت تاج العلما رقم طراز ہیں:

۷۸۶ مکرمی مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری رضوی دام کرمکم،

وعلیکم السلام!

مع الخیر رہ کر خواہانِ عافیت ہوں۔ کرم نامہ ملا۔ امید ہے کہ بکرمہ تعالیٰ آپ کا معاملۂ ملازمت آپ کے حسبِ دل خواہ بخیر و عافیت طے ہو چکا ہوگا۔ مجھے بھی مطلع فرمایئے۔ وہابیہ ہم غربائے اہل سنت کے قدیمی دشمن تو ہیں ہی مگر اس وقت جو موقع اُن کو ہمارے ساتھ اپنی اس عداوت کے نکالنے کا اور مزید ملا، یہ لیگ اور اوس کے پاکستان کے اودھم کا ردعمل اور خمیازہ ہے جسے آپ کی مراد آبادی سنی کانفرنس نے محض بہ زبردستی شرعی فقہی پاکستان کا لبادہ اوڑھا کر عوام اہل سنت کے سامنے پیش کر کے اون کو لیگ کے جہنم میں جھونکا تھا۔ اور دیکھئے ابھی اور آگے آگے کیا ہو!! آپ نے یہ شعر تحریر فرمایا کہ ؎

فکر ما در کار ما آزار ما　　　کارساز ما بہ فکر کار ما

میرے حضرت مرشد برحق والد ماجد قدس سرہ العزیز اس کے آخری مصرعہ کو یوں پڑھا کرتے تھے کہ "کارساز ما بساز د یا بساز کار ما" آپ تو خود عالم و فاضل ہیں۔ مجھے بتایئے۔ کیا کارساز حقیقی عم نوالہٗ کے لیے فکر کے اطلاق میں شرعاً کوئی محذور نہیں؟

اوپر کے معروضات سے مقصود آپ پر کوئی طعن بے جا نہیں بلکہ آپ کی خیر خواہی اور اپنی معلومات میں مزید اضافہ کی طلب گاری ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز کی سوانح مبارکہ جہاں تک بھی تحریر فرمائی ہے، اگر مجھ پر طمانیت ہو تو وہ مجھے

رجسٹری کرا کر روانہ فرمادیں اور اجازت دیں کہ میں اوس کی نقل بھی اپنے لیے حتی الوسع کم از کم زمانہ میں طیار کرالوں اور پھر آپ کو واپس کروں۔ اُس کے معائنہ کے بعد میں یہ عرض کرسکوں گا کہ آیا میں اوس کا انتظام طبع واشاعت کرسکتا ہوں یا کیا۔؟۔ جواب کا منتظر رہوں گا۔ محمد میاں قادری

از مارہرہ ۱۲/۴/۱۳۶۸ھ جمعہ

* یہ شعر کسی مشہور فارسی شاعر کا ہے اور بہت متداول ہے۔ عام طور پر نقل کیا جاتا ہے۔ ملک العلما نے اپنے کسی خط میں اسے نقل کیا ہے اصل خط سامنے نہیں ہے کہ سیاق وسباق دیکھا جائے۔ ع ''کارساز ما بہ فکر کار ما'' میں فکر کا انتساب باری تعالیٰ کی جانب محل غور ہے۔ اس لیے کہ فکر میں فکرمند کو تردد ہوتا ہے، الجھن ہوتی ہے اور اپنے کام کے انجام تک پہنچنے کا یقین نہیں ہوتا جبکہ اللہ تعالیٰ '' فعال لما یرید '' ہے۔ اس کے لیے ان عیب دار اوصاف کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ گرچہ یہاں لفظ ''فکر'' کو شاعر نے اس معنی میں استعمال نہیں کیا بلکہ اس کا مجازی معنی مراد لیا ہے یعنی جس طرح فکرمند اپنی ضرورتوں کی تکمیل کی جانب ہمہ تن متوجہ ہوتا ہے، اسی طرح ہمارا کارساز، ہمارا پروردگار ہماری ضرورتوں کا خیال فرماتا ہے اور انہیں منزل مراد تک پہونچا دیتا ہے۔ لیکن پھر بھی اس میں ناقص تصورات کا وہم ضرور ہے اس لیے ایسے طرز بیان سے بچنا ہی احتیاط ہے۔ اسی لیے حضرت تاج العلما نے یہ اصلاح فرمائی اور تحریر فرمایا کہ اس مصرعے کو یوں پڑھا جائے۔

ع کارسازِ ما بسازد کارِ ما

اس اصلاح میں حضرت تاج العلما نے جو متواضع اور مثبت تعمیری انداز اختیار فرمایا ہے وہ قابل رشک بھی ہے اور قابل تقلید بھی۔ باں ہمہ علم وفضل، جاہ وجلال کس خاکساری سے تحریر فرماتے ہیں:

> ''اوپر کی معروضات سے مقصود آپ پر کوئی طعن بے جا نہیں بلکہ آپ کی خیر خواہی اور اپنی معلومات میں مزید اضافہ کی طلب گاری ہے۔''

اگر اصلاح کا یہ تعمیری رنگ آج اپنا لیا جائے تو نہ جانے کتنے بے جا مخصوں سے نجات مل جائے، معاملات بگڑنے سے بچ جائیں اور امت انتشار کا شکار نہ ہو۔ اس طرز اصلاح کا خاص فائدہ یہ ہوتا ہے کہ مخاطب کے دل پہ خراش نہیں آتی اور وہ ناقد کو

معاند کے بجائے ہمدرد تصور کرتا ہے۔

امام اہل سنت، مجدد دین وملت، چشم و چراغ خاندان برکات، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ (۱۲۷۲ھ-۱۳۴۰ھ) کے وصال کے بعد سوانحی سطح پر سب سے پہلے ان کے محب خاص، فدائے رضا سید ایوب علی رضوی علیہ الرحمہ نے کام شروع کیا جو تقسیم پاکستان کے بعد پاکستان تشریف لے گئے۔ جب منظور نگاہ اعلیٰ حضرت ملک العلما نے ''حیات اعلیٰ حضرت'' پر باضابطہ کام کا آغاز کیا تو حضرت مولانا سید ایوب علی رضوی نے بے مثل ایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنا سارا جمع کردہ مواد ملک العلما کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد ملک العلما نے اپنے مرکز عقیدت، اعلیٰ حضرت کے پیر خانے مارہرہ مطہرہ اور بریلی شریف کے بزرگوں اور متوسلین سے رابطہ قائم کیا اور کچھ مفید معلومات حاصل کیں۔ ملک العلما نے یہ حاصل شدہ معلومات انہیں حضرات کے حوالے سے اپنی کتاب میں درج کی ہیں۔ ''حیات اعلیٰ حضرت'' کی پہلی جلد مکمل ہونے کی اطلاع جب حضرت تاج العلما کو ہوئی تو انہیں جو تعلق خاطر اعلی حضرت اور ملک العلما سے تھا، اس کی بنا پر اس کے مطالعے کا شوق ہوا۔ وہ چاہتے تھے کہ سوانح اعلی حضرت کی ایک نقل اپنے لئے اپنے ہاتھ سے تیار کر لیں۔ ملک العلما کی خواہش تھی کہ پہلا حصہ ان کی نظر سے گزر جائے تا کہ وہ اگر ممکن ہو تو کچھ افاضات بڑھا دیں یا اگر کچھ واقعات کے سلسلے میں مسامحات ہوں تو ان کی نشاندہی کر دیں۔ اہم مقصد یہ تھا کہ کتاب کی طباعت و اشاعت میں تعاون کی کوئی شکل پیدا کریں۔ ذیل کے چاروں خطوط انہیں مسائل سے تعلق رکھتے ہیں:

۷۸۶ مکرمی مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری رضوی زاد کرمکم!

وعلیکم السلام ورحمۃ المولیٰ تعالیٰ وبرکاتہٗ!

بفضلہٖ تعالیٰ بخیر ہوں، آپ کے لیے خیر وعافیت کا طالب۔ کل آپ کا کرم نامہ ملا۔ میں آپ کے مقصد کے لیے روز دعا کرتا ہوں۔ مولیٰ تعالیٰ آپ کو اُن دیابنہ ملاعنہ کے مقابل فتح ونصرت بخشے آمین! *

مولوی مصطفےٰ رضا خاں صاحب سے ملنے کے لیے آپ کا بریلی آنا، نہ معلوم کب ہو ** اور پھر یہاں آسکنا نہ معلوم کب۔؟۔ ادھر میرے حالات بھی اسبابی لحاظ

سے روز متغیر ہونے کا احتمال ہے۔ نقل و کتابت وغیرہا کی جو سہولت آج ہے معلوم نہیں کہ وہ کل بھی رہے یا کیا ہو۔؟۔ لہٰذا اگر کوئی مضائقہ نہ ہو تو آپ سوانح اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ مجھے بیمہ کرا کے بھیج دیجئے۔ مصارف سے مجھے مطلع کیجئے تو میں دیدوں گا اور یہ اجازت دیجئے کہ اوس کی نقل میں اپنے لیے کرلوں۔ *** معائنہ اور نقل کے بعد مطلع کر سکوں گا کہ میں اُس کی طبع و اشاعت میں کیا مدد کرسکتا ہوں۔ * رہا بنظر اصلاح دیکھنا سو من آنم کہ من دانم۔ بہر حال وہ زیر نظر تو آئے گی ہی۔ اگر کوئی محل تامل ہوا تو آپ سے اُسے حل کرلوں گا۔ محمد میاں قادری

از مارہرہ ۲۰/۴/۱۳۶۸ھ۔ شنبہ

* مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ کی پرنسپل شپ پر تقرری کا ذکر ہے۔

** حیات اعلیٰ حضرت کی اشاعت کے سلسلے میں اور حضرت مفتی اعظم سے مشورہ و معاونت کے لئے ملک العلما بریلی شریف اور پھر مارہرہ مطہرہ تشریف لانا چاہتے تھے۔

*** زیراکس یعنی عکسی نقل کی اس وقت ابتدا نہیں ہوئی تھی ورنہ حضرت تاج العلما کو حیات اعلیٰ حضرت خود نقل کرنے کی زحمت برداشت نہیں کرنی پڑتی۔

* تقسیم ہند کے بعد زمینداریاں ختم ہوگئی تھیں۔ زمیندار، روٴساء اور خانقاہوں کے متولی حضرات اس زمانے میں نا مساعد حالات کے شکار تھے۔

----

۷۸۶ مکرمی مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری رضوی دام کرمکم! وعلیکم السلام!

پس از تسلیم مسنون مدعا نگار۔ آپ کے دو کرم نامے کارڈ یکے بعد دیگرے موصول ہوئے۔ میں نے کتاب کے وصول پر جواب کو ملتوی رکھا۔ آج دوشنبہ مبارکہ ۵ ر جمادی الاولیٰ ۱۳۶۸ھ کو بیمہ شدہ پارسل سے حیات اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا اصل مسودہ موصول ہوا اور میں نے ایک بالکل سرسری نظر میں اُسے دیکھا بھی۔ ان شاء المولیٰ شروع تو آج ہی سے کیئے دیتا ہوں اور مطالعہٴ کامل کے بعد یہ بھی اپنے ذرائع اور وسائل کے لحاظ سے طے کروں گا اور آپ سے بھی عرض کردوں گا کہ میں اس کی اشاعت میں کیا اعانت کرسکتا ہوں۔ فی الحال یہ کارڈ بطور رسید روانہ ہے۔

آپ کے پرنسپلی کے عہدے پر مستقل ہوجانے کے لیے برابر دعا کررہا

ہوں* کہ مولیٰ تعالیٰ وہابیہ ملاعنہ کو اُن کے اس ناپاک مقصد میں ناکام کرے اور آپ کو آپ کے مبارک مقصد حمایت اسلام وسنیت میں کامیاب۔ آمین بجاہ الحبیب الامین علیہ الصلاۃ والسلام وعلیٰ آلہ واصحابہ۔

محمد میاں قادری

از مارہرہ ۶ رجمادی الاولیٰ ۱۳۶۸ھ دوشنبہ

*ملک العلما کو تاج العلما کی دعاؤں کی برکت سے پرنسپل شپ کا چارج مل گیا تھا اور انہوں نے اس عہدے پر کام کرنا شروع کر دیا تھا۔

---

۷۸۶ مکرمی مولوی محمد ظفرالدین احمد صاحب قادری رضوی دام کرمکم!

وعلیکم السلام!

آپ کے لیے دعائے خیر وعافیت دارین کرتا ہوں اور آپ کے معاندین وہابیہ وغیرہم اعدائے دین کے دفع ہونے اور اُن کے مقابل آپ کے کامیاب وبامراد ہونے کی برابر دعائیں کر رہا ہوں۔

کرم نامہ آپ کا ملا۔ ''حیات اعلیٰ حضرت'' قدس سرہٗ میں نے بہت سے مواقع سے دیکھی اور میرے پاس نقل کا انتظام بہت قلیل ہے۔ اپنی دھانس اور کھانسی کی وجہ سے اور دوسری ناگزیر مصروفیتوں اور مجبوریوں کے باعث میں خود تو نقل نہ کر پایا۔ مولانا محمد خلیل خاں صاحب قادری برکاتی دام کرمہم نے اپنی محبت دینی کی بنا پر نقل کی خدمت اس حد تک اپنے ذمہ لے لی ہے کہ روزانہ دوپہر کو وہ میرے یہاں آ کر ایک گھنٹہ نقل فرماتے ہیں۔ میں اون کی قیام گاہ پر بنظر احتیاط اُسے لے جانے نہیں دیتا۔ اب تک اصل کتاب کے تقریباً نوے صفحات نقل ہو چکے ہیں اور وہ روزانہ نقل کرتے ہیں۔ نقل کے اس انتظام کے علاوہ سر دست مجھے دوسرا میسر نہیں۔ آپ کو اگر اوس کی واپسی جلد درکار ہے تو جب بھی تحریر فرمایئے، خواہ نقل تمام ہوئی ہو یا نہ، میں واپس حاضر کر دوں گا۔

محمد میاں قادری

از مارہرہ ۱۳؍رجب ۱۳۶۸ھ - جمعہ

---

۷۸۶ مکرمی مولوی محمد ظفرالدین صاحب رضوی دام کرمکم!

وعلیکم السلام!

میں طویل سفر کے بعد چند روز ہوئے واپس مارہرہ پہنچا تو آپ کا کرم نامہ ملا۔ ''حیات اعلیٰ حضرت'' میری نظر سے گزر جانا تو خیر! مگر اس کی کوشش ضرور فرمایئے کہ مولانا حشمت علی صاحب او سے بالاستیعاب دیکھ کر اپنی رائے سے آپ کو مطلع فرمادیں تا کہ آپ اوس کا واجبی لحاظ رکھ سکیں۔ *براہ کرم مجھے اوس کی فہرست مضامین والے ورق کی نقل ضرور جلد ارسال فرمادیں، ذاتی ضرورت ہے۔ آپ کے لیے برابر روزانہ دعائے خیر کرتا ہوں۔ محمد میاں قادری

از مارہرہ ۲۴/۹/۱۳۶۸ھ۔ جمعرات

* حیات اعلیٰ حضرت کا مسودہ واپس کر دیا گیا۔ معلوم نہیں نقل مکمل ہوئی یا نہیں۔ کثرت کار اور مشغولیات کے سبب تاج العلما اپنے افادات نہ بھیج سکے۔ اسی طرح مولانا حشمت علی قادری رضوی علیہ الرحمہ اپنے اسفار، مشغولیات اور علالت کے باعث ان امور کی طرف توجہ نہ کر سکے۔

حضرت ملک العلما نے ''حیات اعلیٰ حضرت'' کے سلسلے میں شیر بیشۂ سنت مولانا حشمت علی قادری برکاتی رضوی علیہ الرحمہ سے بھی رابطہ پیدا کرنا چاہا۔ حضرت تاج العلما قدس سرہٗ نے اس کی تائید فرمائی۔ حضرت تحریر فرماتے ہیں:

۷۸۶ مکرمی مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری رضوی، زادکرمکم!

وعلیکم السلام!

آپ کا کرم نامہ لفافہ معہ فہرست کتاب ''حیات اعلیٰ حضرت'' قدس سرہٗ موصول ہوا۔ آپ کی کرم فرمائی کا شکر گذار ہوں۔ مولیٰ تعالیٰ آپ کے اعداء دیوبندیوں اور ندویوں وغیرہم بے دینوں کو خائب و خاسر کرے اور آپ کو اون کے مقابل کامیاب۔ برابر آپ کے لیے دعاء خیر کرتا ہوں، مولیٰ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین بجاہ الحبیب الامین علیہ الصلاۃ والسلام وعلیٰ آلہ واصحابہ۔

میں حال کے سفر کے دوران میں ٹوٹی پھوٹی دینی خدمات جو بن پڑیں کرتا رہا۔ وہ اول تو اس قابل ہی کہاں ہیں کہ نمایاں کی جائیں پھر بھی اس لیے کہ اون کے

ذیل میں کچھ احکام ونصائح دینیہ کا بیان ہو جاتا ہے جن سے اہل سنت کے لیے بعونہ تعالیٰ امید نفع ہے۔ ''اہل سنت کی آواز'' میں خانقاہ برکاتیہ کے کوائف کے عنوان کے ماتحت اس قسم کے امور کا تذکرہ آتا رہتا ہے۔ اب بھی ان شاء المولیٰ تعالیٰ اپنے سلسلہ میں آجائے گا۔

حضرت مولانا حشمت علی خاں صاحب دامت برکاتہم کا قیام چونکہ ایک جگہ نہیں رہتا اور پس غیبت اون کے یہاں خطوط کی حفاظت اور جواب کا نظام بھی قائم رکھنے والا کوئی نہیں ہے اور ڈاکخانہ کی مہربانیاں علاوہ۔ اس لیے آپ کے یہاں کے خطوط کا جواب نہ ملا ہوگا۔ ☆

مجھے جو آپ نے دریافت احوال کے لیے تحریر کیا تھا اوس کا جواب جو اس وقت میرے علم کے مطابق تھا میں نے دیدیا تھا اور آپ کو مل بھی گیا تھا۔ تعجب ہے کہ آپ نے مارہرہ کی نسبت بھی یہ لکھا ہے کہ کہیں سے کچھ جواب نہ آیا۔ آپ کو مولانا سے استمزاج اور رضامندی حاصل کرنے کے بعد لوگوں سے اون کو دعوت نامہ بھجوانا چاہیے تھا تو سبکی نہ ہوتی۔ ☆☆ ''حیات اعلیٰ حضرت'' کے بارے میں، میں اب بھی اس پر قائم ہوں کہ اشاعت سے پہلے اُس کا ان کی نظر سے گذر جانا ضروری ہے۔ مجھے جب اون کا قیام مستقل کہیں کا معلوم ہوگا تو آپ کو ان شاء المولیٰ تعالیٰ لکھوں گا اور میرے نزدیک تو آپ بغیر انتظار اس بارہ میں مولانا کے نام خط بمعرفت مولانا وجیہ الدین صاحب رضوی سجادہ نشین آستانہ ضیائیہ محلہ بہشتیاں، پیلی بھیت، بھیجیں تو ان شاء المولیٰ تعالیٰ جواب مل جائے گا۔

محمد میاں قادری

از مارہرہ ۱۳/۱۰/۱۳۶۸ھ سہ شنبہ

☆ ان کا ایک خط بھی ملک العلما کے ذخیرۂ خطوط میں موجود نہیں۔

☆☆ سیرت کے کسی جلسے یا رجبی شریف میں شرکت کے سلسلے میں مولانا محترم کو دعوت نامے بھجوائے گئے تھے۔

حضرت ملک العلما کو تحریری کاموں سے خاصا شغف تھا۔ ذاتی سطح پر بھی اور ملی سطح پر بھی۔ اس لیے اگر کہیں اس کی صورت ہوتی تو فوری طور سے اس میں درے

قدمے، سخنے حصہ لینے کو کوشش کرتے۔ تقسیم پاکستان کے بعد ملت اسلامیہ خصوصاً اہل سنت کو جن ناگفتہ بہ حالات کا سامنا کرنا پڑا اس سے ہر ذی علم واقف ہے۔ ان حالات میں غیروں نے اپنی دوکان خوب چمکائی اور کانگریس کے سایۂ عاطفت میں بڑے خوشگوار مزے لوٹے لیکن اہل سنت کی کس مپرسی کا عالم مت پوچھیے۔ اس عالم میں کسی خالص علمی اور دینی رسالے کا اجرا بڑے حوصلے کی بات تھی۔ خانقاہ برکاتیہ کے اراکین نے بہت حوصلہ مندی کے ساتھ دینی اور علمی قدریں زندہ رکھیں اور بڑے صبر آزما حالات میں امیدوں کے چراغ روشن کیے جبکہ اس راہ میں مالی، علمی اور طباعتی ہر قسم کی دشواریاں حائل تھیں۔

''اہل سنت کی آواز'' کے اجرا کے بعد حضرت ملک العلما مسلسل اس رسالے کی اشاعت کے مشتاق رہتے اور اس کی خاطر ہر قسم کی علمی اور عملی خدمت کے لیے آمادہ۔ اس سلسلے میں تاج العلما اور سید العلما دونوں حضرات سے برابر مراسلت رہتی۔ چونکہ تاج العلما کے آئندہ خط کا جزوی تعلق حضرت سید العلما کے مکتوب سے ہے اس لیے میں حضرت سید العلما علامہ مفتی حکیم سید آل مصطفےٰ قادری برکاتی قدس سرہٗ کے چند خطوط حاضر کرتا ہوں۔

ملک العلما علم ہیئت و توقیت میں یکتائے روزگار تھے۔ آپ کا یہ دینی اور علمی احسان تادیر یاد رکھا جائے گا کہ آپ نے متحدہ ہندوستان کے بیشتر علاقوں کے اوقات صوم و صلوٰۃ استخراج کیے اور اس طرح اہل ایمان کے بنیادی فرائض میں فساد وقت کے راہ پانے کے امکانات روک دیے۔ اس فن میں یکتائی اور مہارت کی وجہ سے متحدہ ہندو پاک کے بیشتر ذی علم حضرت سے آپ کے رابطے رہتے۔

حضرت سید میاں اہل سنت کی آوز اور توقیت کے تعلق سے ایک وضاحتی مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

جامع مسجد کھڑک ۴۴، بمبئی ۹   ۷۸۶/۹۲   سلخ ذی قعدۃ الحرام ۱۳۶۹ھ پنجشنبہ

ملک العلما حضرت مولانا فاضل بہاری ادام برکاتکم اللہ الباری!

وعلیکم ورحمۃ وبرکاتہ!

فقیر باذنہ القدیر یکشنبہ ۱۰ ر ستمبر کو بمبئی واپس ہوا۔ دوشنبہ مبارکہ کو آپ کا گرامی

نامہ... سہ شنبہ کو فرستادہ پیکٹ موذن الاوقات موصول ہوئے۔ کرم فرمائی کے لیے ہدیۂ امتنان پیش ہے۔

رسالۂ مبارکہ ''اہل سنت کی آواز'' کی مزید اشاعت میں تعویق کے وجوہ جہاں تک فقیر کے علم میں ہیں، حضرت خالی المکرم تاج العلما مولانا سید شاہ محمد میاں صاحب قبلہ دامت برکاتہم اور برادر بجاں برابر مولوی حافظ سید شاہ حسن میاں قادری سلمہٗ ربہٗ کی مسلسل علالت، اچھے کام کرنے والوں کا فقدان، سب سے بڑھ کر ماضی قریب میں ہمارے قرب وجوار کے نادان اور نا عاقبت اندیش مسلمانوں کی خواہ مخواہ کی بھگدڑ جس کی وجہ سے علی گڑھ کے اوس پریس کا بالکل ناکارہ ہوجانا جہاں رسالہ مبارکہ طبع ہوتا تھا، ذاتی پریس کی درخواست کی منظوری میں کارکنان متعلقہ کی لاپرواہیوں کی بنا پر تعویق وغیرہ ہی ہیں۔ دعا فرمایئے کہ مولیٰ عزوجل جلد از جلد ایسے اسباب مہیا فرمادے کہ رسالہ مبارکہ بغیر مزید تعویق کے اپنے ناظرین کی انتظار آگیں آنکھوں کا سرمہ بن سکے۔

بمبئی کی تقویم کے متعلق جو تحریر فرمایا اوس سے فقیر کو کمال مسرت ہوئی۔ ایک ذرا سی تکلیف اور دوں گا اور وہ یہ کہ فقیر اس تقویم کی تیاری اور طبع کا انتظام خالصاً لوجہ اللہ تعالیٰ محض عامۂ مسلمین کے رفاہ عام کے لیے کر رہا ہے۔ اس کے لیے فقیر نے جو سرمایہ تجویز کیا ہے وہ بھی اموال موقوفہ میں سے ایک بہت محدود حصہ ہے۔ پھر طباعت اور کاغذ کی گرانی وغیرہ اخراجات کا بار بھی فقیر کے ہی ذمہ ہے۔ اس لیے اگر بلا تکلف مزید عنایت فرماتے ہوئے اور خالص خدمت دینی کا خیال کرتے ہوئے مدد میں ممکن کمی فرمادی جائے تو فقیر کے لیے سہولت اور ایک امر دینی میں آپ کی یہ اعانت آپ کی طرف سے صدقۂ جاریہ کا کام دے گی۔ * ان دنوں فقیر کے پاؤں میں ایک پھنسی نکل آئی تھی۔ یہاں پہنچ کر وہ زیادہ تکلیف دہ بن گئی، نماز کے لیے فقیر کو دوسرے صاحب کو نیابت دینی پڑی۔ اب اگر چہ جراحت خشک ہوچکی ہے پھر بھی کچھ باقی ہے۔ امید ہے کہ بفضلہٖ تعالیٰ دو تین دن میں مکمل طور پر ٹھیک ہوجائے گی فقیر نے معلوم کیا ''جھکر اینڈ کو'' یہاں ہے فقیر خود جا کر مطلوبہ رسالہ لائے گا اور جب تک اس دعا نامے کا جواب بھی آں جناب کی طرف سے باصواب آجائے گا تب ان شاء اللہ تعالیٰ رسالہ اور نقشہ طلوع وغروب بمبئی مع ہدیۂ مطلوبہ حاضر خدمت گر کے منتظر رہے گا کہ جلد از جلد تقویم

مطلوب تیار ہو جائے۔ امید ہے کہ جواب جلد عنایت فرمائیں گے اور مالی منفعت پر خدمت دینی کو ترجیح دیں گے۔ والسلام مع التعجیل والاکرام۔

نوٹ: فقیر آپ کے اوقات کی گرانقدری سے واقف ہوتے ہوئے اپنی اوس نسبت برکاتیت کے بھروسے پر جو بفضلہٖ تعالیٰ فیمابین حاصل ہے۔ آپ کی طرف سے اپنے لیے خصوصی مراعات کا طالب ہے۔ دعا گو، فقیر مارہرہ

آل مصطفیٰ قادری برکاتی

خطیب جامع مسجد کھڑک ۴۴ بمبئی ۹

* صدقہ جاریہ کے لئے ملک العلما نے بیسیوں بلاد و مقامات کے اوقات صوم وصلوٰۃ مرتب کر دیئے تھے۔ وہ مدرسے سے کسی مستعد طالب علم کو بلا لیتے، اس سے موذن الاوقات کی نقلیں تیار کراتے، ہندسوں سے اغلاط کے باعث بار بار ورقے بدلنے ہوتے، ان کی اجرت، کاغذ اور محصول وغیرہ میں پچیس تیس روپے خرچ ہو جاتے تھے۔

• ۱۳۷۰ھ کے ایک مکتوب میں بھی حضرت سید میاں قدس سرہٗ کا علم توقیت کے تعلق سے مفصل استفسار ملتا ہے۔ حضرت سید العلما تحریر فرماتے ہیں:

مسجد کھڑک ۴۴ بمبئی ۹ ۔ ۹۲-۸۶-۷

مولانا المکرم زید مجدہم۔ السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہٗ!

مزاج گرامی!

شرمندہ ہوں کہ ایک عرصہ کے بعد دعا نامہ حاضر کر رہا ہوں۔ مبلغ ۳۰ کا حقیر ہدیہ حاضر خدمت ہے اور آج ہی بک پوسٹ سے سروے آف انڈیا کا صوبہ بمبئی کا کیٹلاگ بھی ارسال خدمت کیا ہے۔ رمضان المبارک قریب ہیں۔ چاہتا ہوں کہ پہلے کم از کم صرف رمضان المبارک کے لیے اوقات صوم وصلاۃ طبع کرا دوں پھر بمبئی کا مکمل موذن الاوقات ان شاء تعالیٰ طبع کراؤں۔

۱۹۵۱ء نقشہ طلوع وغرب بمبئی کی رصدگاہ سے حاصل کر کے ہمراہ خط ہے۔ میرے تجربے میں تو یہ نقشہ صحیح ہے مگر جناب والا بھی اس کو اپنے قواعد سے جانچ لیں۔ بمبئی کو مرکز مان کر ایسا نقشہ ہو کہ بحساب شمسی دائمی طور پر کام آئے۔ طلوع فجر، طلوع

آفتاب، ضحوۂ کبریٰ، نصف النہار حقیقی، عصر حنفی، غروب آفتاب (مغرب وافطار) عشاء حنفی، مرکزی بمبئی کے کہنے کے بعد یہ ظاہر فرمادیا جائے کہ دیگر مقامات میں وقت بمبئی سے اتنے منٹ کم یا زیادہ کیے جائیں نیز سحر کے متعلق احتیاطی ہدایات اور اسی طرح افطار کے لیے (صرف اوقات کی حد تک) نیز یہ بھی ارشاد فرمایا جائے کہ نصف النہار حقیقی اور ابتدائے ظہر میں کتنا فرق ہے یعنی مثلاً نصف النہار حقیقی ۲۰-۱۲ پر ہو تو کیا ۲۱-۱۲ سے نماز ظہر کا وقت شروع ہو جائے گا۔؟۔ جس طرح عرض البلد ۲۸ ر میں فجر و مغرب ایک گھنٹہ ۱۸ رمنٹ سے ۳۵ رمنٹ کے درمیان گھٹتی بڑھتی ہے، بمبئی کے عرض البلد میں اس کا حساب کیا ہوگا۔؟۔ اسی طرح عصر میں مختلف اوقات میں جو گھٹاؤ بڑھاؤ بریلی شریف میں ہوتا ہے، بمبئی میں کس طرح ہوگا۔؟۔ بمبئی میں قبلہ خط مغرب سے کس طرف منحنی ہے؟

ایک صاحب نے چند مقامات کے طول البلد نکالے ہیں حاضر کرتا ہوں، گو بفضلہٖ تعالیٰ آپ کو ان کی ضرورت نہیں۔ بہر حال یہ دعا گو یہ چاہتا ہے کہ جیسا مؤذن الاوقات آپ نے یوپی اور بہار کا تحریر فرمایا ہے ویسا ہی ہو تو زہے کرم۔ آپ کو تکلیف تو بہت دے رہا ہوں مگر تعلق برکاتیت نے جرأت دلائی ہے۔ ہدیہ کی حقیر رقم کا خیال نہ فرمائیں۔

ایک صاحب ہاشم عبدالکریم صاحب، جو سیٹھ صاحب کے لقب سے آپ کی طرف مشہور تھے، سلام مسنون کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کسی مؤذن الاوقات میں جناب نے کوئی قاعدہ قمری تاریخ کے اخذ کا چھاپا ہے۔ اگر مزید تکلیف نہ ہو تو وہ تحریر فرمایا جائے۔

اس میں شک نہیں کہ میں نے بہت تنگ وقت یاددہانی کی ہے پھر بھی آپ کے مکارم قدیمہ سے امید ہے کہ نقشہ ایسے وقت بھیج دیں گے کہ فقیر اوس کو طبع کرا کے کم از کم رمضان المبارک میں تقسیم کر سکے۔

نقشے رجسٹرڈ پارسل سے مع کیٹلاگ اور نقشۂ طلوع و غروب واپس فرمائے جائیں۔ حضرت خال محترم تاج العلماء مدّ ظلہم الأقدس تقریباً ڈیڑھ ماہ سے انہیں اطراف میں تشریف فرما ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ شنبہ کو خانقاہ شریف واپس ہو رہے ہیں۔

ملاحظہ: فقیر کو جواب دیتے وقت اگر یہ عریضہ پیش نظر رہے تو انسب۔ والسلام مع الاکرام۔

فقیر مارہرہ، آل مصطفیٰ قادری برکاتی نوری

خطیب جامع مسجد کھڑک ۴۴ رڈون تاڑ اسٹریٹ، بمبئی ۹ شب پنجشنبہ
۵ ر رجب المرجب ۱۳۷۰ھ

حضرت سید العلما کی فرمائش پر حضرت ملک العلما نے بمبئی کا موذن الاوقات بھی مرتب فرمایا اور پھر اسے حضرت سید العلما کی خدمت میں بمبئی روانہ کیا۔
ان چیزوں کی وصولیابی کی اطلاع دیتے ہوئے حضرت سید العلما تحریر فرماتے ہیں:
کھڑک ۴۴ بمبئی ۹ ۷۸۶

ذوالمجد والکرم مولانا المحترم زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہٗ! مزاج گرامی!

قبل ازیں آنجناب کا فرستادہ پیکٹ نظام الاوقات بمبئی محفوظ حالت میں اور پھر ایک کارڈ ہمدست ہوا۔ آپ کی تکلیف فرمائی اور کرم نمائی کا شکریہ۔ فجزاك المولیٰ تعالیٰ خیر الجزاء۔

اس دوران فقیر حد درجہ مصروف رہا پھر محرم شریف شروع ہوگئے اور فقیر کی مصروفیت مزید بڑھ گئی۔ خبثاء دیابنہ کا یہاں بہت زور ہے اور اہل سنت کی کوئی تنظیم نہیں فانا للمولیٰ تعالیٰ وانا الیہ راجعون و حسبنا ربنا المولیٰ تعالیٰ و نعم الوکیل۔ یہی وجوہ تاخیر جواب کے ہوئے۔ رسالہ مؤذن الاوقات کی طبع واشاعت کا سامان کر رہا ہوں۔ مولیٰ عزوجل جلد از جلد پورا فرمائے۔ آمین!

رویت ہلال والافتویٰ میں نے کارڈ پر خانقاہ عمادیہ روانہ کر دیا تھا اور حضرت خال محترم مدظلہم الاقدس سے دریافت پر بھی معلوم ہوا کہ اونہوں نے بھی وہیں روانہ فرما دیا اور اب غالباً رسالہ "اہل سنت کی آواز" میں مطبوع بھی پہنچا ہو۔

قمری تاریخیں معلوم کرنے کا کوئی قاعدہ شاید آپ نے کسی موذن الاوقات میں عرصہ ہوا طبع فرمایا تھا۔ تکلیف نہ ہو تو نقل فرما کر روانہ فرما دیجئے۔ والسلام مع الاکرام

فقیر قادری۔ آل مصطفےٰ نوری

حضرت سید العلما کے پہلے مکتوب میں آپ کی علالت کی اطلاع تھی جو

حضرت ملک العلما کے لیے باعث تشویش ثابت ہوئی۔ آپ نے فوراً حضرت سید العلما کی خدمت بابرکت میں عیادت نامہ ارسال فرمایا۔ حضرت سید العلما جوابی مکتوب میں رقم طراز ہیں:

بمبئی ۹ مسجد کھڑک ۴۴ ۹۲/۷۸۶

ملک العلما حضرت مولانا المحترم زید مجدہم السامی! عید مبارک

السلام علیکم ورحمۃُ وبرکاتہٗ!

آج بعد انتظار گرامی نامہٗ جناب کاشف جواب ہوا۔ آپ کی کرم فرمائی کے لیے ہدیۂ امتنان ہے۔

فقیر کے پاؤں کا زخم ابھی مندمل نہیں ہوا جس کے باعث چلنا پھرنا ممنوع ہے، گوزخم بفضلہٖ تعالیٰ مائل بہ اندمال ضرور ہے۔ مولیٰ عزوجل سے جناب والا بھی دعا فرمادیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ فقیر خود بعد اندمال جراحت اٹڈکس مطلوب اور ہدیہ نذر فقیر جلد از جلد حاضر خدمت کرے گا۔

فقیر کے اوپر کرم فرمانے والے ایک صاحب ہیں جو پٹنے میں بھی کافی رہ چکے ہیں، نام تو ہاشم عبدالکریم ہے مگر آپ کے اطراف میں سیٹھ صاحب کے نام سے مشہور رہ چکے ہیں۔ یہ صاحب اکثر فقیر کے ساتھ ہم جلیس رہتے ہیں۔ جناب والا کے تذکرے پر معلوم ہوا کہ آپ سے بھی نیاز حاصل ہے۔ لہٰذا ابتا کیداً اپنا سلام مسنون آپ کو تحریر فرمانے کے لیے فرمائش کر گئے ہیں۔ اون کا سلام مسنون قبول فرمایئے۔ والسلام مع الاکرام۔

فقیر قادری، آل مصطفیٰ قادری

۱۲رذی الحجہ ۱۳۶۹ھ دوشنبہ مبارکہ

حضرت تاج العلما قدس سرہٗ کا حضرت ملک العلما سے سلسلہ خط وکتابت جاری رہا اور ان کے فیوض وبرکات بھی۔ کبھی کبھی غنا کے لیے اپنے خاص خاندانی اوراد بھی عنایت کیے، تسلی بھی دی اور سید میاں کی صحت یابی کی اطلاع بھی۔

حضرت تاج العلما تحریر فرماتے ہیں:

۷۸۶

۱-اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِ نَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ اَنْوَاعِ الرِّزْقِ وَ الْفُتُوْحَاتِ وَ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِ نَا محمدٍ وَ بَارِكْ وَ سَلِّمْ یَا بَاسِطُ الَّذِیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَاءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ اُبْسُطْ عَلَیَّ رِزْقاً وَ اسِعًا مُتَّسِعًا بِلَا مِحْنَةٍ وَ بِغَیْرِ مِنَّةِ خَلْقٍ بِحَقِّ یَا بَاسِطُ "

اس ورد کو دن رات میں کوئی وقت مناسب یکسوئی کا مقرر کر کے روزانہ اس طرح پڑھے کہ سات بار پڑھ کر قبلہ کی طرف، سات بار پس پشت، سات بار داہنے، سات بار بائیں، سات بار آسمان کی طرف اور سات بار خود اپنے اوپر اور سات بار زمین کی طرف دم کرے۔

۲-باوضو قبلہ رو اس طرح بیٹھے کہ داہنا پاؤں سیدھا کھڑا کر کے گھٹنے پر ٹھوڑی کو جمالے اور بایاں پاؤں بچھا رکھے اور پھر سو بار یہ ورد پڑھے: " سَهِّلْ بِفَضْلِكَ یَا عَزِیْزُ " اول آخر کم از کم ایک ایک بار درود شریف اور پھر اپنے مقصد کے لیے دعا مانگے۔ بعد مغرب یا بعد عشا یہ ورد جاری رکھے۔

۳-صبح و شام ایک ایک سو بار اور ہر نماز پنج گانہ کے بعد ۱۱/۱۱ بار سب میں اول آخر ایک ایک بار درود شریف۔ اس ورد پر مداومت کرے:

"اَللّٰهُمَّ اكْفِنِیْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَ اَغْنِنِیْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ"

۷۸۶ مکرمی مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری رضوی دام کرمکم!

وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہٗ!

بفضلہٖ تعالیٰ بخیر ہوں، آپ کے لیے طالب خیر۔ ۲۸؍ربیع الاول شریف کا لکھا کرم نامہ اول اور کل تین روپے کا منی آرڈر موصول ہوئے۔ میں اپنی دوسری کثیر مصر وفیتوں اور بیماری و کمزوری وغیرہا کے علاوہ آج کل ایک خاص شدید پریشانی قانون خاتمۂ زمینداری کی شورش کی، جس کی زد میری ظاہری ساری معاش پر خدانخواستہ ہے، بقدر استطاعت مدافعت میں مشغول رہا اور ہوں، اس لیے جواب میں دیر لگی۔

آپ کے لیے دعائے خیر بھی کرتا ہوں اور وسعت رزق کے تین اوراد جو مجربات خاندانی میں ہیں اور خود میں نے بھی اون پر عمل کیا اور بکرمہ تعالیٰ بہت کامیاب ہے، تحریر ہیں۔ یہ کثیر المنفعت، قلیل المشقت ہیں۔ تینوں پر ایک ساتھ یا فرصت نہ ہو تو کسی ایک یا دو پر عمل درآمد کیجیے۔ ان شاء المولیٰ تعالیٰ وسعت رزق اور دوسرے سب مقاصد

جائزہ حاصل اور آفات و مصائب دور ہوں گے۔

آل مصطفیٰ سلمہم بمبئی ہی میں ہیں اور اب بفضلہٖ تعالیٰ اون کا پاؤں ٹھیک ہے۔ اون کا پتہ یہ ہے: سید آل مصطفیٰ قادری۔ خطیب مسجد ۴۴ کھڑک بمبئی ۹

مارہرہ کے اوقات صوم وصلاۃ کا نقشہ جی چاہے تو روانہ فرمادیجئے مگر ''اہل سنت کی آواز'' جلد دوم کا بارہواں حصہ تو عرصہ کا چھپنے گیا ہوا ہے اور اب ۲۲ر جنوری کو اوس کے طیار ہو کر مل جانے کا وعدہ ہے۔ رہی جلد سوم تو میں نے بہت زیر باریوں اور شدید محنت سے دو جلدیں جیسے بنیں شائع کیں۔ اپنے بننے والوں میں بہت سے وہ ہیں جنہوں نے نہ صرف یہ کہ معاونت ہی نہیں کی بلکہ خود غرضیوں اور نفسانیت پر مبنی مزاحمتیں کیں۔ اپنا ارادہ تو یہی ہے کہ جہاں تک ہو رسالہ کو جاری رکھا جائے لیکن عالم اسباب میں اسباب بھی درکار ہیں۔ اس وقت جزماً نہیں کہہ سکتا کہ آئندہ اشاعت ہو اور کب ہو؟۔ جو ہمدردی آپ نے فرمائی اتنے دوسرے بھی ہمدرد ہوتے تو سہارا ملتا۔ آپ کی کرم فرمائی کہ پہلے ہی جلد سوم کے لیے عطیہ بھیج دیا۔ اب دعا کیجئے کہ آئندہ بھی اشاعت بہ خیر و خوبی جاری رہے اور سروسامان میسر ہو جائے تو نقشہ اوس میں ورنہ ماہ صیام سے قبل الگ ہی بقدر ضرورت چھاپ کر شائع کرنے کی کوشش کروں گا۔ آپ کے روپے بہ امانت جمع ہیں۔ خدانخواستہ رسالہ نہ شائع ہو سکا تو امید منقطع ہونے پر واپس کردوں گا۔

''حیات اعلیٰ حضرت'' قدس سرہٗ کی اشاعت کا کیا ہوا؟۔ اس سے اور اپنے پتہ سے مطلع فرمائیے۔ اگر اوس کی اشاعت نہ ہو تو کیا میرے لیے نقل کا انتظام ہو سکتا ہے؟

محمد میاں قادری

از مارہرہ ۱۱/۴/۰ ۱۳۷ھ شنبہ

حضرت ملک العلما نے اپنا رسالہ ''جامع الاقوال فی رویۃ الہلال'' (۱۳۵۷ھ) حضرت تاج العلما کی خدمت میں روانہ کیا اور ساتھ ہی ایک خط بھی تحریر کیا جس میں ''حیات اعلیٰ حضرت'' کی طباعت کے سامان بہم کرنے کی درخواست تھی۔ جوابی مکتوب میں حضرت تاج العلما تحریر فرماتے ہیں:

۷۸۶ مکرمی مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری رضوی زاد کرمکم!

وعلیکم السلام!

بفضلہٖ تعالیٰ آپ کے لیے عافیت دارین کی دعائیں کرتا بخیر ہوں۔ آپ کا فرستادہ رسالہ جامع الاقوال فی رویۃ الہلال اور پھر آپ کا کرم نامہ کارڈ موصول ہوئے۔ برخوردار حسن میاں سلمہم بریلی اور سیتاپور وغیرہ گئے ہوئے تھے، آج مع الخیر بفضلہٖ تعالیٰ واپس آئے تو یہ خط حاضر کررہا ہوں۔ آپ کی اس توجہ فرمائی کا منت پذیر ہوں۔ حیات اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز کے سلسلے میں ...... کی بے توجہی تحریر فرمائی وہ نہایت عجیب ہے۔ اور عام اہل سنت کی تو اس قسم کی خدمات میں جتنی دلچسپی ہے وہ ان کی عادت ہو چکی ہے۔ میں اس کے سوا کیا عرض کروں کہ مولیٰ تعالیٰ اسے بصحت وخیر و خوبی جلد شائع کرادے آمین بجاہ الحبیب الامین علیہ الصلاۃ والسلام وعلیٰ آلہ واصحابہ۔ مستقبل قریب میں اشاعت کی امید ہو ھوالمراد ورنہ مجھے کم از کم مکاتیب مقدسہ کی نقل ہی جو آپ کے نام ہیں کرادی جائے تو عین عنایت ہوگی۔ حسن میاں سلمہم کی طرف سے بھی سلام مسنون۔ محمد میاں قادری

از مارہرہ سہ شنبہ ۱۸/۱۸/۱/۷/۱۳ھ

عید الفطر کے موقع سے چاند کے سلسلے میں عوامی بے اعتدالیاں عرصۂ دراز سے عام ہیں۔ نادان اور کم علم صاحبان حکم شرع کے خلاف ریڈیو کی خبر پر عید منانے کے لیے بے جا مصر رہتے ہیں۔ امت مسلمہ کی صحیح راہنمائی کے لیے ملک العلما نے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے فتاویٰ کی روشنی میں ایک قیمتی رسالہ ترتیب دیا جو طباعت کے بعد مفت تقسیم کیا گیا۔ اس رسالے کا نام ہی تھا ''عید کا چاند'' یہ رسالہ جب حضرت تاج العلما کی خدمت میں پہنچا تو حضرت نے یہ مفاوضہ کریمہ تحریر فرمایا:

۷۸۶ مکرمی مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری رضوی زادکرمکم!

السلام علیکم!

بفضلہٖ تعالیٰ بخیر ہوں۔ آپ کے لیے دعاہائے خیر کرتا ہوں۔ پیکٹ ''عید کا چاند'' ۳ رعدد کا موصول ہوا۔ حسن میاں سلمہٗ کو یہیں دیدیا، آل مصطفیٰ سلمہٗ کو بمبئی بھیج دیا۔ ریڈیو وغیرہ امر شہادت میں شرعاً نامعتبر ہونے کے لیے جو مفید کوشش آپ نے کی

مولیٰ تعالیٰ اسے کامیاب فرمائے اور اہل سنت کو اس پر عمل کی توفیق دے۔ آمین بجاہ الحبیب الامین علیہ الصلاۃ والسلام وعلیٰ آلہ واصحابہ۔

آپ نے عرصہ ہوا مجھے ایک رسالہ جس کا نام غالباً ''جامع الاقوال'' ہے بھیجا تھا جس میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا فتویٰ دربارۂ اعتبار وعدم اعتبار اختلاف مطالع مطبوع ہے، وہ اس وقت میرے پاس سے کہیں گم ہے اور مجھے اوس کی بہت ضرورت ہے۔ اگر کوئی نسخہ اوس کا آپ کے پاس ہو تو براہ کرم وعنایت اُسے یا تو مجھے بیرنگ بھیج دیں اور قیمت سے مطلع فرمادیں تو حاضر کردوں گا یا قیمت اور محصول کا وی پی کردیں۔ اس بارے میں خصوصی توجہ فرمائیں۔

حیات اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ اگر مطبوع ہو چکی ہو تو جو قیمت اوس کی مقرر ہو مجھے وی پی کرادیں ورنہ صرف اوس میں جو مکتوبات اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ آپ کے نام ہیں اون کی نقل کا انتظام میرے لیے ہوسکتا ہو تو ضرور فرمادیں اور اس کے لیے جو اجرت دینا ہو اوس سے مطلع فرمائیں۔ میں حاضر کروں۔ اس خط کا جواب ضرور براہِ کرم دیجئے۔

محمد میاں قادری

از مارہرہ غرۂ شعبان ۱۳۷۱ھ شنبہ

حضرت سید العلما نے بھی بمبئی سے رسالہ مبارکہ ''جامع الاقوال'' طلب فرمایا حضرت سید میاں تحریر فرماتے ہیں:

۴۴ کھڑک بمبئی ۹ ۸۶/۹۲ ۷ سلخ ذیقعدۃ الحرام

ملک العلما حضرت مولانا المحترم زید مجدہم! السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہٗ!

مزاج گرامی!

خانقاہ ارزانیہ* سے ایک مجموعۂ فتاویٰ شائع ہوا تھا بنام ''جامع الاقوال''۔ جس میں حضور پرنور سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کا مبارک فتویٰ ''طرق اثبات الہلال'' بھی نقل کیا گیا ہے۔ براہ کرم اوس کی ۴ر جلدیں فقیر کے نام بذریعہ وی۔پی جلد از جلد روانہ فرمادیجئے۔ سخت ضرورت ہے۔ یہاں بعض علماء اہل سنت سے غیر رمضان وشوال میں اختلاف مطالع معتبر ہونے پر علامہ شامی علیہ الرحمۃ کی رائے پر

بحث ہے جبکہ سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ "والصحیح خلافہ" فرماتے ہیں۔ احباب اہل سنت کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے۔

جمعیۃ علمائے قدیم (اہل سنت) کی رویت ہلال کمیٹی کے حسب انتظام اب تک رویت ذی الحجہ کا شرعی ثبوت نہیں ہوا ہے۔ لہٰذا آج جمعہ کو ۳۰ ر ذیقعدہ ہی ہے۔ والسلام۔

فقیر مارہرہ، آل مصطفےٰ قادری برکاتی غفرلہ

جمعہ مبارکہ ۳۰/۱۱/۷۱/۱۳ھ

* خانقاہ شاہ ارزاں، واقع محلہ درگاہ پٹنہ مراد ہے۔ اس وقت سید شاہ حامد حسین حامد سجادہ نشین تھے۔ یہ خانقاہ گیارہویں صدی کے مشہور بزرگ حضرت شاہ ارزاں متوفی ۱۰۲۸ھ سے منسوب ہے۔ اس خانقاہ کے ایک فرد سید شاہ عاشق حسین جو ۱۳۸۷ھ میں مسند سجادگی پر بیٹھے، ملک العلما کے آخری عہد کے شاگرد تھے۔ حضرت ملک العلما کی آخری آرامگاہ بھی درگاہ شاہ ارزاں کے قریب واقع ہے۔

رمضان کے صوم وصلوٰۃ سے متعلق حضرت سید العلما کو بمبئی کا نقشہ مطلوب تھا۔ آپ نے حضرت ملک العلما کو ایک خط تحریر فرمایا۔ جوابی مکتوب میں ملک العلما نے وضاحت فرمائی کہ نقشہ بمبئی بھیجا جا چکا ہے۔ لیکن وہ حضرت سید العلما کو تلاش بسیار کے باوجود نہ مل سکا۔ اس لیے آپ کی دوبارہ پر اصرار فرمائش ہوئی:

سید آل مصطفےٰ قادری برکاتی	۷۸۶	۳ر شعبان المعظم روز
خطیب مسجد ۴۴ کھڑک بمبئی ۳		پنجشنبہ مطابق ۱۰ مئی ۱۹۵۱ء

مکرمی ومحترمی مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری رضوی مدظلہ العالی!

بعد ادائے آداب وتسلیمات کے عرض خدمت ہے کہ حضور والا کا نامۂ گرامی وصول ہوا اور حسب ارشاد عالی بمبئی میں نقشہ کی تلاش کی گئی لیکن دستیاب نہ ہوا۔ اب کئی روز ہوئے میں نے خط دہرا دون لکھا ہے اور وہاں سے نقشۂ مذکور منگوایا ہے لیکن اب تک کوئی جواب نہیں آیا۔ لہٰذا گذارش ہے کہ آپ صرف بمبئی (جزیرہ) کا نقشہ ماہ مبارک کے لیے بنا کر بھیج دیجئے اور آپ نے یہ بھی لکھا تھا کہ نقشہ تیار ہے۔ بنابریں امید ہے کہ آپ وہ نقشہ بہت جلد ارسال فرمائیں گے کیونکہ ماہ صیام بہت قریب آرہا ہے اور ہمیں

چھپوا کر شائع کرانے کے لیے کچھ مدت درکار ہے۔ لہٰذا جلد از جلد بھیج دیجئے گا۔ دیگر صوبۂ بمبئی کے لیے جو نقشہ درکار ہے وہ تو ہم کہیں سے بھی منگوا کر آپ کو روانہ کر دیں گے اور وہ تو بعد میں بھی ہو سکتا ہے مگر جزیرۂ بمبئی کے نقشے کی تو سخت ضرورت ہے ورنہ سحری اور افطار کے وقت جو تکلیف ہو گی وہ تو اظہر من الشمس ہے۔

بس! یہاں سب خیریت سے ہیں اور آنجناب کی خیریت خداوند کریم سے نیک مطلوب فقط۔'' (راقم اسمٰعیل محمد شاگرد مولانا موصوف)

''حیات اعلیٰ حضرت'' کی طباعت کا انتظام ہو جانے کے بعد ملک العلما نے حضرت تاج العلما کی خدمت بابرکت میں یہ مسرت بخش اطلاع حاضر کی، ساتھ ہی کچھ اوراد مسنونہ کی اجازت اور اپنی کتاب ''تنویر المصباح للقیام عند حی علی الفلاح'' پر آپ کی اور حضرت سید العلما کے توسط سے دیگر علمائے اہل سنت کی تصدیقات حاصل کرنے کی درخواست بھی پیش کی جس کے جواب میں یہ مفاوضۂ کریمہ تحریر ہوا:

۷۸۶

مکرمی مولوی ظفر الدین صاحب قادری رضوی دام کرمکم!

وعلیکم السلام ورحمۃ المولیٰ تعالیٰ وبرکاتہٗ!

کرم نامہ مسرت بخش ہوا۔ حیات اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی ان شاء المولیٰ تعالیٰ ذیقعدہ تک چھپ جانے کی خبر خوش نہایت مسرت خیز ہوئی۔ مولیٰ تعالیٰ اوس کی سب جلدیں بہ حسن وخوبی وصحت تمام طبع جلد تر کرادے اور اون کی اشاعت ہم مسلمانان اہل سنت کے لیے دارین میں نافع اور مفید فرمائے۔ آمین بجاہ الحبیب الامین علیہ الصلاۃ والسلام وعلی آلہ واصحابہ۔ مطلع فرمایئے تو جلد اول کا ہدیہ پیشگی حاضر کروں یا میرے نام وی پی کرادیں۔ بعد اشاعت و معائنہ میں حتی الوسع مزید اشاعت کی بھی کوشش کروں گا۔

سورت یٰس شریف وغیرہ کے ورد کی ترکیب معہ اجازت ان شاء المولیٰ بعد عید الفطر جلد حاضر کردوں گا۔ آپ کے فتویٰ متعلق بہ ''حی علی الفلاح'' پر بمبئی میں علمائے اہل سنت سے مزید تصدیقات حاصل کرنے کے لیے میں نے آل مصطفیٰ سلمہم کو

اس لیے نہیں لکھا کہ وہاں سنی کہلانے والے مولوی میری نظر میں دو تین ... ہیں اور میں ان سے کسی مسئلے میں اب رجوع سے حتی الوسع دور رہنا چاہتا ہوں ...... ان کے علاوہ کوئی سنی مولوی پیش نظر آئے تو اون کے لیے ان شاء المولیٰ تعالیٰ عنقریب لکھ دوگا۔

محمد میاں قادری

از مارہرہ ۲۷ رماہ صیام مبارک ۱۳۷۱ھ

حضرت ملک العلما نے ادب اور اخلاص کا خاص حصہ پایا تھا۔ اپنے بڑوں کی بارگاہ میں وہ حد درجہ محتاط اور سراپا احترام رہا کرتے۔ ''بدلتے موسموں'' کا آپ پر کوئی اثر نہ ہوتا اور نہ وہ بزرگی کی ''خانوں'' میں تقسیم کے قائل تھے۔

حضرت تاج العلما قدس سرہٗ ذاتی فضلیت اور کمالاتی جامعیت کے ساتھ ساتھ خاندان رسالت کی سچی نسبت اور آستانہ برکاتیت کی ذمہ دارانہ قیادت بھی رکھتے تھے۔ آپ کا خاندان اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ کا مرکز عقیدت تھا اور ایسا کہ اعلیٰ حضرت نے زندگی بھر صرف اپنے آقاؤں کے گن گائے اور کسی اور سمت ایک نگاہ التفات کے بھی روادار نہ ہوئے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے چہیتے حضرت ملک العلما بھی آستانہ برکاتیت سے غایت درجہ عقیدت رکھتے تھے اور عقیدتوں کی یہ تاب ہمہ دم دمکتی رہی۔ ادب واحترام کی خوشبوؤں میں بسے ہوئے ایک مکتوب میں آپ نے ایک بار پھر حضرت تاج العلما سے ''حیات اعلیٰ حضرت'' پر نگاہ اصلاح ڈال دینے کی درخواست پیش کی۔ اس کے جواب میں حضرت نے یہ شفیقانہ مفاوضہ تحریر فرمایا:

۷۸۶ محترم المقام مکرمی المحترم مولوی محمد ظفر الدین صاحب رضوی ادام بالکرم!

وعلیکم السلام والرحمۃ والعافیۃ!

کل کی شب میں ہی طویل کئی ماہ کے سفر بمبئی و پونا وغیرہ کے بعد حاضر خانقاہ قدسیہ برکاتیہ ہوا اور کل کے ہی دن میں کرم نامہ جس پر تاریخ ۱۰ رذیقعدۃ الحرام جمعہ ہے، موصول ہوا۔ آجکل رضویان اعاظم کے یہاں مجھے ایسے ہیچ میرز کے معروضات مخلصانہ کی جیسی پذیرائی ہے اوسے دیکھتے ہوئے آپ نے جو کرم فرمائی اس کرم نامہ میں برتی وہ آپ کے ہی ساتھ مخصوص اور فقیر اوس کا شکر گذار اور بہر حال آپ کے لیے

عافیت دارین کا دعا گو ہے۔

''حیات اعلیٰ حضرت'' (قدس سرہٗ) کا جو مسودہ میرے پاس آیا، اوس سے یہ مطبوع بہت غیر ہے اور مولوی سید شمس الضحیٰ صاحب نے مجھ سے کراچی میں کہا بھی تھا کہ کاپیاں لکھی جانے کے بعد بھی طبع ''حیات'' میں وجوہ تعویق میں سے ایک یہ ہے کہ اوس میں ردو بدل وترمیم وتغیر وہاں کے ارباب بست وکشاد نشر وطبع کر رہے ہیں۔ اور مجھے تو میرے پیشگی عرض کر دینے کے باوجود کہ کاہلی کے علاوہ تنہا اور بیمار اور کثرت کارو افکار میں گرفتار ہوں۔ پوری کتاب ایک سرسری نظر سے دیکھنے میں بھی بہت کافی وقت لگے گا۔ آپ نے وقت بہت کم دیا اور جلد واپسی بامید طبع آپ نے چاہی اور میں نے تعمیل کی۔ اَلْمَاضِیُ لَایُذْکَرُ۔ میں نے تو مناسب اور بے خطر یہی جانا تھا کہ آپ خود ہی اصلاح ضروری فرمائیں۔ اب آپ کی فرمائش کے مطابق میں ہی اصلاح وترمیم اپنی فہم ناقص وقاصر کے موافق حاضر کروں گا مگر ۸/-۹/ ماہ کے مسلسل سفر کے بعد کام پچھلا بکثرت ہے اور روزمرہ کا کثیر الگ۔ لہٰذا نہیں کہہ سکتا کہ کب تک حاضر کر پاؤں گا۔ حتی الوسع جلد ان شاء المولیٰ تعالیٰ پیش کروں گا۔

میں تو صحیح اور سچے اسلام وسنیت سے استقامت کو کوئی جداگانہ چیز نہیں جانتا اور پھر یہ بھی مشاہدہ ہے، آجکل جو کم علم اور جاہل کہے جاتے ہیں وہی اسلام وسنیت میں اون سے بہت زیادہ استقامت رکھتے ہیں جو تحصیل علوم کے مدعی اور رسمی مولوی فاضل ہیں اور بہر حال علم آلہ ہے اور اسلام وسنیت مقصد اور اسلام وسنیت خیر محض ہے برخلاف علم کہ اَضَلَّہُ اللّٰہُ عَلٰی عِلْمٍ (اللہ تعالیٰ نے اسے ذی علم ہونے کے باوجود گمراہ کیا) حق ارشادِ حق تعالیٰ ہے۔ میں نے اس سلسلہ میں جو عرض کیا تھا وہ یہی ملحوظ رکھ کر۔

فقیر اولادِ رسول سید محمد میاں قادری برکاتی قاسمی غفرلہ

از خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ ۱۸/۱۱/۱۳۸۷ھ - شنبہ

حضرت تاج العلما اور سید العلما قدس سرہما کے ان گرامی مکاتیب کے مطالعے سے درج ذیل چند خصوصیات خوب واضح ہیں:

☆ یہ حضرات بہت منضبط اوقات رکھتے تھے اور خطوط کا جواب بہر صورت نہایت پابندی سے دیا کرتے حالانکہ تاج العلما اکثر وبیشتر علیل رہا کرتے۔ آپ کو ضیق النفس

آپ اپنی ذمہ داریوں سے غفلت نہ برتتے۔

اس راہ میں حضرت تاج العلما کا تعاون درج ذیل حضرات خصوصی طور سے فرماتے:

۱- احسن العلما، افضل الاصفیا سید شاہ مصطفےٰ حیدر حسن قادری برکاتی خواہرزادۂ تاج العلما قدس سرہما- مارہرہ مطہرہ

۲- منشی سعید الدین مرحوم- مارہرہ مطہرہ

۳- منشی ایوب علی مرحوم- مختار عام حضرت تاج العلماء مارہرہ مطہرہ

۴- حافظ ظہیر الدین قادری برکاتی، ایڈیٹر ماہنامہ استقامت، کانپور۔

مذکورہ بالا مکاتیب میں اکثر و بیشتر حضرت احسن العلما کے دست مبارک کے تحریر فرمودہ ہیں۔ چند خطوط خود بنفس نفیس حضرت تاج العلما نے بھی تحریر فرمائے اور ایک خط حافظ ظہیر الدین صاحب نے بھی اپنے قلم سے املا کیا ہے۔

☆ دوم، ان خطوط سے حضرت تاج العلما اور سید العلما کی تواضع، للّٰہیت، حق گوئی، حق پسندی، مصلحت کوشی سے گریز، رضائے الٰہی کی طلب، صاحبان علم وفضل کا اعزاز اور دیگر ہمدردانہ جذبات کا بھی علم ہوتا ہے۔ ان حضرات نے ملک العلما کو جس اعزازی طرز سے خطاب فرمایا، مشکلات میں جیسی ممکنہ دستگیری فرمائی، اپنی مخلصانہ دعاؤں سے نوازا اور مناسب مشورے دیئے ان سے آپ حضرات کی اعلیٰ ظرفی اور کریمانہ اخلاق کے روشن ثبوت فراہم ہوتے ہیں۔

☆ سوم، ان تحریروں سے حضرت ملک العلما کی ادب شناسی، خلوص ووفا، علمی مراتب خصوصاً علم توقیت میں آپ کی مہارت اور مرجعیت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ سے والہانہ عقیدت اور ان کے قبلۂ عقیدت خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے بزرگوں سے والہانہ محبت کی آئینہ داری بھی ہوتی ہے۔

ملک العلما اور علمائے شہسرام

حضرت ملک العلما سید محمد ظفر الدین قادری رضوی بن ملک سید عبدالرزاق قدس سرہما، حضرت سید ابراہیم بن سید ابو بکر غزنوی قدس سرہ کی نسل سے ہیں جنہیں مدار الملک اور ملک بیا کہا جاتا ہے۔ حضرت مدار الملک سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے ساتویں پشت میں ہیں۔ سلطان فیروز شاہ کے عہد سلطنت (۷۵۲ھ۔۷۹۰ھ) میں وارد ہندوستان ہوئے۔ جبلی شجاعت سپہ گری کے شعبہ میں لے آئی، قلعہ رہتاس کی جنگ میں شہید ہوئے اور بہار شریف حضرت مخدوم الملک شیخ شرف الدین یحیٰ منیری قدس سرہ کے جوار میں ایک بلند پہاڑی پر تدفین ہوئی۔ بے پناہ شجاعتوں کے مظاہروں اور عسکری صلاحیتوں کی بنیاد پر دربار شاہی سے ملک کا خطاب عطا ہوا جو آپ کی نسل سادات کی علامت بن گیا، حضرت ملک العلما قدس سرہ آپ کی تیسویں پشت کے بزرگ ہیں۔

حضرت ملک العلما (ولادت ۱۰ محرم الحرام ۱۳۰۳ھ/ ۱۹/ اکتوبر ۱۸۸۰ء) کے ابتدائی نام عبدالعلیم، غلام حیدر اور مختار احمد تھے لیکن پھر ظفیر الدین پر اہل خاندان کا اتفاق ہوا اور بارگاہ اعلیٰ حضرت میں پہنچنے کے بعد ظفر الدین سے تبدیل ہو گیا۔ اسی نام سے شہرت پائی، ابوالبرکات کنیت اور ملک العلما لقب تھا۔

۱۳۰۷ھ چار سال کی عمر میں آپ کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا اور بائیس سال کی عمر (۱۳۲۵ھ) میں سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے زیر عاطفت رسمی تعلیم مکمل ہوئی۔ حضرت مخدوم شاہ التفات احمد قدس سرہ سجادہ نشین خانقاہ ردولی شریف نے دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف میں دستار فضیلت زیب سر کی اور تدریس وافتا کی سند مرحمت فرمائی۔ اس اٹھارہ سالہ مدت تعلیم میں آپ نے مختلف مدارس میں رہ کر متعدد جید اساتذہ سے اکتساب فیض کیا۔ بالترتیب ابتدا تا انتہا، اساتذہ کی صف میں یہ حضرات آتے ہیں۔

۱۔ شاہ چاند صاحب جنہوں نے رسم بسملہ خوانی ادا کرائی۔ ۲۔ والد ماجد ملک عبد الرزاق۔ ۳۔ حافظ مخدوم اشرف۔ ۴۔ مولوی کبیر الدین۔ ۵۔ مولوی عبداللطیف۔ ۶۔ مولانا شیخ محی الدین اشرف۔ ۷۔ مولانا شیخ بدر الدین اشرف۔ ۸۔ مولانا مہدی حسن سیجروی۔ ۹۔ حافظ محمد اسماعیل بہار شریف۔ ۱۰۔ مولانا فخر الدین حیدر۔ ۱۱۔ مولانا محمد

میجردی۔ ۹۔ حافظ محمد اسماعیل بہار شریف۔ ۱۰۔ مولانا فخر الدین حیدر۔ ۱۱۔ مولانا محمد منعم۔ ۱۲۔ منشی اکرام الحق۔ ۱۳۔ مولانا معین ازہر۔ ۱۴۔ مولانا حکیم محمد ابراہیم اعظمی۔ ۱۵۔ محدث سورتی حضرت مولانا شاہ محمد وصی احمد پیلی بھیتی۔ ۱۶۔ مولانا قاضی عبدالرزاق۔ ۱۷۔ استاد زمن مولانا احمد حسن کانپوری۔ ۱۸۔ مولانا شاہ عبداللہ پنجابی۔ ۱۹۔ مولوی غلام یٰسین دیوبندی۔ یہ سنی بن کر بریلی کے مدرسہ مصباح التہذیب میں درس دے رہے تھے۔ ملک العلماء ان کے حلقۂ درس میں پہنچے تو ان کی وہابیت آشکار ہوئی۔ ۲۰۔ امام اہل سنت مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی۔ ۲۱۔ مولانا حکیم محمد امیر اللہ شاہ بریلوی۔ ۲۲۔ علامہ حامد حسن رامپوری۔ ۲۳۔ علامہ سید بشیر احمد علی گڑھ وغیرہ وغیرہ۔ ان میں مولوی غلام یٰسین کے علاوہ بھی اساتذہ کرام متصلب سنی تھے قدست اسرارہم۔

حضرت ملک العلمانے ان اساتذہ کرام سے علی الترتیب اپنے گاؤں میجرہ، بین، پٹنہ، کانپور، پیلی بھیت اور بریلی شریف میں مدرسہ غوثیہ حنفیہ، مدرسہ حنفیہ، امداد العلوم، احسن المدارس، دارالعلوم، مدرسۃ الحدیث اور منظر اسلام میں رہ کر استفادۂ علوم وفنون فرمایا۔

تحصیل علم کے بعد آپ نے پچپن سال تک مسلسل تدریس کا سلسلہ قائم رکھا اور منظر اسلام بریلی شریف، مدرسہ حنفیہ آرہ، خانقاہ کبیریہ شہسرام، شمس الہدیٰ پٹنہ اور جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار میں رہ کر ہزاروں تشنگان فن کو اپنے علم فیوض سے سیراب کیا۔ اسی دوران افتا، تصنیف، تقریر، امامت اور مناظرہ کا بھی سلسلہ جاری رہا۔ یوں آپ کی پوری حیات مبارکہ پاکیزہ دینی مشاغل کے ہم ہمہ خیز حالات میں مصروف گزری۔

نالندہ سے قرب کی بنا پر شہسرام کی تاریخی اور علمی سرزمین سے ملک العلماء کا تعلق خاطر بہت پہلے سے تھا لیکن یہ رشتہ اس وقت اور گہرا ہوگیا جب آپ شاہ ملیح الدین کبیری علیہ الرحمہ سجادہ نشین خانقاہ کبیریہ شہسرام کی خواہش پر مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ سے منتقل ہو کر شہسرام آگئے۔ حضرت ملک العلما کے عزیز شاگرد مولانا محمد محمود احمد قادری مصنف تذکرۂ علمائے اہل سنت اپنے ایک مقالہ ''ملک العلماء اور خدمت حدیث'' میں اس تقریب انتقال کی روداد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت سید شاہ ملیح الدین کبیری سجادہ نشین رحمۃ اللہ علیہ، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے مخلصوں میں تھے۔ حضرت مولانا شاہ حفیظ الدین مرحوم رحمٰن پوری صدر مدرس

کے انتقال کے بعد سجادہ نشین نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو خط لکھ کر ملک العلما کو اپنے یہاں بلا لینے کی اجازت حاصل کر لی۔ اس مرحلہ کے بعد حضرت سجادہ نشین نے حضرت الاستاذ کو شہسرام آنے کی دعوت دی اور اعلی حضرت کی اجازت کا بھی تذکرہ کر دیا۔ چنانچہ ۱۳۳۳ھ) کے آخر میں آغاز سال پر ملک العلما شہسرام تشریف لے گئے۔ یہاں ایک طویل مدت تک ان کا قیام رہا اور وہ تدریس کے ساتھ وعظ و تبلیغ اور تصنیف کا کام بھی پورے انہماک و توجہ سے کرتے رہے۔ اور اپنے اعتقادی مخالف علما سے مناظرے بھی۔‘‘

(ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور، جولائی ۱۹۷۷ء، ص ۲۰)

جب ملک العلما قدس سرہ شہسرام پہنچے تو اس وقت خانقاہ کبیریہ میں جید علمائے کرام تدریسی خدمات پر مامور تھے۔ ان کی نشاندہی صاحبزادہ ڈاکٹر مختار الدین آرزو صاحب، نے ان لفظوں میں کی ہے:

۱۳۳۴ھ/۱۹۱۲ء میں سید شاہ ملیح الدین احمد سجادہ نشین خانقاہ کبیریہ کی فرمائش پر وہ صدر مدرس ہو کر شہسرام ضلع شاہ آباد بہار چلے گئے جہاں وہ پانچ چھ سال مقیم رہے۔ وہاں ان کے رفقائے مدرسہ میں مولانا سید ابوالحسن خوشدل شہسرامی (۱۸۶۱ء۔۱۹۳۵ء) مولانا رحم الٰہی مظفر نگری (م ۱۳۶۳ھ) مولوی سید غیاث الدین چشتی ابو العلائی نظامی رجھتی کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ مولانا سید محمد موسیٰ رضا کاکوی بھی اس زمانے میں وہاں درس دے رہے تھے۔ وہ وہاں مدرس سوم تھے۔ (حیات ملک العلما، ص ۱۴)

ممکنہ وسائل سے تلاش و جستجو کے بعد جو تفصیلات دستیاب ہو سکیں ان کے مطابق ملک العلما کے علمائے شہسرام سے رابطے کی مختصر روداد شہسرامی احباب کے گرامی مکاتیب اور آپ کی ان تصانیف کا مختصر تعارف پیش کرتا ہوں جو شہسرام میں رقم ہوئیں۔

حضرت ملک العلماء قدس سرہ ۱۳۳۴ھ میں شہسرام تشریف لائے اور ۱۳۳۹ھ کے آغاز میں پٹنہ تشریف لے گئے۔ اس زمانے میں شہسرام جید علماء سے بھرا پڑا تھا۔

☆ طوطی ہند حافظ الحدیث حضرت علامہ محمد قادر بخش شہسرامی (م ۱۳۳۷ھ) جن کے علمی رعب داب کو عالم عرب نے محسوس کیا اور آپ کے علمی کمالات کی دل کھول کر داد دی۔

☆ حضرت مولانا سید ابوالحسن خوش دل شہسرامی (م ۱۹۳۵ء) جن کی علمیت اور تاریخ گوئی کی شہرت کا آوازہ ان کے تمام ہم عصروں میں گونج رہا تھا۔

☆ حضرت مولانا سید غیاث الدین چشتی رضوی (م ۱۳۸۵ھ) جنہیں شرف تلمذ اور دینی کمالات کی بنا پر بارگاہ رضا سے خصوصی تعلق حاصل تھا۔

☆ حضرت مولانا سید شاہ عبدالغنی شہسرامی قدس سرہ۔ ایک جامع علوم وفنون شخصیت جن کے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ جیسی عبقری شخصیت سے گہرے دینی اور علمی روابط تھے۔

☆ حضرت مولانا سید ملیح الدین کبیری سجادہ نشین خانقاہ کبیریہ شہسرام

☆ حضرت مولانا نجم الدین شہسرامی

☆ حضرت مولانا سید اظہار حسین شہسرامی

☆ حضرت مولانا سید موسیٰ رضا کاکوی شہسرامی

☆ حضرت مولانا سید وصی احمد قادری شہسرامی

☆ حضرت مولانا سید غلام مخدوم مست شہسرامی

☆ حضرت مولانا ابوصالح ظہیر الدین احمد فریدی صدر آل انڈیا بزم حنفی

☆ حضرت مولانا حکیم محمد یحیٰی شہسرامی مدر خانقاہ کبیریہ وغیرہ وغیرہ

☆ حضرت مولانا فرخند علی شہسرامی مدرس خانقاہ کبیریہ

☆ حضرت مولانا محمد فہیم الدین شہسرامی مدرس خانقاہ کبیریہ

مذکورہ بالا تمام علمائے کرام سے حضرت ملک العلما قدس سرہ کے علمی اور دینی رابطے تھے۔ اب ان ذوی الاحترام علما کے تعارف کے ساتھ اس رابطہ کی کیفیات پیش کی جاتی ہیں۔

☆ طوطی ہند حافظ الحدیث حضرت مولانا قادر بخش شہسرامی قدس سرہ

(۱۲۷۳ھ -- ۱۳۳۷ھ)

۱۳۳۴ھ میں حضرت ملک العلماء جب شہسرام تشریف لائے تو حضرت حافظ الحدیث زندگی کے اخیر مراحل طے کر رہے تھے۔ حضرت ملک العلما آپ کے بے پناہ علم و فضل، ظاہری اور باطنی کمالات، عشق رسول، تصلب فی الدین، پابندیٔ شریعت، حمایت سنت جیسے اوصاف کریمانہ سے بے حد متاثر ہوئے۔

حافظ حدیث علامہ محمد قادر بخش شہسرامی علیہ الرحمہ ۱۲۷۳ھ میں محلہ بارہ شہسرام

میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد مولانا حکیم الحاج حسن علی عالی مرتبت عالم دین اور صاحب تصنیف بزرگ تھے۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد سے پائی پھر مولانا سید شاہ احمد حسین سمروی سے مدرسہ خانقاہ کبیریہ میں متوسطات کا خصوصی درس لیا۔ ان کے علاوہ قاضی حکیم نور الحسین سے شیر گھاٹی میں، مولانا سید معین الدین کاظمی سے مرزاپور میں، ابوالحسنات مولانا حکیم محمد عبدالحی فرنگی محلی اور مولانا نعیم الدین لکھنوی سے لکھنو میں تحصیل علم کی۔ شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی سے سند حدیث حاصل کی۔ حرمین طیبین کی حاضری کے وقت مکہ معظمہ کے جلیل الشان محدث سید احمد دحلان مکی شافعی، شیخ عبدالرحمٰن ردولوی مہاجر مکی سے قرآن و حدیث کی سندیں لیں۔ سلسلۂ چشتیہ نظامیہ فخریہ میں شیخ عصر شاہ عبد اللطیف ستھنی (سلطانپور) سے بیعت ہوئے اور اجازت وخلافت سے بھی نوازے گئے۔ حضرت کے مرشد گرامی شاہ عبداللطیف نے بہت طویل عمر پائی۔ ۱۳۳ سال کی عمر میں ۱۳۴۰ھ میں واصل بحق ہوئے اور ستھن میں ہی تدفین ہوئی۔

حضرت حافظ الحدیث قدس سرہ ایک کثیر الجہات جامع ترین شخصیت تھے۔ بہترین عالم دین، بے بدل مفسر قرآن، منفرد حافظ الحدیث، وعظ وتذکیر کے بے مثل بادشاہ، مدبر فقیہ، نکتہ سنج جلیس، نغز گو شاعر، ماہر طبیب، فاضل مصنف اور صحیح معنوں میں پاک باطن مرشد کامل تھے۔ حضرت مولانا عبدالکافی صاحب الہٰ آبادی قدس سرہ فرمایا کرتے تھے:

"اگر کوئی ان سے (اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے) ایک مسئلہ پوچھتا تھا تو حوالہ میں دس کتابوں کی عبارت زبانی پڑھ دیتے تھے اور مولوی قادر بخش صاحب شہسرامی رحمۃ اللہ علیہ سے اگر کوئی ایک آیت کی تفسیر پوچھتا تو وہ دس تفسیروں کی عبارت زبانی پڑھ دیا کرتے تھے۔" (تحریر مشافی در مسلک کافی ص ۴۲)

آپ کے تعلق سے اجنہ کی تعلیم وتربیت اور امامت کی روایتیں شہسرام کے بڑے بوڑھوں میں عام ہیں۔ اہل سنت کے حق گو، بے باک ترجمان تھے۔ سنیت کے ساتھ گہری وابستگی اور اس کی تبلیغ واشاعت آپ کی پہچان تھی۔ آپ نے اپنے روزنامچہ میں ہر اجلاس کی شرکت کو میلاد شریف سے یاد کیا ہے۔ آپ کی تقریروں میں کتاب وسنت کے حوالے سے اہل سنت کے معتقدات کی شاندار تائید اور بدمذہبوں کے باطل نظریات کا

سنجیدہ رد ضرور ہوتا۔ عارفانہ تشریحات مثنوی مولانا روم کی روشنی میں فرماتے۔ ابو محمد مصلح شہسرامی مورخ شہسرام کے لفظوں میں:

"اثنائے وعظ میں حدیث شریف اس کثرت سے پڑھتے تھے کہ علمانے آپ کو حافظ الحدیث کا خطاب دے رکھا تھا۔ جا بجا مثنوی شریف کے اشعار اور بھی دلچسپی پر اضافہ کرتے تھے۔ بیان کا ربط اور موقع کی چیزیں، برجستگی سب کچھ خدا نے دے رکھا تھا۔

(تاریخ شہسرام ص ۱۱۷)

ملک العلما، حضرت حافظ الحدیث کے علمی رسوخ، طہارت باطن اور دین تصلب سے بہت متاثر تھے۔ چنانچہ خود آپ نے ان کی دینی پختگی کی مظہر ایک روایت اپنی تصنیف مظہر المناقب معروف بہ حیات اعلیٰ حضرت میں ذکر کی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

"مولانا مولوی قادر بخش صاحب شہسرامی جو ایک بہت بڑے مشہور عالم اور زبردست واعظ تھے، ایک مرتبہ بسلسلۂ وعظ موضع رجہت ضلع گیا تشریف لے گئے۔ یہ بستی سادات کرام کی ہے اور اس بستی کے لوگ سجادہ نشینان شہسرام کے رشتہ دار ہیں۔ وعظ کے بعد کھانا کھانے کے لئے بیٹھے تو کسی نے پوچھا کہ مولانا سنی اور وھابی کی کیا پہچان ہے؟ ایسی بات بتائیے جس کو ہم لوگ کر سکیں اور اس کے ذریعہ سنی وہابی کو پہچان سکیں، کوئی بڑی علمی بات نہ ہو۔ انہوں نے فرمایا: ایسا آسان اور کھرا قاعدہ آپ لوگوں کو بتا دیتا ہوں کہ اس سے اچھا ملنا مشکل ہے، آپ جب کسی کے بارے میں مشتبہ ہوں کہ سنی ہے یا وہابی بدمذہب تو اس کے سامنے مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا تذکرہ چھیڑ دیجئے اور اس کے چہرے کو بغور دیکھئے۔ اگر چہرہ پر بشاشت اور خوشی کے آثار دیکھئے تو یقین جانیئے کہ سنی ہے اور اگر چہرہ پر پژمردگی اور کدورت دیکھئے تو سمجھئے کہ وھابی ہے اور اگر وھابی نہیں جب بھی اس میں کسی قسم کی بے دینی ضرور ہے۔ اس زمانے میں لا یحبه الا مومن ولا یبغضه الا منافق (ان سے محبت وہی رکھے گا جو مومن ہوگا اور بغض وہی رکھے گا جو منافق ہوگا) میں یہ ضمیریں مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی طرف پھرتی ہیں۔

(حیات اعلیٰ حضرت، قدیم ایڈیشن، جلد اول ص ۶۲، ۶۳)

حضرت مولانا قادر بخش صاحب پاک باطن درویش اور کثیر فرزندان توحید کے مرشد تھے۔ بے حد ملنسار، متواضع اور خلیق۔ طبیعت میں نفاست رچی بسی تھی، عمدہ لباس

پہنتے، پاکیزہ غذا لیتے، بہت ٹھنڈا پانی اور خوب گرم چائے پیتے۔ گرمی کے زمانے میں برف ہر وقت تیار رہتا۔ پانی کا کوئی گھونٹ برف سے خالی نہ ہوتا۔ قوت حافظہ بے مثل پائی تھی۔ کسی بھی کتاب کو یاد کرنے کی نیت سے ایک بار دیکھ لینا کافی ہوتا۔ آپ کے حیرت انگیز حافظے کے بہت سے واقعات منقول ہیں۔ بنارس کے دوران قیام لوگوں کے اصرار پر پورا قرآن حکیم رمضان مبارک میں یاد کر کے تراویح میں سنا دیا۔ بخاری شریف اور شروح بخاری کے صفحات کے صفحات نوک زبان پر تھے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ سے بے حد متاثر تھے۔ نواب کشن گنج، گھگوہ آپ کا بے حد معتقد تھا۔ آپ کے ایک وعظ سے متاثر ہو کر اس نے اپنے خرچ سے آپ کو حج بیت اللہ کے لئے روانہ کیا تھا۔

وعظ و درس کی مصروفیات کے باوجود آپ صاحب تصنیف بزرگ تھے۔ التقریر المعقول فی فضائل الصحابۃ و اہل بیت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ ۲۔ الاربعین فی اشاعۃ مراسم الدین۔ ۳۔ ضرب القادر علیٰ رقبۃ الواعظ الفاجر۔ ۴۔ رفع الارتیاب عن المفترین بشرف الانساب۔ ۵۔ غایۃ المقال فی رویۃ الہلال۔ ۶۔ تحفۃ الاتقیافی فضائل آل عبا۔ ۷۔ جور الاشقیا علی ریحانۃ سید الانبیا کا ذکر کئی تذکرہ نگاروں نے کیا ہے۔ آپ کی ساری تصانیف تحقیق و استناد کے اعلی معیار کو پورا کرتی ہیں۔ شعر و سخن سے بھی تعلق تھا لیکن واجبی سا عاصی تخلص فرماتے۔ آپ کا یہ مقطع کیفیت وصال کی سچی تصویر پیش کرتا ہے۔

یہ دعا عاصی کی ہے ایماں پہ ہوئے خاتمہ
جان نکلے نام لے کر سید ابرار کا

۱۲/رجب ۱۳۳۷ھ کو محو خرام فردوس بریں ہوئے۔ وصال کے بعد دو واضح کرامتیں ایک عالم نے ملاحظہ کیں۔ آپ کا وصال چیچک کے عارضے میں ہوا تھا۔ چیچک کے بڑے دانے پیسوں کی گولائی کے برابر پورے جسم پر پھیلے ہوئے تھے، لیکن ادھر روح پرواز ہوئی اور ادھر سارے دانے غائب۔ جسم بالکل صاف شفاف، ایک دانے کا بھی نشان نہ تھا۔ دوسری تبدیلی یہ ہوئی کہ وصال کے بعد آپ کی سفید داڑھی بالکل سیاہ ہو گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی نوجوان آرام فرما ہے۔

روضۂ شیر شاہ کی مشرقی سمت میں ایک احاطے کے اندر مزار مبارک اچھی حالت میں موجود ہے۔ آپ کے وصال پر کہرام مچ گیا۔ کثیر افراد نے تعزیتی قطعات لکھے۔

اخبارات ورسائل نے رپورٹیں شائع کیں۔بانی خیریہ مولانا فرخند علی فرحت سہسرامی علیہ الرحمہ نے بھی بہترین تاریخی قطعہ کہا جس کے دو شعر پیش ہیں۔

در سہ شنبہ دوازدہ رجب　　رفت از عالم فنا بر بست

فرحتِ زار بہر تاریخش　　گفت "مولانا سوئے جنت رفت" (۱۳۳۷ھ)

☆ حضرت مولانا سید ابوالحسن خوشدل بیدل سہسرامی علیہ الرحمہ

(۱۸۶۱ء۔۱۹۳۵ء)

حضرت بیدل سہسرامی بہترین فاضل، ذی استعداد عالم دین، ماہر تاریخ اور پر گو شاعر تھے۔آپ کے تاریخی قطعات سکۂ رائج الوقت کی طرح عام اور مقبول تھے۔مشہور مورخ مولانا رحمان علی خان نے بھی اپنی فارسی تصنیف تذکرہ علمائے ہند میں آپ کا ایک تاریخی قطعہ نقل کیا ہے۔جو دہلی کے معروف عالم مولانا عبدالرب صاحب کے سانحۂ ارتحال پر لکھا گیا۔مصنف لکھتے ہیں:

بے دل سہسرامی تاریخ وفاتش چنیں گفتہ۔قطعہ تاریخ۔

جناب مولوی عبدرب آں　　کہ وقت وعظ دل می شد شکارش

دریں ماہ محرم جاں بحق شد　　زہے رحمت کہ بارد بر مزارش

رقم زد سال رحلت کلک بیدلؔ　　درود ایزدی باد اشارش (۱۳۰۵)

حضرت مولانا سید ابوالحسن صاحب سہسرامی بیدلؔ اور خوشدلؔ دونوں تخلص فرماتے تھے لیکن اخیر میں چل کر بیدل کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔فقیر کی نگاہ سے آپ کے متعدد تاریخی قطعات گزرے ہیں جن میں بیدلؔ اور خوشدلؔ دونوں کا متفرق استعمال کیا گیا ہے ایک قطعہ انہوں نے جناب عشرت علی مرحوم (ولادت ۱۸۴۶ء ۔ وفات ۱۳۲۸ھ) کے بارے میں کہا ہے۔جن کا عرفی نام میاں جان تھا۔اس میں خوشدل تخلص ملتا ہے۔آپ لکھتے ہیں۔

شیخ عشرت علی پاک سرشت　　حیف در مرقد منور خفت

پیشکار عدالت او بودہ است　　اہل تقویٰ با شکار و نہفت

تا جہانے بزرگ او بید　　عالمے را دل از غمش اشفت

سال ہجرت کو خواستم خوشدلؔ　　روح پاکش ہوا الغفور بگفت (۱۳۲۸ھ)

حضرت ملک العلما قدس سرہ سے حضرت خوشدل کا رابطہ خانقاہ کبیریہ کے توسط

سے تھا۔ حضرت کے زمانۂ صدارت میں حضرت خوشدل خانقاہ میں تدریس کے باوقار فرائض انجام دے رہے تھے۔ حضرت ملک العلما کی شہسرام آمد آمد سے پہلے حضرت خوشدل ہی خانقاہ کبیریہ کے مدرس اول اور صدارت علمی کے منصب پر فائز تھے جیسا کہ مدرسہ خیریہ کی اس روداد (۱۳۳۲ھ) سے ظاہر ہوتا ہے۔ جس میں امتحانات کے تعلق سے آپ تاثرات شائع ہوئے:

''میں نے بتاریخ ۱۸/ شعبان ۱۳۳۱ھ مدرسہ خیریہ کو ملاحظہ کیا اور شرح سلم، ملا حسن ومیبذی وشرح عقائد نسفی، مختصر المعانی وسبعہ معلقہ کی جماعت کا امتحان لیا۔ طلبہ محنتی ہیں، مدرسین کی محنت وتعلیم اچھی ہے، جناب مولوی فرخند علی صاحب مدرس اول مدرسہ خیر یہ کی ہمت وسرگرمی بہر حال قابل تعریف ہے۔ فقط محمد ابوالحسن عفی عنہ مدرس اول عربی مدرسہ خانقاہ شہسرام ضلع شاہ آباد (روداد ص ۷۶)

لیکن حضرت ملک العلما قدس سرہ کے تشریف لانے کے بعد آپ مدرس دوم اور نائب ہو گئے اور صدارت علمی کی شہ نشین حضرت ملک العلماء کی خدمت میں پیش کی گئی۔ اس کا علم حضرت علامہ خوشدل شہسرامی قدس سرہٗ کے ان تصدیقی کلمات سے ہوتا ہے جو انہوں نے اعلی حضرت قدس سرہ کے رسالہ مبارکہ الدلائل القاہرۃ علی الکفرۃ النیاشرہ پر تحریر کئے۔ لاریب فیہ فلیتنافس المتنافسون وانا عبدہ محمد ابو الحسن الشہسرامی مدرس دوم مدرسہ عالیہ۔ المرقوم ۷/ فروری ۱۹۱۷ء

حضرت مولانا سید ابوالحسن خوشدل شہسرامی اپنے دور کے جید علما میں شمار ہوتے تھے۔ تاریخ گوئی میں تو اپنی نظیر آپ تھے۔ عربی، فارسی اور اردو زبان میں فی البدیہہ شعر کہتے۔ ہندوستان میں عربی شاعری'' کے مقالہ نگار ڈاکٹر حامد علی خان کو آپ کے ۳۵/ عربی اشعار دستیاب ہوئے۔ ناچیز کے پاس بھی آپ کے بیسیوں عربی، فارسی اور اردو قطعات محفوظ ہیں۔

حضرت خوشدل بہت باذوق، نفاست پسند اور صاحب تحقیق بزرگ تھے۔ شہسرام کے سربرآوردہ علما میں شمار تھا۔ تدریس، خطابت اور شاعری سے شغل رکھتے۔ آپ کی کسی تصنیف کا مجھے علم نہیں۔ ملک العلما جب شہسرام تشریف لائے تو آپ سے رابطے ہوئے۔ شہسرام سے پٹنہ منتقل ہونے کے بعد بھی یہ ربط برقرار رہا۔ حضرت خوشدل کے

صاحبزادے مولانا حکیم سید محمد ابن الحسن مظفر شہسرامی تھے، پروفیسر مختار الدین احمد نے ان کے صاحبزادے حکیم شرف الحق شہسرامی کو اپنے بچپن میں دیکھا تھا۔ ملک العلما کی فرمائش حضرت خوشدل نے عربی اور فارسی قطعات تحریر فرمائے۔ عربی اشعار ملک العلما کی کسی تصنیف پر ہیں اور فارسی قطعات کسی کنویں کی تعمیر مکمل ہونے کے موقع سے کہے گئے۔ مولانا کی تحریر بہت عمدہ ہوتی تھی بالکل موتیوں کی سی۔ خط بہت باریک تھا لیکن بالکل صاف۔ اب وہ دونوں قطعات دیکھئے:

تواریخ حسن (۱۳۳۵ھ)

تاریخ التصنیف من نتائج الا فکار فخرالا ماثل والا ماجد ذی المناصب والمحامد الورع الزاهد والباری الماجد الفاضل الكامل و العالم العامل المولوی محمد ابی الحسن المدرس الثانی فی المدرسته العالیته لازال محظوظا باطائب التهانی و محفوظا من شرحاسد و شانی

یا اولی الحق کیف جادلتم	انّ من شانکم هدایات
ماجریٰ بینکم فما قلتم	فیه مافیه من غوایات
ان تسبوا الکرام واا سفیٰ	ساء مایجتنی جنایات
لو نظرتم الیٰ فضائلهم	ما لقیتم بها عمایات
اذ غلبتم فحیث شاتمتم	انتهیتم الیٰ کنایات
لستم الا علیٰ شفا جرف	اذ فتنتم علیٰ سعایات
ان نصرتم فخصمکم خصم	لا یبالی بذی حمایات
فا تقوا الله و انظروا فیکم	لا تمیلوا الیٰ شکایات
مایضر لکم لئن تبتم	عن ریاء ورفع رایات
ان مولیٰ العلوم اولینا	ظفر الدین ذا درایات
سدّ باب الخصام والجدل	اذ وصّکم بدرك غایات
قال جدا و ماذا بالهزل	قد رویٰ الفصل عن روایات
ان فصل الخطاب یکفیکم	لیتَ تبقیٰ لکم عنایات

قلتُ تاریخه لوجه الله

ان هی ذالك .... (۱۳۳۵ھ)

کس کتاب پر یہ تقریظ لکھی گئی؟ اس کا تذکرہ نہ مسودے میں ہے اور نہ ہی مضامین سے اشارے ہوتے ہیں۔ افسوس ہے کہ آخری مصرع جو تاریخ پر مشتمل تھا کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے ناقص ہی رہ گیا۔

دوسرے فارسی قطعات ایک پوسٹ کارڈ پر لکھ گئے ہیں۔ خط کس قدر باریک ہے۔ اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اسے جب صاف لکھا گیا تو پورے فل اسکیپ صفحے پر پھیل گیا۔

چوں ظفیر الدین مولانا الکریم — جامع فضل و ادب، قدسی صفات
پختہ چاہے بست و آبش خوشگوار — سرد و شیریں، شربت تند و نبات
پس بسعی خویشتن مشکور شد — مولوی احسن رئیس پاک ذات
سال تعمیرش ز رائے ہمتش — ہست "شیریں چشمۂ آب حیات"

از لب ہاتف سنش دریافتم
گفت "شیریں چشمۂ آب حیات" (۱۳۴۵ھ)

سعی احسن مولوی احسن نمود — تا بہ بذل ہمتش با بذل مال
بست مولانا ظفیر الدین خوشا — پختہ چاہے منبع آب زلال
مصرع تاریخ خوشدل زد رقم — چشمۂ حیواں بلطف ذوالجلال (۱۳۴۵ھ)
آنکہ در دنیا و دیں آمد ظفر — ذات پاکش جامع فضل و کمال
سعی احسن ہمت فرخش کہ ساخت — پختہ چاہے منبع آب زلال
سال تعمیرش رقم زد خوش دلے — "چشمۂ حیوان بلطف ذوالجلال" (۱۳۴۵ھ)

☆☆☆

نوازندہ ہیچمداں مولانا المکرم — السلام علیکم ورحمۃ اللہ

میں آپ کی یاد فرمائی کا شکر گزار ہوں مگر حد درجہ نادم بھی ہوں کہ امتثال امر میں توقف ہوا بوجوہ چند۔ ۱۔ لڑکیوں کی شادی کی فکر میں ہوں اور آپ میری بے سروسامانی سے واقف ہیں پھر پریشانی خاطر کا کیا حال عرض کروں۔ ۲۔ ان دنوں ...... خاطر سے گویا ان کاموں کی ......صلاحیت ہے۔ ۳۔ آپ کا اسم مبارک ظفر بفتحتین نیک فال ہے اور ظفر لغۃً بالکل مکروہ۔ اگرچہ فارسی میں ضرورت شعری سے متحرک الاوسط کا ساکن کرنا صحیح مگر ہم کو نا

گوارا ہوا اور ظفیر الدین جیسا کہ اکثر سابقا اسی نام سے آپ معروف تھے، وہ ہر طرح مبارک فال اور نیک اثر ہے۔ مزید برآں اسی الجھن سے قطعہ لگانے میں توقف بھی ہوا اور دوسرا مادہ جس میں نام صحیح موزوں ہو، بخدا اس وقت نہ نکل سکا۔ ولعل الله یحدث بعد ذلك امرا۔ ناچار رفع ندامت و دفع شکایت کے لحاظ سے لکھ کر بھیجتا ہوں ع گر قبول افتد زہے عز و شرف۔ چونکہ مجھے احسن کا لفظ مادۂ تاریخ کے طور سے شامل کرنے میں باعتبار وصف جاہ کے محل تامل تھا، ناچار اس رنگ میں ادا کرنا پڑا۔ عزیزی شرف الحق ☆ کو سلام و دعا دیجئے اون کے خط کا انتظار ہے۔

رسید کارِ ہٰذا سے مطلع فرمایئے۔ نہایت عجلت میں لکھ رہا ہوں

محمد ابوالحسن خوشدل

از کارا☆☆ مدرسہ قادریہ ۲۸ رجولائی ۱۹۲۷ء

☆ حکیم شرف الحق حضرت خوشدل کے خاندانی عزیز ہیں جن کا تذکرہ پروفیسر مختار الدین احمد صاحب نے اپنی اضافی تحریر میں کیا ہے۔

☆☆ کارا اورنگ آباد اور پاورگنج کے درمیان میں ایک موڑ پر واقع ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن خوشدل / بیدل شہسرامی علیہ الرحمہ کی وفات ۱۹۳۵ء میں ہوئی۔ آپ کے سانحۂ ارتحال پر استاذ الشعرا جناب حشر شہسرامی نے یہ قطعۂ تاریخ کہا:

میرے مخدوم و مکرم ابوالحسن معجز بیاں	تھی دلیل نکتہ سنجی آپ کی ہر بات آپ
دین و دنیا کی وجاہت حق نے دی تھی ہر طرح	مختصر یہ ہے، بہر صورت تھے خوش اوقات آپ
بدھ کے دن گیارہ بجے بستم جمادی الاولیں	جانب خلد بریں رخصت ہوئے ہیہات آپ
اس سے بڑھ کر جنتی ہونے کا کیا ہوگا ثبوت	منہمک رہتے تھے حق کی یاد میں دن رات آپ

حشر دوہرا سال لکھ دو رحلت مرحوم کا

۱۹۳۵ء چل بسے انیس سو پینتیس میں ہیہات آپ ۱۳۵۴ھ

☆ حضرت مولانا سید غیاث الدین شریفی رضوی رجہتی شہسرامی قدس سرہٗ

(۱۳۰۴ھ۔ ۱۳۸۵ھ)

آپ صحیح النسب کریم الطرفین حسینی سید تھے۔ ولادت مبارکہ آبائی وطن رجہت

ضلع گیا میں ۱۳۰۴ھ شوال المکرم میں ہوئی۔ ولادت کے چھ دن بعد ایک مجلس میں حضرت مولانا سید شاہ محی الدین احمد عرف لالا میاں سجادہ نشین خانقاہ کبیریہ شہسرام نے غلام اشرف اور والد ماجد سید فرزند علی صاحب نے غیاث الدین حسن نام تجویز کیا۔ اخیر الذکر کو ہی شہرت حاصل ہوئی۔

ابتدائی درجات سے لےکر متوسطات تک کی تعلیم رجہت ہی میں والد ماجد سید فرزند علی، مولانا بہادر حسین بہاری، ماسٹر سید اصغر حسین، مولوی صلابت حسین، مولوی عباس، مولوی سید تاج علی کے زیر تربیت ہوئی۔ ۱۸۹۰ء میں نوادہ سے امتیازی اول پوزیشن کے ساتھ امتحان پاس کیا اور اسکالرشپ کے مستحق ہوئے۔ اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے سب سے پہلے اپنے ماموں جان سید شاہ معین الدین سجادہ نشین خانقاہ کبیریہ کے ہمراہ شہسرام تشریف لائے۔ ماموں جان کے وصال فرمانے کے بعد دائرہ شاہ اجمل الہ آباد میں حضرت مولانا سید شاہ فاخر الہ آبادی، کانپور مدرسہ مطلع العلوم بانس منڈی میں مولانا سید عبدالرزاق، مولانا سید احمد حسن کانپوری اور جامع العلوم محلہ منکاپور میں مولانا محمد اسحاق، مولانا رشید احمد، جونپور میں ملا عطاء اللہ قندھاری، علامہ ہدایت خاں جونپوری، اصغر حسین دیو بندی، مولانا محمد یحییٰ بنارس مطلع العلوم کمنگڈھ میں مولانا عبدالرحمٰن نقشبندی، مسجد فتحپوری دہلی میں مشہور معقولی عالم مولانا عبداللہ ٹونکی سے علم وفن کی بہاریں لیتے رہے لیکن مذاق علم اتنا بلند تھا کہ علوم وفنون کے ان مایہ ناز پاسبانوں کے حضور بھی تشنگی کا احساس باقی رہا۔

آپ نے جب اس تشنگی کا اظہار اپنے پیرومرشد حضرت علامہ سید محمد شریف صفی اللہ چشتی اصدقی اور مایۂ ناز استاد گرامی حضرت علامہ سید شاہ فاخر الہ آبادی کے حضور کیا تو ان حضرات نے آپ کو بارگاہ رضا میں حاضری کا مشورہ دیا۔ آپ سر تسلیم خم کرتے ہوئے حضرت فاخر الہ آبادی کا مکتوب گرامی لے کر بریلی شریف حاضر ہوئے اور ملک العلماء حضرت علامہ محمد ظفر الدین قادری کے توسط سے اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں اسے پیش کیا۔ امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نسبت رکھنے والی چیزوں کا کس قدر احترام ملحوظ رکھتے تھے۔ سب کو معلوم ہے۔ اس لئے اس بات کا علم ہونے کے بعد کہ خط لانے والے عزیز، خانوادۂ نبوت سے گرامی تعلق رکھتے، ہیں آپ نے فوراً ان کے تعلیمی اور رہائشی امور کے اعلیٰ انتظامات فرمادیے۔

بریلی شریف میں اعلیٰ حضرت نے دورۂ حدیث کے لئے اپنے علاوہ علامہ بشیر احمد صاحب علی گڑھ تلمیذ رشید ملا لطف اللہ علی گڑھی کو متعین فرمایا اور بقیہ درس نظامی کی منتہی کتابیں مثلاً حمد اللہ، مطول، اقلیدس، شمس بازغہ، توضیح تلویح وغیرہ امام اہل سنت کے بڑے صاحبزادے حجۃ الاسلام حضرت علامہ مفتی محمد حامد رضا خاں قادری علیہ الرحمہ کے ذمہ رہیں۔ ۱۳۲۴ھ تکمیل کے بعد دستار فضیلت سے سرفراز ہوئے اور کچھ دنوں کے بعد اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے صحاح ستہ، اوراد واذکار اور سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ سند خلافت کا عکس فقیر کے پاس محفوظ ہے۔

حضرت علامہ سید غیاث الدین حسن شریفی رضوی زبردست فاضل، شاندار خطیب اور جملہ علوم عالیہ نظامیہ پر کامل استحضار رکھنے والے خدا رسیدہ و مرتاض بزرگ تھے۔ قوت حافظہ غضب کا تھا، حاضر جوابی بے مثل پائی تھی۔ درس تدریس کے ساتھ ساتھ تبلیغی دورے بھی کثرت سے ہوتے۔ بھاگلپور، مونگیر، شاہ آباد، دمکا، ہزاری باغ، گوڈہ، بیر بھوم، کلکتہ، مرشد آباد، بردوان، مالدہ، پنڈوہ شریف، یوپی، بہار، ایم پی وغیرہ کے اکثر علاقوں میں وعظ و تذکیر کے لئے تشریف لے جاتے۔ چونکہ صاحب نسبت بزرگ تھے۔ اس لئے سلسلہ عالیہ رضویہ کی کثرت سے اشاعت بھی ہوتی۔ بد مذہبوں سے اکثر مناظرے بھی ہوئے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے متعدد جگہوں پر آپ کو بحیثیت مناظر روانہ فرمایا۔ آپ اپنے بے مثل استحضار علم، کتاب و سنت کے دلائل اور الزامی جوابات سے ہمیشہ مخالف پر فتح یاب رہے۔ تصنیف و تالیف سے بھی تعلق خاطر تھا۔ مدرسہ شمسیہ گوڑ گاؤں بھاگلپور اور الٰہ آباد میں عرصۂ دراز تک صدر مدرس رہنے کے بعد اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی ایما پر کلکتہ تشریف لے گئے۔ آپ نے اپنی ایک خودنوشت یادداشت میں خود تحریر فرمایا ہے:

"قیام الٰہ آباد میں دوران درس تدریس مجھی مولانا ظفر الدین بہاری صاحب کا الٰہ آباد خط پہنچا کہ آپ کو اعلیٰ حضرت قبلہ کا حکم ہے کہ جلد سے جلد منشی لعل محمد خاں کے یہاں کلکتہ جائیے اور وہاں مسجد ناخدا کا منصب امامت اور مدرسہ عثمانیہ کی مسند تدریس سنبھالئے۔"

لہٰذا آپ الٰہ آباد سے شہسرام آئے اور پھر کلکتہ پہنچ کر ان اہم مناصب کو سنبھالا۔ یہاں آپ کی انتظامی خوبیوں اور اعلیٰ علمی صلاحیتوں کے پیش نظر آپ کو کلکتہ انجمن اصلاح عقائد اور سیالدہ کے مدرسہ اسلامیہ کا صدر منتخب کیا گیا۔ یہیں آپ نے تصوف اور

عقائد کے موضوع پر متعدد کتابیں تصنیف کیں۔۱۔ خطبات غیاث (عربی)۔۲۔ معراج العرفان عن کلام عشاق الرحمٰن (عربی)۔۳۔ رسالۂ عقائد (فارسی)۔۴۔ خودنوشت سوانح (فارسی)۔۵۔ غیاث الطالبین (اردو)۔۶۔ فوائد شریفی (اردو)۔۷۔ ضیاء الارواح (اردو)۔۸۔ بیاض اذکار واعمال۔۹۔ مجموعۂ کلام کا تذکرہ آپ کی تصانیف میں ملتا ہے۔ مجموعہ کلام اور غیاث الطالبین شائع ہو چکے ہیں۔ باقی رسائل قلمی صورت میں ہیں اور اکثر ناقص۔

سترہ سال کی عمر میں ۱۸۹۸ء میں آپ نے اپنے مرشد کریم علامہ سید محمد شریف صفی اللہ چشتی اصدقی کے ہاتھوں پر بیعت کی اور ۱۹۰۵ء/۱۳۲۶ھ میں ۲۳ر صفر کو مرشد برحق نے خلافت اور خرقۂ نیابت سے سرفراز فرمایا۔ بارگاہ اعلیٰ حضرت سے ۲۹ ربیع الآخر ۱۳۳۸ھ جمعرات کے دن خلافت تفویض ہوئی۔

حضرت ملک العلما سے آپ کے دیرینہ رابطے تھے، بلکہ آپ ہی کے توسط سے اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں حاضری نصیب ہوئی۔ اعلیٰ حضرت کی تصنیف ''الدلائل القاہرہ'' پر آپ کی تصدیق بھی ان لفظوں میں ملتی ہے:

قداصاب فی ماجاب مولیٰ العلماء ام م الفقهاء مجد دالمائة الحاضرة الفاضل البريلوی متع الله المسلمين بطول بقائته فی هذه المسئلة با ن التائيد و الشركة و الحضور فی مثل هذا المحلس القبيحته حرام و المعاونته فيها اثم و المقاربته فيها سم قاتل للايمان فليتنا فس المتنا فسون وقنا الله تعالیٰ يانا و جميع المومنين للمفارقته والاحتناب عن مثل هذا المحلس و التائيد والشركة فيه۔ حرره الفقير الیٰ سيد المرسلين ذی المنن المدعوبه سيد محمد غياث الدين حسن الحنفی السنی الرحهتی البهاری عفی عنه الباری (الدلائل القاهرة علیٰ الكفر النيا شرة، ص ۲۰)

ترجمہ: عالموں کے پیشوا فقہاء کے امام اس صدی کے مجدد فاضل بریلوی نے، اللہ تعالیٰ ان کی بقائے دراز سے مسلمانوں کو بہرہ یاب کرے، اس مسئلہ میں جو جواب دیا ٹھیک دیا کہ اس جیسی بری مجلس کی تائید اور شرکت اور اس میں حاضری حرام ہے اور اس کی اعانت گناہ اور اس میں عمل ایمان کے لئے زہر قاتل۔ رغبت کرنے والوں کو چاہئے کہ اسی میں رغبت کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور سب مسلمانوں کو توفیق دے کہ اس محفل سے جدار ہیں اور ایسی

مجلس سے اور اس کی تائید و شرکت سے بچیں۔

حضرت سید غیاث الدین حسن چشتی قادری شریفی رضوی علیہ الرحمہ کا وصال ۱۳ر محرم الحرام ۱۳۸۵ھ/ ۲۵ر مئی ۱۹۶۵ء یکشنبہ کو بوقت عصر ہوا اور شہسرام ہی میں خانقاہ کبیریہ کے احاطہ قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

حضرت کے وصال پر استاذ الشعراء جناب حشر شہسرامی نے یہ تاریخی قطعہ کہا۔

نیک صورت، نیک سیرت، واصل حق، متقی
عالم محتاط، مرد پارسا، روشن ضمیر

اف! جدائی کی گھڑی بھی تھی قیامت کی گھڑی
شام یکشنبہ تھی تیرہویں محرم یاد ہے

آپ ہیں سادات سے اور سلسلہ ہے اصدقی
اس قدر کافی اشارہ ہے تعارف کے لئے

حشر اٹھتے ہی سر بالیں کہا یہ سال فوت

آہ! مولانا غیاث الدین سلطان الولی (۱۹۶۵ء)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے ناچیز کی کتاب ''مولانا سید غیاث الدین حسن شریفی رضوی۔ حیات اور شاعری''۔ مطبوعہ خانقاہ غیاثیہ شریفہ، محلہ دائرہ، شہسرام

☆ حضرت مولانا سید شاہ عبد الغنی شہسرامی قدس سرہ (م ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ھ)

آپ اعلیٰ حضرت کے خاص رفقاء میں تھے، اس لئے حضرت ملک العلما کے آپ سے گہرے روابط تھے۔ ملک العلماء نے اپنی تصنیف حیات اعلیٰ حضرت کے پہلے حصہ میں اور علامہ نعمانی صاحب کے بیان کے مطابق دوسرے حصہ میں بھی آپ تذکرہ کیا ہے۔ حیات اعلیٰ حضرت جلد اول میں لکھتے ہیں:

علمائے کرام کی تشریف آوری کے وقت اعلیٰ حضرت کی مسرت کی جو حالت ہوتی، احاطۂ تحریر سے باہر ہے خصوصاً حضرت محدث سورتی، مولانا شاہ وصی احمد پیلی بھیتی حضرت ابو الوقت شیر بیشۂ اہل سنت مولانا ہدایت رسول صاحب لکھنوی، حضرت مولانا سراج الدین ابو الذکاء شاہ سلامت اللہ صاحب رامپوری...... مولانا سید شاہ عبد الغنی شہسرامی وغیرہ وغیرہ علمائے کرام کی تشریف آوری کے وقت کا سماں بیان سے باہر ہے۔

(حیات اعلیٰ حضرت قدیم اول ص ۱۹۸)

حضرت کے مزید گوشۂ حیات پردۂ خفا میں ہیں۔

☆ حضرت مولانا سید شاہ ملیح الدین کبیری علیہ الرحمہ (متوفی ۱۳۵۰ھ)

ابتدا میں ذکر آچکا ہے کہ حضرت ملک العلما آپ ہی کی خواہش پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ، کی اجازت سے پٹنہ سے شہسرام تشریف لائے، اس لئے گہری وابستگی کا ہونا فطری امر ہے۔آپ کے حالات زندگی کے بارے میں فی الحال کوئی زیادہ معلومات نہیں۔اتنا ضرور علم ہے کہ آپ حامی سنت، دین کا درد رکھنے والے صاف دل بزرگ تھے۔ہر کار خیر میں سبقت کرتے۔اس کی شہادت کے لئے خود خانقاہ کبیریہ کا اہتمام اور اس کے علمی شعبہ کو فروغ دینے کے لئے ملک العلما کو دعوت دینا کافی ہے۔مزید تائید مدرسہ خیریہ کے سال اولین ۱۳۲۹ھ کی روداد کے اس اقتباس سے ہوتی ہے۔بانی خیریہ حضرت علامہ فرخند علی فرحت شہسرامی تلمیذ رشید حضرت علامہ عبدالکافی الہ آبادی قدس سرہما لکھتے ہیں:

"ہم خاص کر حضرات معززین و روٴسائے شہر کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ جلسہ سالانہ میں تشریف لاکر جلسہ کو عزت بخشی اور مدرسہ کی بھی ہر طرح معاونت فرماتے رہتے ہیں بالخصوص جناب حضرت شاہ ملیح الدین احمد صاحب سجادہ نشین خانقاہ و رئیس اعظم شہسرام کے ہم بہت ہی شکر گزار ہیں کہ آپ نے ہر قسم کی اعانت فرمائی اور جلسۂ سالانہ میں جب آپ سے صدارت کی استدعا کی گئی تو نہایت خوشی سے منظور فرمایا لیکن بوجہ علالت کے تشریف نہ لا سکے۔خداوند کریم ہمیشہ قرین صحت رکھے۔

(روداد مدرسہ خیریہ نظامیہ شہسرام ۱۳۲۹ھ ص ۹-۱۰)

حضرت شاہ ملیح الدین کبیری اس عظیم الشان خانقاہ کے سجادہ نشین تھے جو صدیوں سے چلی آرہی ہے اور ہر دور کے سلاطین اسلام اور اکابرین علم وفن نے اس در سے شرف نیاز حاصل کیا ہے۔اس خانقاہ کی بنیاد ۱۷۰۷ء میں رکھی گئی اور پہلا وقف بادشاہ فرخ سیر نے اپنے عہد سلطنت کے پانچویں سن جلوس میں اٹھارہ مواضعات لاخراج ایک لاکھ درہم کی آمدنی کا دے کر فرمایا۔اس وقت حضرت سیدی شاہ کبیر درویش قادری قدس سرہ، بقید حیات تھے۔(تاریخ شہسرام ص ۷۹)

ملک العلما سے آپ کے اور اہل خانقاہ کے دیرینہ رابطے تھے۔اس ربط کا سبب اعلیٰ حضرت کی بارگاہ سے وابستگی ہے۔اس قلبی ربط کے سبب آپ نے ملک العلما کو مدرسہ خانقاہ کبیریہ شہسرام میں صدر مدرس کی حیثیت سے تشریف لانے کی دعوت دی۔اس وقت یہ مدرسہ مدرسہ عالیہ کلکتہ سے منسلک تھا۔وہ تاریخی دعوت نامہ ناچیز کو ملک العلما کے ذخیرۂ

مکاتیب میں دستیاب ہو گیا۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں:

شہسرام ۷۸۶ ۱۷ اکتوبر ۱۹۱۶ء

جناب مولانا ظفر الدین صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

ہمارے مدرسہ عالیہ خانقاہ میں مدرس اول کی ضرورت ہے۔ اگر آپ اس مدرسہ کی مدرس اولی بمشاہرہ مبلغ پچاس روپیہ ماہوار پر قبول کریں تو بہت جلد تشریف لا کر انچارج ہڈ مولوی سے چارج لے کر اپنے فرض منصبی کو انجام دیں۔ یہ جگہ مستقل ہے۔ زیادہ والسلام۔

شاہ ملیح الدین احمد

سجادہ نشین خانقاہ شہسرام ضلع آرہ

حضرت ملک العلما نے شاہ صاحب کی دعوت پر لبیک کہی اور پورے علمی کروفر کے ساتھ تقریباً پانچ سال علمی فیوض کے دریا بہائے۔

حضرت شاہ ملیح الدین کا وصال ۱۹۵۰ھ میں ہوا۔ استاذ الشعرا جناب حشرؔ شہسرامی نے یہ قطعہ تاریخ کہا:

شہ ملیح الدین احمد پاکباز صاحب سجادہ، فخر شہسرام
خوش جمال وخوش خصال وخوش مزاج نیک صورت، نیک سیرت، نیک نام
یاد ہے اُف پیر کا دن دردناک بستم ماہ محرم وقت شام
عالم فانی کو کہ کر الوداع چل بسا جنت کو وہ عالی مقام

حشرؔ یہ ہے مصرع سال وفات

ربنا ادخلہ فی دارِ السلام ۱۳۵۰ھ

☆ مولانا نجم الدین شہسرامی علیہ الرحمہ

آپ کا شمار شہسرام کے ذی علم اور باصلاحیت علما میں ہوتا تھا۔ مدرسہ خانقاہ کبیریہ کے سینئر مدرس تھے۔ علم ہیئت میں کمال تھا۔ قصیدہ بردہ شریف کا اردو ترجمہ بھی فرمایا۔ بہت سارے جید علما نے آپ سے درس لیا۔ آپ کیت تلامذہ میں مولانا احتشام الدین فریدی صاحب سے ناچیز کو ملاقات کا شرف حاصل ہے آپ کا بیان ہے کہ استاذ محترم علمی استحضار رکھتے تھے۔ کتابوں کی تفہیم کا اچھا ملک تھا۔

ملک العلما کے اخلاق نے سب کو اپنا گرویدہ بنا رکھا تھا۔ مولانا نجم الدین

صاحب سے بھی آپ کے اچھے رابطے تھے۔ ملک العلما جب پٹنہ تشریف لے گئے تو مراسلت سے جذبوں کی تسلی کی جاتی۔ پٹنہ جانا ہوتا تو ملک العلما سے ضرور ملاقات کرتے۔ ان کا صرف دو خط دستیاب ہوا۔ ایک میں علمی فرمائش ہے اور دوسرے میں علمی سفارش۔

از شہسرام ۷۸۶ تاریخ ۱۲ر جولائی ۱۹۳۷ء

مجی مولانا محمد ظفر الدین صاحب رضوی قادری زاد لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ! اللہ بحمد اللہ تعالیٰ بخیریت ہوں اور آپ کی خیریت مطلوب۔

مدرسہ خانقاہ کبیریہ شہسرام کو ایک کرۂ علم ہیئت* کی ضرورت ہے۔ کہاں سے دستیاب ہوسکتا ہے۔ غالبا جناب کو معلوم ہوگا اور کتنے میں ملتا ہے؟ مہربانی فرما کر جلد مطلع کریں۔ والسلام۔

محمد نجم الدین عفی عنہ

مدرسہ اول مدرسہ خانقاہ کبیریہ شہسرام

*کرۂ علم ہیئت Astronomical Globe ہوتا ہے جس میں سیاروں، ستاروں کے نام ہوتے ہیں۔ افق کی سطحیں ہوتی ہیں جن سے طلوع وغروب کی تعیین ہوتی ہے۔

از شہسرام ۷۸۶ ۱۹ر اپریل ۱۹۵۲ء

برادر محترم جناب مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب رضوی! السلام علیکم

بحمد اللہ! میں خیریت سے ہوں اور آپ کی خیریت کا خواستگار ہوں۔ آپ کا رسالہ "عید کا چاند"* موصول ہوا۔ ماشا اللہ بہتر کتاب لکھی ہے۔ میرے ایک شاگرد محمد شفیق** نے فاضل حدیث کا ابھی امتحان دیا ہے۔ نظر توجہ فرمائیں گے۔ فقط

محمد نجم الدین عفی عنہ

*"عید کا چاند" حضرت ملک العلما کی تصنیف ہے جو کتابی شکل میں پٹنہ سے شائع ہوئی۔ میں جب فتاوٰی ملک العلما مرتب کررہا تھا تو یہ رسالہ بھی دستیاب ہوگیا جسے موضوع کی مناسبت سے کتاب الصوم میں جگہ دیدی گئی۔

**مولوی محمد شفیق شہسرامی محلّہ نورن گنج کے رہنے والے تھے۔ عرصے تک اس محلے کی مسجد کے امام رہے۔ ابھی چند سال پہلے دنیا سے رخصت ہوئے۔ سیدھے سادے اور پرہیزگار انسان تھے۔

☆مولانا سید اظہار حسین صاحب شہسرامی علیہ الرحمہ

بہار شریف موضع اوگانواں کے باشندہ تھے۔ مدرسہ نظامیہ آرہ سے فارغ التحصیل ہوئے۔ تفسیر، فقہ، ہیئت اور فلکیات میں خاصی معلومات رکھتے تھے۔ مدرسہ خانقاہ کبیریہ شہسرام میں مدرس ہوئے۔ یہیں زندگی گزاری اور جسم خاکی بھی اسی خاک کا حصہ بنا۔ ان کی دو تحریریں دستیاب ہوئیں۔ ایک تو تعطیل کی درخواست تھی جو موضوع سے غیر متعلق ہے دوسرا خط ملک العلما کے پرنسپل ہونے کی مبارک باد ہے، جو پیش خدمت ہے:

شہسرام مدرسہ خانقاہ ۷۸۶ ۲۸؍ مئی ۱۹۴۸ء

بگرامی جناب پرنسپل صاحب مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ

بعد ہدیہ سلام اینکہ الحمد للہ! حب مع حب مطلوب ہے۔ یہ خبر سن کر کہ جناب نے مدرسہ شمس الہدیٰ کی پرنسپلی کا چارج لے لیا، دل بہت مسرور ہوا۔ اس لئے بندہ حقدار ہے کہ مبارک بادی پیش کرے۔ لہٰذا امید ہے کہ قبول فرمائیں گے۔ دعا ہے کہ جناب کو مستقل طور پر پرنسپل کے عہدہ پر اللہ تعالیٰ فائز کرے آمین اور ہم لوگوں کی دیرینہ امیدیں جو وابستہ ہیں، بر آئیں!

غالباً محبی مولانا محمد ریاض الحق صاحب بھی آگئے ہوں گے۔ ہوں تو سلام علیک عرض ہے۔ مدرسہ بند ہو چکا ہے۔ مگر بے خانماں ہونے کے سبب سے شہسرام ہی میں رہنا ہوگا۔ جناب شاہ صاحب* وغیرہ مع الخیر ہیں۔ والسلام۔

راقم

سید محمد اظہار حسین عفی عنہ

*شاہ صاحب سے یہاں شاہ صلیح الدین صاحب کبیری مراد ہیں۔ جامعہ مرادآباد میں تعلیم پائی۔ برادر بزرگ شاہ شیخ صاحب کے انتقال کے بعد ۱۹۴۶ء میں سجادہ نشین ہوئے۔ انہیں کے صاحبزادے ہیں موجودہ سجادہ نشین شاہ محمد تقی صاحب کبیری۔ شاہ صلیح صاحب ۴؍ ربیع الاول ۱۴۰۲/ ۲۱؍ دسمبر ۱۹۸۲ء کو اس دار فانی سے رخصت ہوئے۔

☆مولانا سید موسیٰ رضا کاکوی شہسرامی علیہ الرحمہ (م ۱۹۵۲ء)

مدرسہ خانقاہ کبیریہ کے رفقائے ادارہ میں تھے۔ کاکو پٹنہ سے قریب ایک قصبہ ہے جو اب ضلع جہان آباد میں شامل ہے، مولانا وہیں کے رہنے والے تھے لیکن زندگی شہسرام میں گزری، اخلاف بھی یہیں ہیں۔ ۱۹۱۷ء میں خانقاہ کبیریہ کے مدرس کی حیثیت

سے شہسرام تشریف لائے، جہاں ۱۹۴۸ء تک تدریسی فرائض انجام دیتے رہے پھر اکبر پور روہتاس چلے گئے۔ اردو فارسی عربی میں شاعری بھی کرتے۔ انہیں کے صاحبزادے ہیں بزرگ شاعر جناب ظفر رضوی کاکوی اور سید اظفر امام رضوی وراثی۔

مولانا سید موسیٰ رضا کاکوی ذی علم اور باصلاحیت فاضل تھے اور ملک العلما کے چاہنے والوں میں سے۔ ملک العلما کے پٹنہ منتقل ہونے کے بعد مراسلت رہتی۔ ان کے تین خطوط دستیاب ہوئے جو دونوں حضرات کی بے تکلفی اور اپنائیت کو ظاہر کرتے ہیں، اس لئے کہ ذاتی معاملات عموماً بے تکلف احباب سے ہی کہے جاتے ہیں۔ مولانا سید موسیٰ رضا چشتی قادری علیہ الرحمہ کا انتقال ۲۶ محرم الحرام ۱۳۷۲/۱۹۵۲ء کو ہوا۔ شہسرام میں ہی تدفین ہوئی۔

موسیٰ رضا عفی عنہ از شہسرام ۷۸۶ ۷/ ۵/ ۱۹۴۸ء

محبی مشفقی السلام علیکم

ہم نے آپ کو خبر اپنی موقوفی کی دی تھی اور خط پہونچنے کا حال بھی مولوی اظہار حسین صاحب سے معلوم ہوا مگر آپ نے کوئی خط افسوس ہے اس کے پاس سفارش کا نہ لکھا۔ آنا تو درکنار، ہم نے بلایا تھا اور خرچ بھی دینے کو لکھا تھا۔ خیر! ضروری عرض یہ ہے کہ ۱۹/ مئی تک مدرسہ ہے، اس کے بعد تین ماہ کے لئے ۱۶/ اگست تک بند ہے...... مولوی وصی احمد صاحب و پرنسپل صاحب اجمیر شریف جانے والے ہیں اور ہم سب لوگ جائیں گے تو اگر آپ مولانا نعیم الدین صاحب کو سفارش کے خیال سے ایک خط لکھدیں تو کیا عجب ہے کہ بحال کرلیں۔ یہ لوگ ۹/ مئی تک غالباً واپس آویں گے۔

دوسری بات یہ کہ مولوی عبداللہ صاحب مدرس مدرسہ حنفیہ آرہ نے مولوی اظہار حسین صاحب کو خط لکھا ہے کہ اگر مولوی موسیٰ رضا صاحب...... وعظ وغیرہ کر کے فراہمی چندہ کے اوپر...... اور صرف پڑھانے و فراہمی طلبہ کے اوپر...... تو تنخواہ...... زیادہ دیا جائے گا۔ اور یکم جون کو مدرسہ کھلتا ہے۔ ابھی تنہا مولوی صاحب آویں اور مکان کو دیکھ بھال کر کے متعلقہ لاویں۔ ہم نے دسنہ* اون کے پاس کل خط لکھا۔

*دسنہ بہار شریف ضلع نالندہ کے اطراف کا مشہور مردم خیز قصبہ ہے جہاں سید سلیمان ندوی پیدا ہوئے۔

موسیٰ رضا عفی عنہ از محمد پور بنارس ۷۸۶ ۴؍۴؍۱۹۵۰ء

محبی مشفقی! السلام علیکم!

میں بخیریت رہ کر خواہاں خیریت احباب مع متعلقین ہوں۔ عرصے سے ملاقات نہ ہونے کے باعث بے چینی رہتی ہے۔ ہم نے آپ کو ممتحن بنوانے کی اپنی لئے لکھا تھا تو آپ نے لکھا کہ درخواست سپرنٹنڈنٹ صاحب کے پاس دینا چاہئے۔ اس کے بعد ہی سپرنٹنڈنٹ صاحب تشریف لائے اور ہم نے زبانی بھی کہا تو انہوں نے آپ کے بارے میں کہا کہ انہوں نے ہم سے سفارش کی ہے اور کہا کہ شروع جنوری میں درخواست دیجئے گا۔ چنانچہ ہم نے درخواست بھیج دی مگر اب تک ممتحن ہونے کی کوئی اطلاع نہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ چھ سال ممبر و پندرہ سولہ سال ممتحن رہ چکا ہوں، اس کے بارہ میں پھر کہئے۔

دوسرا کام یہ ہے کہ شروع اپریل ۱۹۴۹ء میں حسب سند و سارٹیفکٹ اسکیل مشاہرہ بنانے کا نوٹس آیا تھا۔ چنانچہ ہم نے بھی شہسرام کے ڈپٹی صاحب کے پاس کانپور کی سند، گنج مراد آباد کی سند و احمد مکی صاحب نے جو سند دی تھی، سب دکھلا کر لکھوا دیا اور سپرنٹنڈنٹ صاحب سے بھی کہدیا۔ امسال پھر دریافت کیا گیا ہے کہ وہی لوگ ہیں یا بدلے گئے ہیں آپ میرے بارے میں کلمۂ خیر کہدیں زرینہ و مختار کہاں ہیں؟ سب کو دعا کہدیں گے۔ عبدالقادر کی بہن* جس کی شادی سیوان میں ہوئی تھی، قضا کر گئی اولاد ہیں۔ موسیٰ رضا عفی عنہ

*مولانا سید محمد موسیٰ رضا نے تین شادیاں کیں۔ پہلی شادی خدیجۃ الکبریٰ بنت سید منظور احمد ساکن جعفرہ گیا سے ہوئی لیکن یہ خاتون ایک سال بعد ہی لاولد فوت ہوئیں۔ دوسری شادی بی بی شریف النسا بنت سید ولایت حسین سجادہ نشین خانقاہ نگلہ گیا سے ہوئی جن سے مولانا سید عبدالقادر شمسی اور امینہ خاتون زوجہ حکیم مولانا سید عبدالستار شفا سیوانی پیدا ہوئے۔ انہیں دونوں کا تذکرہ مکتوب میں ہے۔ تیسری شادی کنیز صغریٰ بنت سید محمد عیسیٰ موضع کابر ضلع گیا کے ہمراہ ہوئی جن سے تین بچے تولد ہوئے۔ ۱۔ ظفر رضوی کاکوی ۲۔ انوری خاتون ۳۔ سید اظفر امام رضوی واثی۔ مولانا سید عبدالقادر ملک العلما کے شاگرد بھی تھے۔ (شکستِ ساز ص ۱۵)

---

۷۸۶ محب مخلص! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا۔ ہم نے پرنسپل وغیرہ سے نہیں کہا بلکہ عزیزم غلام قادر ابن مولوی عبدالقادر مرحوم ☆ سے مدرسہ کی کتابوں کے جو محافظ ہیں، تحریر مجسطی ☆☆ لیا ہے اور حامل رقعہ ہذا کے معرفت حسب طلب ارسال ہے۔ حسب وعدہ اس شخص کی معرفت واپس فرمائیں۔

میں اپنا حال کیا لکھوں کہ سال سے ملیریا میں مبتلا ہوں۔ باضابطہ جلاب وغیرہ بھی لینا۔ اسپتال کی دوا کی، ہومیو پیتھک علاج کیا، کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اب ڈاکٹر صاحب جو مسلمان اور بہت اچھے آدمی ہیں، دست شفا بھی ہے، انہوں نے ملیریا تجویز کیا۔ مہینے کی دوا اسپتال سے دیتے ہیں اور انجکشن کے لئے بازار سے لینے کو لکھا ہے۔ تیں چھ لے ہفتہ میں دوبار...... لے رہے ہیں۔ تھوڑا لرزہ دے کے بخار آجاتا ہے، ایک روز رہتا ہے پھر دو ہفتہ تین ہفتہ پر آتا ہے۔

تین ہفتہ ہوتا ہے کہ بچی چار سال کی ہے، اس کو نمونیہ ہوگیا تھا، ڈاکٹر صاحب کے علاج سے فائدہ ہوا۔ عبدالقادر سلمہٗ کے یہ پانچواں لڑکا تھا جو ڈیڑھ سال کا ہوکر انتقال کرگیا۔ مکان گئے تھے۔ وہاں سے واپسی میں سڑک پر پیر فراز کی وجہ سے اکھڑ گیا۔ بڑی مشکل سے یہاں پہنچ کر بٹھالایا۔ درد گھٹنے میں ہے، لیپ کی دوا لگا رہا ہوں۔ دو ہفتہ پر اب مدرسہ جاتا ہوں۔ دعا کیجئے کہ بطفیل رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) شفا فرمادے۔ سب کو سلام ودعا۔

محمد موسیٰ رضا

☆ یہ عبدالقادر دوسرے صاحب ہیں، مولانا کے صاحبزادے نہیں۔

☆☆ تحریر مجسطی فلکیات کی مشہور کتاب ہے جو بطلیموس کی علم الفلک کی تشریح کرتی ہے۔ مصنف: ابوالوفا بوزجانی (م ۱۳۸۸ھ)

☆ مولانا حکیم سید وصی احمد شہسرامی علیہ الرحمہ (م ۱۹۶۳ء)

بڑے حاضر العلم، بلند پایہ عالم دین اور صاحب احتیاط و تقویٰ بزرگ تھے۔ دینی تصلب اور علمی رعب ان کے چہرے بشرے سے ظاہر ہوتا۔ شہسرام کے بڑے بوڑھے بتاتے ہیں کہ اخیر عمر میں مدرسہ خانقاہ کبیریہ کے مدرس تھے اور شاہی جامع مسجد محلہ مدار دروازہ شہسرام کی امامت بھی فرماتے۔ مسجد کے باہر ہی مطب تھا جہاں شام کے وقت مریضوں کو دیکھا کرتے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ سے حد درجہ عقیدت تھی۔ جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں آپ کے دوسرے دور قیام کے شاگرد مفتی محمد یامین نعیمی دام ظلہ بیان کرتے ہیں کہ طحاوی علیٰ مراقی الفلاح پر آپ نے دوران مطالعہ جو حاشیہ

قلم بند فرمایا ہے، اس میں جگہ جگہ "قال الامام احمد رضا ۔ قال الفاضل البریلوی" تحریر فرمایا ہے۔ آپ کے زمانۂ امامت میں شہسرام کی شاہی مسجد میں جمعہ کی اذان ثانی مسجد سے باہر خطیب کے سامنے ہوتی۔ معروف موذن محمد حنیف مرحوم نے یہ روایت خود مجھ سے بیان کی جو حضرت کے زمانے میں بھی موذن تھے۔ یہ روایت بھی عام ہے کہ آپ کے زمانے میں تبلیغی جماعت کا دستہ بھولے سے شاہی جامع مسجد میں آ گیا تھا تو آپ نے انہیں وہاں ٹکنے نہ دیا اور ان کے جانے کے بعد مسجد کا پورا صحن بنفس نفیس کھڑے ہو کر دھلوایا۔

جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں طویل عرصے تک قیام رہا۔ وہاں کے تلامذہ میں حافظ ملت مولانا شاہ عبد العزیز مراد آبادی، مفتی اشفاق حسین نعیمی، مولانا سید عبد القدوس جنیبی اڑیسہ، مفتی طریق اللہ نعیمی اور مفتی محمد یامین نعیمی کے اسمائے گرامی کا علم ہے۔ ان میں مفتی اشفاق حسین نعیمی باسنی ناگور مفتی اعظم راجستھان، مفتی طریق اللہ نعیمی علیہ الرحمہ اور مفتی محمد یامین نعیمی صاحب سے ناچیز کے رابطے رہے۔ ان بزرگوں سے ملاقات کے بعد یہی علم ہوا کہ حضرت مولانا سید وصی احمد شہسرامی ایک کثیر المطالعہ، وسیع العلم، حاضر دماغ، قوی حافظہ، حتاط متقی اور کم سخن بزرگ تھے۔ یہ اوصاف ضعیفی میں بھی جوں کے توں برقرار تھے۔ حضرت کے حالات زندگی محفوظ نہ رہ سکے لیکن دستیاب مکاتیب کی روشنی میں مراحل حیات کے تانے بانے کچھ جوڑے جا سکتے ہیں۔

۱۹۳۹ء کے ایک مکتوب سے معلوم ہوتا ہے کہ دار العلوم احسن المدارس کانپور میں مولانا مشتاق احمد (م ۱۳۵۲ھ) اور دار العلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر مقدس میں مولانا معین الدین اجمیری سے علوم کی تکمیل فرمائی۔ طب کی تعلیم طبیہ و حاجیہ کالج لکھنؤ میں ہوئی۔ فراغت کے بعد دار العلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف میں پہلی تقرری ہوئی پھر مدرسہ اشاعت العلوم بریلی میں درس دیا۔ اس کے بعد جامعہ نعیمیہ مراد آباد تشریف لے گئے جہاں تیرہ چودہ سال تک درس دیا۔ مراد آباد میں قیام کے دو دور تھے۔ پہلا دور دس بارہ سال کے طویل عرصے پر محیط تھا۔ پھر ایک وقفے کے بعد دوسری بار جب تشریف لے گئے تو ایک دو سال قیام فرمایا۔ آپ جہاں تشریف لے گئے منتہی کتابوں کا درس دیا لیکن پرائیویٹ اداروں میں تنخواہ کی قلت اور مصارف کی کثرت کے شاکی رہے۔ اس سلسلے میں اکابر و احباب سے

مسلسل رابطہ رکھا اور مستقل سروس کے لئے بھی کوشاں رہے۔ بالآخر جب مدرسہ خانقاہ کبیریہ میں مدرس دوم کی حیثیت سے تقرری ہوئی تب جاکر معاشی سطح پر سکون اور طمانیت کے آثار نمایاں ہوئے۔ آپ کے ابتدائی مکاتیب میں معاشی اضطراب اور کشمکش حیات کا عنصر خوب نمایاں ہے۔ جامعہ نعیمیہ کے بعد منظر اسلام بریلی شریف تشریف لے گئے۔ پر ولیا (بنگال) کا تذکرہ بھی دو خط میں ملتا ہے لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ وہاں گئے بھی یا نہیں؟ یونہی مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں تقرری کے لئے بھی گزارش ملتی ہے لیکن گمان غالب ہے کہ وہاں پڑھانے کا اتفاق نہ ہوا، کیونکہ اس ادارے کے اس سلسلے میں خاموش نظر آتے ہیں۔ ۱۹۴۶ء کے ایک خط سے علم ہوتا ہے کہ وہ شہرام کو اپنی مستقل قیام گاہ بنا چکے تھے اور حضرت ملک العلما کی کوششوں سے مدرسہ خانقاہ کبیریہ میں ان کی مستقل تقرری ہو چکی تھی۔ اسی لئے بعد کے خطوط میں اضطراب کا سایہ نہیں ملتا بلکہ ایک پرسکون عالمانہ وقار جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔

حضرت مولانا سید وصی احمد صاحب ایک صاحب دل، سنیت نواز، باخدا مر تاض عالم دین تھے۔ مقامی حضرات اور تلامذہ کے بیان کے مطابق آپ کے مریدین کی تعداد بھی خاصی تھی۔ بیعت وارادت غالباً حجۃ الاسلام شاہ حامد رضا قادری برکاتی رضوی علیہ الرحمہ سے تھی۔ صدر الافاضل سے خصوصی ربط تھا۔ ان کے شاگرد بھی تھے اور گہرے نیازمند بھی۔ جب حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی کا وقت وصال قریب آیا تو بار بار یہی ذکر فرماتے: اب تک وصی احمد نہیں آئے۔ وصال سے کچھ دیر پہلے حضرت مولانا سید وصی احمد صاحب حاضر ہوئے۔ اشاروں میں کچھ باتیں ہوئیں اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

شہرام کے افراد کہتے ہیں کہ شاہ وصی احمد صاحب علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد کئی سال تک ان کے مریدین اور نیازمندان اہتمام کے ساتھ ان کا عرس منعقد کرتے رہے، بعد کو یہ سلسلہ موقوف ہو گیا۔ دین وسنیت کی تجلیات بکھیرتا اور کشمکش حیات سے نبرد آزما ہوتا یہ پیکر علم وفضل، زہد وتقویٰ ۱۱ر ربیع الثانی ۱۳۸۳ھ/ ۳۰ر اگست ۱۹۶۳ء میں زیر زمیں جا سویا۔ نواب محمد تقی قمر گیاوی (م ۴ر ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ) نے یہ قطعہ تاریخ کہا جو لوح مزار پر کندہ ہے۔

پاک باطن، عارف حق، عالم عالی مقام — آفتاب درسگاہ خانقاہ شہسرام
اس گذرگاہ جہاں سے آپ کی رحلت ہوئی — ہوگئے ہم سے جدا، ہر ایک کو حسرت ہوئی
ماہِ غوثِ پاک کی تاریخ تھی وہ گیارہویں — قبر پائی تربت مخدوم صالح کے قریں
مغفرت کی فاتحہ خواں نے جو کی حق سے دعا — قصر جنت میں گئے نزدِ جناب مصطفےٰ

اے قمر تاریخ نقلش قلب من ناگاہ گفت
''قادری سوفی وصی احمد بہشتی آہ'' گفت (۱۳۸۳ھ)

ملک العلما ۔ م حضرت مولانا سید وصی احمد شہسرامی علیہ الرحمہ کے سترہ مکاتیب دستیاب ہو ے جو مختصر وضاحت کے ساتھ پیش ہوتے ہیں۔ ان خطوط سے دونوں حضرات کے ں رابطے کی نوعیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

----

۸۶ ے رمی حضرت مولانا ذوالمجد والکرم رید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمتہ وبرکاتہٗ

امید کہ مع الخیر والعافیۃ ہوں گے۔ تیسرا گرامی نامہ عزت افزا ہوا۔ آج مورخہ ۱۹؍ستمبر ۱۹۳۹ء کو انگریزی ٹائپ شدہ درخواست کے ہمراہ تین تکمیل اور چھ کارگذاریوں کی سندوں اور سارٹیفکیٹوں کی نقول بخدمت سپرنٹنڈنٹ صاحب ارسال کر رہا ہوں۔ رجسٹری میں ایک آنہ زائد کا ٹکٹ شامل ہے کہ وصولی کی رسید مل جائے گی۔

درخواست کا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ متعدد عربی مدارس و دارالعلوم میں بیشتر مدرس اول کی علمی اعلیٰ خدمات مدتوں سے انجام دیتا رہا ہوں۔ جامعہ نعیمیہ میں بارہ سال سے یہ خدمات مفوض ہیں۔ اعلیٰ قابلیت، کامل مہارت کے ساتھ کافی تجربہ رکھتا ہوں۔ تکمیل کی سندوں میں ایک دارالعلوم معینیہ عثمانیہ کی، دوسری دارالعلوم کانپور کی، تیسری طبیہ وہاجیہ کالج لکھنؤ کی ہے۔ کارگذاری کی سندوں میں ایک دارالعلوم معینیہ عثمانیہ کی، دوسری مدرسہ اشاعت العلوم بریلی کی، تیسری جامعہ نعیمیہ مرادآباد کی ہے۔ سارٹیفکٹوں میں ایک انگریزی ٹائپ کی ہوئی جناب مولوی ابوالفضل خان صاحب، بی۔ اے۔ بی۔ ایل۔ میونسپل کمشنر اور منیجر ریاست کھاکر شہسرام کی، دوسری انگریزی ٹائپ شدہ جناب مولوی وکیل احسن التوحید صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ایل وکیل شہسرام میونسپل کمشنر شہسرام کی ہے۔ تیسری اردو میں سر محمد یعقوب صاحب ممبر کونسل اسٹیٹ کی ہے۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ

'نہایت ہی معزز سید خاندان کا ہوں، اعلیٰ قابلیت ہے، کامل تجربہ ہے، طریق تعلیم، حسن انتظام، اخلاق حسنہ، سلامت روی وغیرہ تمام اوصاف علیٰ وجہ الکمال ہیں۔ افسر و ماتحت ہمیشہ بے حد خوش رہتے ہیں۔ جس جگہ کے لئے درخواست کرتے ہیں، اس کے لئے بہر طور موزوں ہیں۔ یہی اس جگہ کامیاب ہو جائیں۔''

یوپی کے وزیر تعلیم کی سارٹیفکٹ یا سفارش حاصل نہیں ہو سکتی۔ سبز پوش * صاحب کی خدمت میں حضرت صدر الافاضل ** نے گرامی نامہ تحریر فرمادیا ہے۔ وہ ڈاکٹر محمود صاحب کو زوردار خط تحریر فرمادیں گے۔ ہندو ممبر انسپکٹر کا نام اور ڈائریکٹر کا نام بواپسی ڈاک تحریر فرمائیں۔ اپنی سعی و سفارش اور کاروائیوں سے بھی اور ان کے مرتب نتیجے سے بھی آگاہ فرماتے رہا کریں۔ غالباً پہلے معروضہ سے معلوم ہوا ہوگا، حضرت استاذی مولانا مشتاق احمد صاحب قبلہ ***کی خدمت میں عریضہ حاضر کردیا ہے۔ کمروں کی تعداد اور ان کی قیمتیں مکرر قاضی احسان الحق صاحب کے خط سے دریافت ہو چکی ہوں گی۔ حضرت صدر الافاضل کی خدمت میں ان کی تصانیف ارسال کرنے کے لئے عرض کردیا۔ فقط والسلام۔ رہین منت فقیر وصی احمد

مدرسہ جامعہ نعیمیہ، دیوان بازار۔ مراد آباد

اس خط میں غالبا بہار مدرسہ بورڈ سے ملحق مدرسہ خانقاہ کبیریہ شہسرام یا مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں تقرری کی درخواست ہے۔ ۱۹۴۶ء کے خط سے معلوم ہوگا کہ آپ مدرسہ خانقاہ کبیریہ میں مدرس دوم کی حیثیت سے منتخب ہو گئے اور ملک العلما اور آپ کی مشترکہ کوششیں کامیابی سے ہم کنار ہو گئیں۔

*سید شاہد علی سبز پوش گورکھپوری، خانقاہ رشیدیہ جونپور کے سجادہ نشین تھے اور بڑے اثر و رسوخ والے بزرگ۔ خود بھی اعلیٰ زمین دار اور باذوق تھے، اس لئے مقبول خلائق تھے اور سیاسی حلقہ بھی آپ کا خاصا معتقد تھا۔

**حضرت صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین اشرفی رضوی مراد آبادی علیہ الرحمہ (م ۱۳۶۷ھ) شاہ علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی قدس سرہ کے مرید اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے ممتاز خلیفہ تھے۔ زبردست خطیب، ماہر انشا پرداز، باتدبیر سیاست داں، لاجواب مناظر اور بہترین مدرس تھے۔ جامعہ نعیمیہ آپ ہی کے اسم مبارک

سے منسوب ہے جسے آپ نے قائم کیا اور پروان چڑھایا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے خاص نیاز مند تھے۔ مشہور ترجمہ "قرآن کنز الایمان پر آپ نے مختصر اور جامع تفسیر "خزائن العرفان" تحریر کی۔ اس کے علاوہ علم غیب رسول کے ثبوت میں الکلمۃ العلیانی علم المصطفیٰ، اطیب البیان فی الرد علی تقویۃ الایمان، التحقیقات لدفع التلبیسات، فرائد النورنی جرائد القبور وغیرہ تصنیف کیں۔ آریوں، عیسائیوں، وہابیوں اور دیوبندیوں سے کامیاب مناظرے کئے۔ ستیارتھ پرکاش کا قسط وار جواب ماہنامہ "السواد الاعظم" مراد آباد میں شائع کیا۔ شدھی سنگھٹن کے فتنے کو فرو کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ قیام پاکستان کے زبردست حامی تھے۔ آپ کی کوششوں سے بنارس میں عظیم الشان سنی کانفرنس ۱۹۴۶ء میں منعقد ہوئی جس کا تذکرہ آگے آتا ہے۔ پاکستان کی تاسیس کے بعد آپ لاہور تشریف لے گئے۔ شریعت اسلامیہ کی روشنی میں پاکستان اسمبلی کی دستور سازی کی ذمہ داری جن بزرگوں کے حوالے ہوئی، ان میں آپ بھی تھے لیکن زندگی نے وفا نہ کی اور ۱۹۴۸ء میں ہی آپ دنیا سے رخصت ہوئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

حضرت مولانا سید وصی احمد صاحب حضرت کے خاص نیاز مند اور منت کش تھے جس کی تائید پیش نظر مکاتیب سے بھی ہوتی ہے۔

☆☆ مولانا مشتاق احمد کانپوری (م ۱۳۵۲ھ) استاذ زمن علامہ احمد حسن کانپوری (م ۱۳۲۲ھ) کے صاحبزادے اور مولانا سید وصی احمد صاحب کے استاذ تھے۔ آپ کا حلقۂ درس کافی شہرت رکھتا تھا۔ علامہ حسن کانپوری سے ملک العلما نے بھی فیض اٹھایا ہے۔

---

۷۸۶ مولانا المحترم ذوالمجد والکرم زاد کرمہ وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ

مزاج اقدس مع متوسلین کرام مقرون بخیر و عافیت باد۔ پہلے بھائی عبد الحمید صاحب کی زبانی پھر آج ۲۸ نومبر سہ شنبہ کی ڈاک سے گرامی نامہ عزت افزا ہو کر کاشف حالات ہو۔ ان توجہات و ہمدردی اور نیاز مند نوازی کا شکریہ۔ بمصداق ؎

گر برتن من شود زباں ہر موئے یک شکر تو از ہزار نتواں کرد

کیا ادا کر سکتا ہوں بجز اس کے کہ التجا کروں اس کا نعم البدل دارین میں حق سبحانہ وتعالیٰ عطا فرمائے۔ چونکہ پرولیا والے جناب کے واسطے سے مدرس و مبلغ طلب کر رہے

ہیں۔ اس لئے یہی انسب ہے کہ اطمینان و پختگی کے لئے ذیل کے قابل استفسار امور جناب ہی دریافت اور طئے فرما کر بندے کو آگاہ فرمائیں:

(۱) مدرسہ چلانے کے لئے کوئی انجمن بھی قائم کی گئی ہے یا عالم صاحب کے تشریف لے جانے پر انجمن کا قیام عمل میں آئے گا؟

(۲) فی الحال مدرسہ کے مصارف کا کیا انتظام ہے؟ اگر چندے سے ہے تو اس وقت چندے کی وصولی کس قدر ہے اور کیا سرمایہ جمع کر لیا گیا ہے؟

(۳) مدرسہ کے مصارف، ملازموں کی تنخواہ کی وصولی کے کون کون صاحب ذمہ دار ہیں؟

(۴) تنخواہ ماہ بماہ وقت پر مل جائے گی یا نہیں؟

(۵) یہاں سے جو عالم صاحب تشریف لے جائیں گے، مدرسے میں کس درجہ کو پڑھائیں گے؟ اردو، فارسی، قرآن شریف ناظرہ اور حفظ پڑھائیں گے یا عربی تعلیم متعلق ہوگی؟ اسی طرح وہ امور جن کا دریافت فرمانا جناب بھی ضروری خیال فرمائیں، تحریر فرما کر ذریعہ ڈاک پہلے دریافت فرمالیں۔

حضرت مولانا المحترم سنیت کی تبلیغ نیازمند کی زندگی کے فرائض میں داخل ہے۔ بفضلہ تعالیٰ جس عنوان سے بھی ہو ہمیشہ سنیت کی تبلیغ کرتا رہا ہوں اور جب تک حیات مستعار ہے ان شاء اللہ تعالیٰ کرتا رہوں گا۔ جناب اپنی ہمدردی سے جہاں بھیجیں، جانے کو بہ دل تیار ہوں لیکن اتنی گزارش بجبوری ضرور ہے کہ حضرت مولانا نعیم الدین صاحب قبلہ پچاس روپیہ ماہوار دیتے تھے، مطب اور وعظ کی بھی آمدنی تھی ۔ یہ سب مل کر کنبہ کی ضروریات میں خرچ ہو جاتے تھے۔ اس لئے ۳۰ سے ہی زیادہ ہو جائے، پرولیا والوں سے اس کی کوشش بھی کریں اور تحدیث نعمت کے طور پر اس واقعیت کی اطلاع فرما دیں۔ نہایت جید عالم با عمل متقی پرہیزگار جن کے کئی سو شاگرد فارغ التحصیل عالم ہو کر ملک کے کونے کونے میں بڑی تنخواہیں پا کر دین کی خدمت کر رہے ہیں اور نہایت نرم لب و لہجہ میں شائستہ طریقہ پر درس اور وعظ بیان کرتے ہیں۔ ایسے جامع صفات عالم کو آپ کے یہاں دینی خدمات انجام دینے کے لئے بھیجا جا رہا ہے۔ ان کی خدمت گرامی سے دینی مقاصد میں آپ لوگوں کو بڑی کامیابی ہوگی اور آپ لوگ ان کی خدمتوں سے مستفید ہوں گے۔ اتنی قلیل تنخواہ ان کے اور ان کے متعلقین کے لئے بالکل ناکافی ہے فی الحال کم سے کم چالیس

روپے ماہوار اور تنخواہ زیادہ کرائیں اور وہاں سے محتم جواب طلب کریں کہ میرے جواب الجواب کی ضرورت نہ پڑے اور جلد مجھے طلب فرما کر وہاں بھیج سکیں۔ اگر سفر خرچ بھی منگا سکیں تو بہت ہی بہتر ہے۔ فقط والسلام۔ نیازمند وصی احمد

موضع کجاواں، ڈاکخانہ بتھا، پٹنہ

اس خط میں تاریخ درج نہیں لیکن پرولیا کی Vacancy کا تذکرہ ہے، اس لئے یہ تیسرے مکتوب سے پہلے کا تحریر کردہ ہے۔ اس زمانے میں مراسلہ نگار معاشی تنگ دستی کا سامنا کر رہے تھے، اسی لئے کئی خطوط میں ناسازگار حالات کا شکوہ اور اس کی تدبیر کے سلسلے میں گذارش ملتی ہے۔ ۱۹۹۴ء کے ایک مکتوب سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ۱۹۴۰ء میں بھی جامعہ نعیمیہ میں تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ایک وقفے سے ۱۹۴۰ء تک جامعہ نعیمیہ میں رہے۔ اس کی تائید مفتی یامین اشرفی صاحب کے بیان سے بھی ہوتی ہے کہ آپ دوبار جامعہ نعیمیہ میں مدرس کی حیثیت سے تشریف لائے۔

---

۷۸۶ مولانا المحترم! وعلیکم السلام

امید ہے مزاج اقدس بعافیت ہوگا۔

پرولیا والوں کا نیازمند کے پاس ابھی تک کوئی خط نہیں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل دستگیری فرمائے، اپنے حبیب مکرم رؤف ورحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے، تمام محبوبوں، مقبولوں مقربوں کے طفیل عاملہ بخیر فرمائے...... قلم کی جنبش اور ہاتھ میں مدرسہ شمس الھدیٰ کی تقرری کے لئے تیار ہے۔ ان کے قلب کو میرے لئے مہربان فرمائے اور اس جگہ مجھ عاجز بندے کی جلد تقرری فرما کر بیکاری کی روز افزاں پریشانیاں دور کرے آمین بحق حبیبہ وآلہ الطاہرین۔

حضرت مولانا المحترم میری عمر میں کبھی بھی ایسی پریشانی کا موقعہ نہیں آیا ہے۔ میرے خیال میں جب تک مدرسہ شمس الھدیٰ کی تقرری ہو، پرولیا والوں کا خط آجائے اور کوئی دوسری معقول صورت نیازمند کے لئے...... آپ اپنی تحریک سے ان لوگوں کو مائل کر دیں گے۔ اطراف میں مذہبی چند جلسے کوشش سنیوں کے خلاف...... نیازمند کی قربانی کام آجائے گی اور ان کی وجہ سے علاقے میں اثر وشہرت پیدا ہوجائیں گے جو بعد کی دینی

ضرورت کے لئے کام آئیں گے۔ نیاز مند بھی حضرت کے ہمراہ آجائے گا۔ آپ اپنے حالات اور دیگر مصروفیات سے آگاہ فرماتے رہیں گے۔ والسلام مع الاکرام۔

نیاز مند فقیر وصی احمد

موضع کجاواں، ڈاکخانہ بتھا ضلع پٹنہ۔ ۱۸ر دسمبر ۱۹۳۹ء

یہ مکتوب بہت بوسیدہ ہو چکا تھا جس کی وجہ سے اس کی زیراکس کاپی بہت مشکل سے پڑھنے میں آئی بعض مقامات بہت کوشش کے باوجود پڑھنے میں نہ آسکے۔ بالآخروہ جگہیں سادہ چھوڑنی پڑیں۔ اس مکتوب میں کوئی نئی بات نہیں، مکتوب بالا سے ہی اس کا مضمون منسلک ہے۔

---

۷۸۶ مخدومی مکرمی حضرت مولانا المحترم دامت برکاتکم! سلام مسنون!

حق سبحانہ وتعالیٰ سے دعا ہے مزاج اقدس مع متوسلین کرام بصحت وسلامت ہو۔ گرامی نامہ نے سرفراز فرمایا تھا۔ یقین ہے بریلی شریف حضرت کی خدمت اقدس میں معروضہ فرمایا ہوگا۔ وہاں سے کیا جواب مرحمت فرمایا، جلد آگاہ کریں، ہر وقت انتظار ہے۔ اواخر رمضان المبارک میں حضرت حجۃ الاسلام قبلہ دامت برکاتہم کی خدمت اقدس میں عریضہ حاضر کیا تھا۔ اس کا جواب ۳۱ر اکتوبر کو حضرت نے مرحمت فرمایا کہ معقول ومنقول کی اعلیٰ کتابیں پڑھانی ہوں گی۔ تین ماہ تک پینتیس روپیہ ماہوار دیئے جائیں گے۔ حسن کار گزاری دیکھنے کے بعد چوتھے مہینہ سے چالیس روپیہ ماہوار کر دیئے جائیں گے۔ جلد بریلی پہونچنے کی اطلاع دو۔ حضرت کے اس کرم نامہ کا جواب یکم نومبر کو پیش کر دیا کہ ہر وقت تیار ہوں۔ شوال المکرم کی کس تاریخ کو مدرسہ کھلے گا۔ میں کس روز خدمت میں حاضر ہوں؟ بواپسی ڈاک جلد آگاہ فرمائیں کہ حسب ارشاد خدمت اقدس میں حاضر ہو جاؤں۔ لیکن آج تیرہ دن ہو گئے، حضرت کا کوئی گرامی نامہ تشریف نہیں لایا۔ ہر روز نہایت بے چینی سے انتظار کر رہا ہوں۔

اگر آں مخدوم کے پاس حضرت کا والا نامہ نہیں پہونچا ہو فوراً دوسرا معروضہ حضرت کی خدمت میں پیش کر کے زور دیں کہ حضرت مجھے جلد طلب فرمائیں۔ بیکاری و ناداری کے روز افزوں مصائب سے بے حد تنگ ہو رہا ہوں۔ جس قدر جلد ممکن ہو، جواب

مرحمت فرما کر شکریہ کا موقعہ دیں والسلام۔ کمترین وصی احمد

موضع کجاواں ڈاکخانہ بتھا ضلع پٹنہ ۱۲ ارشوال المکرم ۱۳۶۹ھ چہار شنبہ

----

۷۸۶ حضرت مولانا المحترم دامت برکاتکم ! سلام مسنون!

امید ہے مزاج اقدس مع متوسلین کرام بخیر و عافیت ہوگا۔ حسب ارشاد بنارس کے قصد سے روانہ ہوا۔ بکسر * اسٹیشن پر حضرت حجۃ الاسلام دامت برکاتہم ** کی قدمبوسی ریل میں میسر ہوئی۔ ہمراہ رکاب بنارس حاضر ہوا۔ مراد آباد سے صدر الافاضل حضرت مولانا نعیم الدین صاحب قبلہ بھی تشریف لائے تھے۔ محدث صاحب *** شرکت نہ فرما سکے۔ دونوں حضرات نے حاجی جلال الدین صاحب سے میری تقرری کے لئے نہایت موثر کلمات میں ارشاد فرمایا۔ حاجی صاحب نے عرض کیا: تمام اراکین سے مشورے کے بعد اطلاع دوں گا۔ جلسہ ختم ہونے کے بعد حضرت حجۃ الاسلام قبلہ دامت برکاتہم وہیں رونق افروز رہے۔ میں حضرت سے اجازت لے کر کجاواں چلا آیا۔ پتہ بھی لکھ کر دے آیا تھا۔ حاجی صاحب نے ابھی تک کوئی اطلاع نہیں دی، ہر وقت انتظار ہے۔ اسی لئے حضرت محترم کی خدمت مبارکہ میں بنارس کے حالات تاخیر سے پیش کر رہا ہوں کہ آپ بھی منتظر ہوں گے۔ اس وقت کی گفتگو سے حاجی صاحب کا منشا دریافت ہوتا تھا کہ یہ پندرہ بیس روپے ماہوار کا مدرس چاہتے ہیں۔ اسی بنا پر وہاں کی امید بالکل ضعیف معلوم ہوتی ہے۔ بہر حال جو کچھ بھی حاجی صاحب اگر لکھیں گے، عرض کروں گا۔ حضرت محترم نے حضرت حجۃ الاسلام قبلہ دامت برکاتہم سے میری ہمدردیوں کے لئے جو کچھ عرض کیا تھا حضرت مجھ سے بیان فرما رہے تھے۔ فقیر بے نوا کی حق سبحانہ وتعالیٰ سے التجا ہے وہی آپ کی ان ہمدردیوں کا نعم البدل عطا فرمائے۔ ماشاء اللہ حضرت کی خدمت اقدس میں آپ کا رسوخ نہایت بلند مرتبہ ہے۔ خدا کرے آپ کے فیض و برکات سے ہم نیاز مند ہمیشہ متمتع ہوتے رہیں۔ اگر آپ حضرت سے عرض کر دیں کہ وہ مجھے اپنے مدرسہ میں طلب فرمالیں تو مجھے یقین ہے حضرت ضرور ضرور مجھے طلب فرمائیں گے۔ آپ کی عرض ہرگز رد نہ فرمائیں گے۔ خیریت اور حالات سے آگاہ فرما کر تسکین خاطر فرمائیں۔ فقط اطیب السلام باعظم التبجیل والاکرام۔

کمترین وصی احمد

موضع کجاواں ڈاکخانہ بتھا ضلع پٹنہ ۶ رمضان شریف، چہار شنبہ از شہسرام

٭بکسر، آرہ اور بلیا کے درمیان تاریخی مقام ہے جہاں کئی یادگار معرکے ہوئے۔ شیر شاہ نے بھی وہاں جنگ لڑی اور انگریزوں کے زمانے میں بھی معرکہ ہوا۔

٭٭حجۃ الاسلام علامہ محمد حامد رضا خان قادری برکاتی رضوی علیہ الرحمہ (م ۱۳۶۲ھ) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے بڑے شاہزادے تھے۔ نہایت وجیہ وشکیل، زبردست صلاحیتوں اور بہت ساری خوبیوں کے مالک تھے۔ درجنوں کتابیں آپ سے یادگار ہیں۔ زور بیان خوب پایا تھا۔ روئے انور پر ایسا ملکوتی نور برستا تھا کہ کئی ایک غیر مسلم صرف آپ کو دیکھ کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ بہترین شاعر تھے اور عربی زبان کے ماہر ادیب۔ الدولۃ المکیۃ کی تصنیف کے وقت والد ماجد اعلیٰ حضرت کے ہمراہ مکہ معظمہ میں تھے۔ آپ کے تلامذہ میں ملک العلما بھی آتے ہیں۔

٭٭٭ محدث اعظم ہند سید محمد کچھوچھوی (م ۱۳۸۳ھ/ ۱۹۶۳ء) امام احمد رضا کے تلمیذ اور گہرے نیاز مند تھے۔ سید مثنیٰ، سید محمد مدنی اور سید محمد ہاشمی آپ ہی کے صاحبزادگان ہیں۔ بہت زبردست خطیب اور مناظر تھے۔ اردو کے بہترین ادیب اور شاعر تھے۔ کنز الایمان سے استفادہ کرتے ہوئے قرآن حکیم کا اردو ترجمہ بھی فرمایا۔

----

۷۸۶ حضرت مولانا المحترم حامی دین متین دامت برکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج گرامی مع توسلین کرام مقرون بصحت وسلامت اور مشتمل بخیر وعافیت ہو۔ معرفت حاجی ظہور صاحب ٭کرم نامہ عزت افزا ہوا تھا۔ قوی امید ہے کہ پورنیہ و بریلی شریف کا سفر فی الحال نہیں تو آئندہ میرے لئے وسیلۃ الظفر ہوگا، لیکن گرامی نامہ کا مضمون مقصود کی طرف رہنمائی نہیں فرماتا ہے۔ مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔ اسی نے فضل فرمایا، حضرت سیدی صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب قبلہ دامت برکاتہم نے باوجود شدید مالی مشکلات کرم فرما کر شعبان المعظم تک کے لئے طلب فرمالیا ہے۔ اس کے بعد بھی اسی کے فضل کی امید ہے۔ آپ جیسے کرم فرما حضرات سے وہی کاربرآری فرمائے گا۔ آپ کی ہمدردی و توجہات سے آج نہیں تو کل ان شاء المولیٰ تعالیٰ ضرور کامیاب ہوں گا۔

والسلام باعظم التبجیل والاکرام۔ حضرت سیدی صدر الافاضل دامت برکاتہم اور حاجی ظہور صاحب سلام مسنون فرماتے ہیں۔ کمترین وصی احمد

جامعہ نعیمیہ۔ دیوان بازار، ۱۰ ر مئی ۱۹۴۰ء

اس مکتوب سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے ۱۹۳۹ء کے آس پاس بعض مجبوریوں کے پیش نظر جامعہ نعیمیہ چھوڑ دیا تھا لیکن جب پریشانیاں زیادہ بڑھیں تو پھر حضرت صدر الا فاضل سے رجوع فرمایا اور ایک سال کے لئے پھر مرادآباد آ گئے۔

* حاجی ظہور احمد صاحب نعیمی مرادآبادی، علم توقیت میں ملک العلما کے شاگرد ہیں۔ حضرت کے زیر سایہ رہ کر اس فن میں اتنی مہارت پیدا کر لی تھی کہ پورے متحدہ ہندوستان کے دائمی اوقات صلوٰۃ سمت قبلہ کے ساتھ نکالے اور ظہور الاوقات کے نام سے شائع کیا۔

---

۷۸۶ حضرت مولانا المحترم دامت برکاتکم السلام علیکم ورحمتہ وبرکاتہ

مزاج گرامی مع متوسلین کرام بعافیت باد۔ جس بچی کی علالت کی وجہ سے آنے کی عجلت تھی، بفضلہٖ تعالیٰ اس کے مرض میں اس وقت تخفیف ہے۔ بزرگوں کی دعا سے شافیٔ مطلق صحت عاجلہ بالغہ کاملہ عطا فرمائے۔ حضرت مخدوم بھی اپنی مقبول دعا سے دستگیری فرماتے رہیں۔ اب تک آپ کے گرامی نامہ کا منتظر ہوں۔ حجتہ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں صاحب قبلہ دامت برکاتہم کی خدمت اقدس میں معروضہ حاضر کیا یا نہیں اور حضرت موصوف نے کہاں تک عرض پذیری فرمائی اور کہ پورنیہ کے صاحبوں سے کیا گفتگو ہوئی؟ مختصر یہ کہ بیکاری کی روز افزوں پریشانیاں آپ کے علم میں ہیں۔ آپ کے لکھی اثر و وسیلہ سے حق سبحانہ وتعالیٰ جلد دور فرمائے۔ *حضرت مولانا مولوی نعیم الدین صاحب قبلہ کی خدمت مبارک میں جلسۂ رجبی شریف ** کے تفصیلی حالات اور آپ کے خلوص و موثر بیان کی روداد عرض کر دی ہے۔ حضرت کا گرامی نامہ آیا تھا۔ مرادآباد میں ہیضہ روزوں پر ہے۔ مولانا صاحب کی دو پوتیاں علی الاتصال یکے بعد دیگرے اس وبا میں فوت کر گئیں۔ لکھا تھا، گھر میں اور لوگ بھی بیمار ہیں۔ آپ بھی دعا کریں حضرت صدر الافاضل دامت برکاتہم کو مع متوسلین کرام مولیٰ تعالیٰ صحت وسلامتی کے ساتھ امن وعافیت میں رکھے۔ فقط

والسلام مع الاکرام کمترین وصی احمد

موضع کجاواں، ڈاکخانہ بتھا ضلع پٹنہ ۱۴؍رجب ۱۹۴۰ء

* یہ صدر الافاضل ہی ہیں، کوئی دوسرے عالم نہیں۔ آپ کی دو پوتیاں ہیضہ کی نذر ہو گئیں۔
** ملک العلما کی ایما پر رجبی شریف کا جلسہ سید شاہ حمید الدین صاحب سجادہ نشین تکیہ شریف میتن گھاٹ پٹنہ بہت اہتمام کے ساتھ منعقد کرتے اور ملک العلما کے ساتھ ساتھ اجلہ علمائے اہل سنت کو مدعو کرتے۔ اس کی روداد اور تقریر دونوں بعد میں شائع ہوتی۔ تنویر السراج فی ذکر المعراج ملک العلما کی ایسی ہی تقریروں کا مجموعہ ہے۔

---

۷۸۶ حضرت مولانا المحترم دامت برکاتہم! سلام مسنون!

حق سبحانہ وتعالیٰ سے دعا ہے، مزاج گرامی مع متوسلین کرام بخیر وعافیت ہوگا۔ آپ کی خدمت میں معروضہ حاضر کرنے کے بعد حضرت حجۃ الاسلام قبلہ دامت برکاتہم کا والا نامہ دربارہ طلبی شرف صدور لایا۔ حسب الحکم ۷ ارشوال المکرم کو کجاواں * سے روانہ ہو کر ۱۸ کو بریلی شریف حاضر ہوگیا۔ بمشاہرہ...... ماہوار مدرس دوم کی علمی خدمات تفویض فرمائی گئی ہے۔ فی الحال شرح عقائد خیالی، حمد اللہ، قاضی صدرا، ہدایہ اخیرین، توضیح تلویح ** پڑھا رہا ہوں لیکن قرض کے بار مصارف کی کثرت، آمدنی کی قلت سے ہر وقت پریشان ہوں۔ آپ حضرات کی بدولت، اس کے فضل سے یہ سہارا مل گیا ہے۔ اب آپ حضرات کی کریمانہ توجہات سے کاش مالی پریشانیاں بھی دور ہو جائیں اور یقین کرتا ہوں اگر آپ حضرات کرم فرما کی مخلصانہ توجہات رہیں تو ان شاء المولیٰ العزیز جلد ہی مالی مشکلات سے بھی مولیٰ تعالیٰ سبکدوشی ومخلصی مرحمت فرمائے گا۔ امید کہ خیریت وکوائف سامیہ سے برابر مطلع فرما کر شکریہ کا موقعہ دیتے رہیں گے۔ والسلام مع الاکرام۔

نیاز مند فقیر وصی احمد، مدرسہ منظر اسلام محلہ سوداگراں بریلی۔ ۶؍دسمبر ۱۹۴۰ء

* موضع کجاواں سے حضرت کا کیسا تعلق تھا۔ اس کا علم نہ ہو سکا۔ البتہ مکاتیب سے اندازہ ہوتا ہے کہ سفر سے واپسی کے بعد یہاں تشریف لاتے۔
** یہ ساری کتابیں منتہی درجات کی ہیں اور بہت معیاری۔ ان کتابوں کی تدریس کے لئے حجۃ الاسلام کا آپ کو منتخب کرنا، آپ کی علمی قابلیت اور اعلیٰ صلاحیت کی کھلی دلیل ہے۔

---

۸۶ ۷ حضرت محترمی دامت برکاتہم   سلام مسنون!

مزاج اقدس مع متوسلین کرام باصحت وسلامت باد۔

والا نامہ نے عزت افزائی فرمائی۔ آپ کے کریمانہ اخلاق و ہمدردیوں نے بندہ بے دام خریدہ بنا رکھا ہے۔ "بدرم خرید زری" کا محل ہی نہیں۔ یہ نقدی امداد کے احسان بار ہر طاقت سے باہر ہے۔ آپ بزرگوں کی دعائیں اور توجہات کارفرما اور دستگیر ہیں۔ ان شاء المولیٰ تعالیٰ ضرورتیں پوری ہوتی رہیں گی۔ اگر روپیہ ابھی روانہ نہ فرمایا ہو تو روانہ کریں، البتہ بنارس ضرور تشریف لے چلیں اور دوشنبہ کو دن کی اکسپریس سے تشریف لائیں۔ یہ کوئلیر * اسٹیشن پر ساڑھے دس، پونے گیارہ بجے پہونچتی ہے۔ اس اسٹیشن سے میں بھی ان شاء المولیٰ تعالیٰ ہمراہ رکاب ہوں گا۔ بہا اسٹیشن کے بعد کوئلر کا اسٹیشن ہے۔ اگر خدانخواستہ گاڑی سے آپ تشریف نہ لائے تو میرا سفر بالکل بے لطف ہو جائے گا۔ موقع نکال کر کسی طرح ضرور رخصت حاصل کر کے اور دوشنبہ کو دن کی اکسپریس سے ضرور ضرور تشریف لائیں۔ اس معروضہ کا جواب ذریعہ ڈاک روانہ فرمانے کی تکلیف نہ فرمائیں گے۔ اس لئے کہ یہاں ڈاک نوبت (بیٹ) سے آتی ہے۔ اب یہاں ڈاک آنے کا دن منگل ہے۔ آپ کا گرامی نامہ نہیں ملے گا، کیونکہ ہمراہ رکاب چلنے کے لئے کجاواں سے دوشنبہ روانہ ہو جاؤں گا۔ فقط والسلام مع الاکرام۔   ادنیٰ نیازمند

وصی احمد، کجاواں۔ ۲۱ردسمبر ۱۹۴۰ء

حضرت ملک العلما کی سفارش سے دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف میں آپ کی تقرری عمل میں آئی اور آپ ۱۹۴۰ء کو اخیر میں بریلی تشریف لے گئے۔ اس خط میں اسی احسان کا شکریہ ادا کیا گیا ہے۔

* کوئلیر، آرہ اور پٹنہ کے درمیان سون ندی کے ساحل پر واقع ریلوے اسٹیشن ہے۔

---

۸۶ ۷ حضرت مولانا المحترم ذی اللطف والکرم زید الطافکم وکرمکم!

سلام مسنون!

صحت وسلامت اور امن وعافیت آں مخدوم محترم مع متوسلین کرام مدام طلبگار۔ مجی عنایت فرمائے من مولوی مفتی جناب نواب مرزا صاحب * کی خدمت میں گرامی نامہ

پیش کر دیا تھا۔ یقین ہے فارم وغیرہ بھی حضرت مخدوم کے پاس پہونچ گئے ہوں گے۔ اس امر کی طرف اگر مناسب ہو تو توجہ فرمائیں۔ حضرت حجۃ الاسلام قبلہ دامت برکاتہم نے جس وقت طلب فرمایا تھا، گرامی نامہ میں تحریر فرمایا تھا۔ تین ماہ بعد پچاس روپے ماہوار کا اضافہ کرانے کی کوشش کروں گا۔ نیاز مند کی انتہائی مالی پریشانی جناب اور حضرت کے علم میں ہے۔ قرض کے بار سے سبکدوشی کی کوئی صورت نہیں ہے۔ مزید براں اس قلیل تنخواہ میں متعلقین کی ضرورتیں بھی پوری نہیں ہوتیں۔ ہر مہینہ قرض کا بار زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ یہاں حاضری کو چھٹا مہینہ ہے۔ حضرت حجۃ الاسلام قبلہ دامت برکاتہم کی خدمت اقدس میں مجھے عرض کرنے کی جرأت نہیں معلوم ہوتی۔ مناسب ہوگا اگر جناب حضرت کو تنخواہ کے اضافہ کے لئے متوجہ فرمادیں۔ **جناب مخدومی مولانا عبدالشکور صاحب مظفر پوری کا اب کیسا مزاج ہے؟ اگر تشریف رکھتے ہوں تو میری جانب سے مزاج پرسی فرمائیں۔ والسلام بالعظیم التبجیل والاکرام

کمترین وصی احمد شہسرامی

بریلی شریف۔ ۸/اپریل ۱۹۴۱ء

*مولانا نواب مرزا صاحب بریلوی، ملک العلما کے بے تکلف دوست اور اعلیٰ حضرت کے شاگرد تھے۔ علم توقیت میں ملک العلما کے ہم درس رہے۔ ملک العلما کے نام آپ کے ڈھیروں خطوط ملتے ہیں۔

**مولانا عبدالشکور مظفر پوری مدرسہ شمس الہدیٰ کے استاد تھے اور ملک العلما کے رفیق ادارہ۔

۸۶/ حضرت مخدومی و مخدوم العلما زید مجدکم! ہدیہ سلام مسنون!

آج یکم مئی کو ۸ بجے گرامی نامہ کے شرف وصول سے مشرف ہوا اور گیارہ بجے مدرسہ میں پیارے علی صاحب *مولانا نواب مرزا صاحب بریلی، ملک العلما کے بے تکلف دوست اور اعلیٰ حضرت کے شاگرد تھے۔ علم توقیت میں ملک العلما کے ہم درس تھے۔ ملک العلما کے نام آپ کے ڈھیروں خطوط ملتے ہیں۔ تشریف لاکر آپ کے نام کا مکتوب لے گئے۔ مکرمی مولوی نواب مرزا صاحب کے نام کا خط بھی ان کی خدمت میں بھیج دیا اور میں نے بھی جب خط آیا تھا، جواب لکھ دینے کو عرض کر دیا تھا، اب بھی بتاکید عرض کر دیا ہے۔ یقین ہے تصنیفات وغیرہا امور مستفسرہ کے متعلق وہ بہت جلد جواب جناب کی

خدمت مبارکہ میں حاضر کریں گے۔ دو ہفتہ سے زائد ہوا حضرت حجۃ الاسلام قبلہ دامت برکاتہم بنارس، الہ آباد تشریف لے گئے ہوئے ہیں۔ حضرت کی مراجعت پر معروضہ حاضر کرنے کا ارادہ تھا لیکن جب دوسرا گرامی نامہ تشریف لایا اور بوا پسی ڈاک جواب طلب فرمایا ہے تو آج ہی جواب حاضر کر رہا ہوں۔ کسی کو نہیں معلوم حضرت الہ آباد سے کب تک بریلی تشریف لائیں گے لیکن امید ہے جب بھی تشریف لائیں گے تو ان شاء المولیٰ بریلی ہی میں قیام فرما رہیں گے۔ جناب اطمینان رکھیں۔ ۴، ۵ مئی تک بھی اگر حضرت تشریف لائے تو دریافت کر کے مئی کی تواریخ متعلقہ میں یقینی طور پر قیام کہاں ہوگا، بذریعہ ڈاک اطلاع دوں گا کہ ۸/ مئی تک جناب کی خدمت میں پہونچ جائے گا۔ جس خط کا ذکر فرمایا تھا، نہیں معلوم آپ نے حضرت کی خدمت مبارکہ میں تحریر فرمایا یا نہیں؟ والسلام

کارڈ پر جواب حاضر کر رہا ہوں، معذوری اور اس کا نہایت افسوس ہے، معاف فرمائیں گے۔ سنا ہے دانا پور ** مدرسہ میں مدرس کی ضرورت ہے۔ تحریر فرمایئے۔

طالب عنایت

وصی احمد شہسرامی۔ بریلی شریف یکم مئی ۱۹۴۱ء

* پیارے علی صاحب بریلی میں رہتے تھے اور مہر ساز تھے۔ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضری اور ملک العلما کی شگفتہ مزاجی کی بدولت ملک العلما سے بے تکلف تھے۔ ان کے بھی متعدد خطوط ملک العلما کے نام ملتے ہیں۔

** دانا پور، پٹنہ سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر مشہور قصبہ ہے۔ سید محمد قایم قتیل دانا پوری اور ان کے صاحبزادے سید محمد طلحہ رضوی برق دانا پوری کافی شہرت رکھتے ہیں۔ سادات کرام کی خاصی تعداد یہاں سکونت پذیر ہے۔

---

۷۸ حضرت محترم زید مجد کم! سلام مسنون!

مزاج اقدس مع متوسلین کرام بعافیت باد۔ ہر دو گرامی نامہ کے جواب میں کل یکم مئی کو معروضہ حاضر خدمت کیا ہے، ملاحظہ کے شرف سے مشرف ہوگا۔ آج ۲/ مئی کو حضرت حجۃ الاسلام قبلہ مدظلہ بنارس الہ آباد کے سفر سے بخیریت تمام واپس تشریف لائے۔ جناب کے گرامی نامہ کا مضمون حضرت سے عرض کر کے دریافت کیا۔ فرمایا: آج ہی جواب لکھ دو

۔اب مسلسل آستانہ شریف ہی پر قیام رہے گا۔وکیل صاحب سے فرمادیں جس تاریخ اور جس ٹرین سے بریلی تشریف لائیں، ذریعہ تار اطلاع دیں کہ اسٹیشن پر آدمی موجود ملیں گے۔آستانہ عالیہ تک تشریف لانے میں سہولت ہوگی اور یہ بھی وکیل صاحب سے فرمادیں کہ قیام حضرت ہی کے کاشانہ اقدس پر فرمائیں گے۔ یہ خط اگر آج کی ڈاک سے نکل جائے گا تو ان شاء المولیٰ تعالیٰ ۴رمئی اتوار کو آپ کی خدمت مبارکہ میں پہنچ جائے گا۔

مکرمی مولانا سردار علی صاحب عرف مولانا عزو صاحب حضرت کے بھتیجے اور داماد ہیں۔غالباً موصوف سے جناب خواب واقف ہوں گے۔انہیں ایک کام نکالنے کے لئے جناب ابوبکر احمد عبدالحکیم صاحب نائب وائس چانسلر یونیورسٹی علی گڑھ پر اثر ڈالنا ہے*۔ابوبکر صاحب موصوف ارکی جہانا ضلع گیا کے رہنے والے ہیں۔آپ کا یا آپ کے احباب میں سے کسی کا اثر ہو تو بواپسی ڈاک تحریر فرمائیں۔بعد دریافت یہ بھی لکھیں کہ ابوبکر صاحب کن بزرگ سے مرید ہیں، ان کی عزیز داری کہاں کہاں ہے، احباب اور ان کے عزیزوں میں ان پر کسی کا زیادہ اثر ہے؟ اس کی جلد ضرورت ہے۔

مولوی عزیز الرحمٰن سلمہٗ وطن سے بنارس حضرت کی خدمت میں حاضر ہو گئے تھے اور سفر میں برابر حاضر رہے۔یہ بھی حضرت کے ہمراہ رکاب ہی آج بریلی تشریف لائے ہیں، سلام نیاز عرض کرتے ہیں۔والسلام مع الاکرام

ادنیٰ کمترین امیدوار عنایت

وصی احمد شہسرامی

محلہ سوداگراں، بریلی شریف ۲رمئی ۱۹۴۱ء

*اس کا ربط یہ ہے کہ حضرت ملک العلما کے صاحبزادے پروفیسر مختار الدین احمد ان دنوں علی گڑھ میں زیر تعلیم تھے۔اس لئے یہاں کے اکابر و احباب سے ملک العلما کے رابطے رہا کرتے تھے۔ریاضی کے ایک مسئلے کو حل کرنے کے لئے اس یونیورسٹی کے وائس چانسلر سر ضیاء الدین کی اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں حاضری سے بھی اس دانشگاہ کا رضوی حلقے سے ربط تھا۔اعلی حضرت کے ممتاز خلیفہ پروفیسر سید سلیمان اشرف شعبۂ اسلامک اسٹڈیز اے ایم یو کے چیئر مین تھے۔انہوں نے ہی سر ضیاء الدین کو اعلیٰ حضرت کی جانب متوجہ کیا تھا۔اس طور سے علی گڑھ کی سرزمین سے ملک العلما کے رابطے کی کئی جہتیں نکل آتی ہیں۔اسی لئے اس مکتوب میں Pro. V.C. سے رابطے کے لئے آپ کو وسیلہ بنایا گیا۔

٭٭حضرت مولانا سید وصی احمد صاحب کے عزیز شاگرد۔

---

۷۸۶ حضرت محترم زید مجدکم! سلام مسنون!

مزاج گرامی مع متوسلین کرام بخیر باد چونکہ پہلے گرامی نامہ میں مرسل وراقم کا نام و پتہ نہ تھا۔ اس لئے اس کا جواب محبی مولانا مولوی افضل الدین صاحب سلمہ کی معرفت آپ کی خدمت مبارک میں قرائن کی بنا پر حاضر کردیا تھا۔ کل شنبہ کو دوسرا گرامی نامہ موصول ہوا۔ ابراہیم صاحب کے متعلق مجھے کوئی علم نہیں۔ صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ کجاواں کے رہنے والے ہیں۔ ان کے بڑے بھائی عیسیٰ اسماعیلی صاحب سکریٹریٹ میں رہتے ہیں، ان کا بھی مفصل پتہ مجھے معلوم نہیں۔ انہیں کا پتہ دریافت فرما کر ان سے ابراہیم صاحب کے حالات معلوم کریں، شاید وہ کچھ بتا سکیں۔ حضرت صدر الافاضل مرادآبادی دامت برکاتہم کے مکتوبات مبارکہ تشریف لاتے رہتے ہیں۔ بعونہ العزیز الغالب عزت قدرتہ قصبہ شہرام کی سنی کانفرنس ٭ منعقد ہو چکی، تدبیریں کی جارہی ہیں۔ جس وقت اس کا جلسہ ہوگا، ان شاء المولیٰ تعالیٰ عرض کیا جائے گا۔ مولانا نجم الدین صاحب یہاں اپنے کو امام اہل سنت مجدد ملت اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شاگرد وخلیفہ ظاہر کرتے ہیں لیکن سنی کانفرنس کے انعقاد کے خلاف نہایت مکروہ پروپیگنڈے کے ساتھ مقابلہ کیا جس سے نہایت حیرانی و پریشانی ہے۔ یقین ہے آپ نے بھی شہری سنی کانفرنس قائم فرمالیا ہوگا۔ نہیں معلوم اس کے متعلق اس وقت آپ کیا کارگذاریاں انجام دے رہے ہیں۔ مولانا! اس وقت سنی دنیا بالکل فنا کے قریب پہونچ چکی ہے۔ بچنے اور بچانے میں ذرا بھی تساہل آیا پھر خدا ہی حافظ ہے۔ سنیوں کے مٹاڈالنے کے تمام آثار آپ کے سامنے آتے جارہے ہیں۔ جمعیت علمائے اسلام کلکتہ کی تاسیس خلافت المسلمین کا مسئلہ کتنا خطرناک ہے، اس کو خود آپ سمجھ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا اور اس کے حبیب رحمت عالم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس وقت ہمارے سنی علمائے کرام، مشائخ ذی احترام ایک مرکز پر جمع ہونے کے لئے میدان عمل میں آگئے اور بڑی سرگرمی سے جگہ جگہ سنی کانفرنسوں کے زبردست اجلاسوں سے سنیت کا اجتماعی مظاہرہ کیا جانے لگا ہے۔ یہ ہمارے بقا کی نہایت مبارک فال نیک ہے۔ بواپسی ڈاک اپنی تفصیلی خدمات سے آگاہ کریں۔ والسلام۔ ناچیز فقیر وصی احمد

مطب محلہ مدار دروازہ قصبہ شہسرام، ضلع آرہ ۲۰؍جنوری ۱۹۴۶ء

* تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کا آغاز بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں ہوا۔ ہندو مسلم اتحاد اور گاندھی گردی کے سیلاب میں اسلامی قدریں بھی پامال ہونے لگیں۔ دردمند اور باشعور مسلمانوں نے اس فتنے کے سد باد کی جانب خصوصی توجہ دی۔ اس خصوص میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ (م ۱۳۴۰ھ) اور ان کے تلامذہ وخلفا نے نمایاں کردار ادا کیا۔ اس تحریک تحفظ اسلام نے آگے چل کر دو قومی نظریے اور قیام پاکستان کی بنیاد رکھی۔ اعلیٰ حضرت نے اس ذیل میں اسلامی نقطۂ نظر واضح کرنے کے لئے المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ، انفس الفکر فی قربان البقر، دوام العیش فی الائمۃ من القریش اور ان کے عزیز نیاز مند اور خلیفہ سید سلیمان اشرف صدر شعبۂ اسلامک اسٹڈیز علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے النور، الرشاد جیسی گراں قدر کتابیں تحریر فرمائیں اور قوم کو اس فتنے سے آگاہ کیا۔ مسلمانوں کے قومی جذبات کے ساتھ سیاسی لیڈران کس طرح کھلواڑ کر رہے تھے، اس کا اندازہ ''النور'' کے اس اقتباس سے ہوتا ہے!

''شریعت نے جو اختیار عطا فرمایا، اس سے فائدہ اٹھانے کا ہمیں حق حاصل ہے۔ خوف فتنہ ہو تو حکومت کی قوت کو متوجہ کرنا چاہیے۔ بہ پاس خاطر ہنود یا خوف ہنود اپنے دینی حق سے باز رہنا ہرگز روا نہیں........

گائے کی قربانی مسلمانوں سے چھڑائی جاتی ہے۔ موحدین کی پیشانیوں پر قشقہ جو شعار شرک ہے، کھینچا جاتا ہے۔ مساجد ہنود کی تفرج گاہیں، مندر مسلمانوں کا مقدس معبد ہے۔ ہولی شعار اسلام ہے جس میں رنگ پاشی اور وہ بھی خاص اہل ہنود کے ہاتھوں جبکہ وہ نشۂ شراب میں بدمست ہوں، عجب دلکش عبادت ہے۔ بتوں پر ریوڑیاں چڑھانا، ہار پھولوں سے انہیں آراستہ کرنا، پھولوں کا تاج اصنام کے سروں پر رکھنا خالص توحید ہے؟ یہ سارے مسائل ان صورتوں میں اس لئے ڈھل گئے کہ ہندوؤں کی دل نوازی اور استرضا سے زیادہ اہم نہ توحید ہے، نہ رسالت، نہ معاد، نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ۔

(النور ص ۲-۸، بحوالہ باغی ہندوستان ص ۳۵۱)

یہ معاملات جب آگے بڑھے تو کانگریس مولویوں اور لیڈروں کی فتنہ انگیزی کے سد باب کے لئے ۱۹؍۲۰؍ شعبان المعظم ۱۳۵۸ھ/ ۳؍۴؍ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو مراد آباد میں

شاہزادہ اعلیٰ حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی کی صدارت میں اجلاس منعقد ہوا اور ایک جماعت موتمر العلما قائم کی گئی جس کا مقصد مسلمانوں میں پیدا ہونے والے مفاسد کی اصلاح اور خارجی حملوں کا دفاع تھا۔ یہی جماعت بعد میں آل انڈیا سنی کانفرنس کے نام سے مشہور ہوئی۔

اس کے بعد سنی کانفرنس کا ملک گیر سلسلہ چل نکلا جس کا تذکرہ حضرت مولانا سید وصی احمد صاحب نے اپنے مکتوب میں کیا ہے۔ سب سے بڑی کانفرنس ۲۶/۲۷/۲۸/ اپریل ۱۹۴۶ء کو بنارس میں منعقد ہوئی جس میں پانچ ہزار سے زائد صرف علما اور مشائخ نے شرکت کی۔ اسی میں قرارداد پاکستان پاس ہوئی اور اسلامی حکومت کے قیام اور اس کے قوانین مرتب کرنے لئے حضرات علما کی ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔

---

۷۸۶ حضرت رفیع الدرجت، عالی منقبت دام شرفکم و فیوضکم و برکاتکم!

السلام علیکم ورحمتہ و برکاتہ!

لفاف اور ذریعہ تار دس روپیہ ایک ساتھ پہونچا گو مدرسہ میں امتحان ٹسٹ ہو رہے تھے، حاضری کا موقع نہ تھا پھر بھی ارشاد عالی کی بجا آوری کا ارادہ کر کے منی آرڈر وصول کر لیا تھا۔ اور پنجشنبہ کے دن شہسرام سے روانہ ہو کر شب کو پہنچ جاتا اور پہلی شب کے جلسہ میں حاضری ہو جاتی لیکن چہار شنبہ کو تار ملا۔ التوائے تواریخ جلسہ سے مطلع ہو کر حسب تحریر اب تک گرامی نامہ کا انتظار رہا۔ بالآخر مفصل حالات دریافت طلب ہیں۔ معروضہ حاضر ہے۔ بواپسی ڈاک آگاہ فرمائیں اور اگر زیادہ دنوں کے لئے جلسہ ملتوی کر دیا گیا تو کرایہ کے روپے واپسی منگالیں از جانب عزیزان و احباب اہل سنت، ہدیہ سلام مسنون قبول باد۔

دیرینہ نیاز مند فقیر وصی احمد

مدرس دوم مدرسہ خانقاہ کبیریہ، شہسرام ۹/ مارچ ۱۹۴۹ء

از شہسرام ۲۴/ مارچ ۱۹۴۹ء ۷۸۶

حضرت مولانا محترم! زاد مجدکم و شرفکم! وعلیکم السلام ورحمتہ و برکاتہ

یہاں سے ان شاء المولیٰ العزیز پنجشنبہ کے دن دس بجے دن میں روانہ ہو کر نو

۸ بجے رات تک براہ گیا پٹنہ پہونچوں گا۔ اطلاعاً عرض ہے۔

حضرت مولانا شاہ صبیح الدین صاحب* اور احباب اہل سنت سلام مسنون عرض کرتے ہیں۔ مولوی نجم الدین صاحب بھی آپ کی خدمت میں ہدیہ سلام پیش کرتے ہیں۔ فقط والسلام

منجانب مولانا سید وصی احمد صاحب

* پٹنہ کا یہ جلسہ رجبی شریف تھا جس کے ساتویں اجلاس میں حضرت مولانا سید وصی احمد صاحب مقرر کی حیثیت سے تشریف لے گئے تھے۔ یہ جلسہ ہر سال بڑے اہتمام سے منعقد کیا جاتا جس کا سلسلہ بارہ تیرہ سال تک چلتا رہا۔

---

۷۸۶ حضرت اقدس، حامی اہل سنت دامت برکاتہم! السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ

صحت وسلامت، امن وعافیت اور ترقی درجات دارین مقرون حال سامی رہیں سنیت کے تبلیغی سلسلہ میں چند سال سے گیارہویں شریف کا جلسہ منعقد کیا جارہا ہے۔ امسال میری دلی خواہش ہے کہ آپ تشریف لاکر اپنے بیان سے جلسہ کو کامیاب فرمائیں۔ چاند کی گیارہ تاریخ کو ان شاء المولیٰ العزیز جلسہ ہوتا ہے۔ منظوری کے جواب باصواب سے مشرف ہونے کے بعد جلسہ کی تاریخ و دن سے مطلع کروں گا۔ آمد ورفت سفر خرچ حاضر کیا جائے گا۔ بواپسی ڈاک جواب باصواب سے سرفراز فرمائیں۔ والسلام بالعظیم التعجیل والاکرام۔

فقیر وصی احمد

مطب محلہ مدار دروازہ۔ قصبہ شہسرام ضلع آرہ۔ ۱۴؍دسمبر ۱۹۵۱ء

فقیر وصی احمد۔ شہسرام ۷۸۶ یکم جنوری ۱۹۵۲ء

حضرت محترم عم فیضکم الجاری! سلام مسنون!

مزاج مبارک مع متوسلین کرام بخیر وعافیت ہو۔ ۲۱؍دسمبر کو گرامی نامہ کا جواب حاضر کیا ہے۔ ۳۱؍دسمبر تک اس کا جواب موصول نہیں ہوا۔ ہر وقت شدید انتظار ہے۔ بواپسی ڈاک جلد از جلد جواب باصواب سے مطلع فرمائیں۔ بحمدہ تعالیٰ کچھ مزید خدمت کی امید ہوگئی ہے۔ ۲۵؍اور ۱۵؍کل چالیس کی قلیل رقم یہاں تشریف لانے پر خدمت مبارکہ میں ان شاء المولیٰ الکریم حاضر کی جائے گی۔ اب تک ۲۹؍کی رویت ثابت نہیں ہوئی ہے۔

بحساب ۳۰ر، گیارہ ماہ فاخر ربیع الآخر بروز پنجشنبہ مطابق ۱۰ر جنوری ۱۹۵۲ء ہے۔ گیا سے صبح کو جو پسنجر چل کر شہسرام ۹ر بجے دن کو پہنچتی ہے، اس سے تشریف لانا بہتر ہے ورنہ آخری گاڑی وہ پسنجر ہے جو گیا سے تین بجے سے پہلے دن میں چلتی ہے اور ۵:۳۰ بجے شام کو شہسرام پہونچتی ہے۔ بہر حال! جس گاڑی سے تشریف لائیں، آگاہ فرمائیں۔ نیاز مند پہلے سے اسٹیشن پر موجود رہیں گے اور ربیع الآخر جمعرات کا دن گزار کر شب جمعہ میں بعد مغرب جلسہ شروع ہوگا۔ والسلام

محبوبان بارگاہ احدیت قدست اسرارہم کے قدموں کی برکت ہے کہ شہسرام میں سنیت ہمیشہ غالب رہی اور شعائر سنیت بھی پورے اہتمام کے ساتھ برتے جاتے رہے۔ مورخ شہسرام مولانا ابو محمد وزیر علی خاں مصلح شہسرامی لکھتے ہیں:

"مسلمانوں میں اہل سنت والجماعت کے سوا اہل تشیع، وہابی یا قادیانی وغیرہ بالکل نہیں اور نہ یہاں کے پرانے خیالات والے پکے مسلمان اس کے روادار ہو سکتے ہیں۔"

(تاریخ شہسرام ص ۱۴۱)

محرم الحرام، ربیع الاول شریف اور گیارہویں شریف میں قرآن خوانی اور محفل میلاد کا خوب اہتمام رہتا ہے۔ جب کبھی سنیت کی رو دزم پڑتی، فوراً غیب سے کوئی تازہ انتظام ہو جاتا۔ ملک العلماء کے قیام شہسرام کے زمانے میں جشن معراج النبی کے جلسے بھی بہت اہتمام سے منعقد ہوتے۔ ۱۳۳۶ھ کے ایک جلسے کی دستاویزی رپورٹ پیش کرتا ہوں جس میں ملک العلماء بھی شریک تھے۔

ذکر معراج محمدی (۱۳۳۶ھ)

ورفعنا لک ذکرک کا ہے سایہ تجھ پر   بول بالا ہے ترا ذکر ہے اونچا تیرا
تو گھٹائے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے   جب بڑھائے تجھے اللہ تعالیٰ تیرا

چودھویں صدی کے عجائب وغرائب سے مدعیان اسلام وتوحید کا ذکر نبوی، میلاد محمدی کو مٹانے، مسلمانوں سے اس کا احترام دور کرنے کی کوشش بھی عجیب العجائب ہے کہ بے فائدہ دخول بدعت گناہ سے بڑھ کر کفر شرک تک بتانے میں بھی لوگ نہیں چوکتے۔ تقریر وتحریر جس طرح سے ہو سکتا ہے، اس کو دبانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر خدا کی شان کہ

یہ ذکر پاک گلاب کی مانند جتنی ہی اس کی شاخیں کاٹی جاتی ہیں اور بھی بڑھتا ہے۔ پہلے تو محبین وحلقہ بگوشاں میں میلاد محمدی ہی کا رواج تھا، اب تھوڑے دنوں سے میلاد کی ترقی کے ساتھ ساتھ جشن معراج کی ابتدا ہوئی اور تھوڑے ہی دنوں میں اس درجہ کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت و فرعھا فی السماء اس کی شاخیں بڑھیں کہ قریب قریب ہر شہر میں اس کا عام چرچا ہوگیا۔ اس سلسلے میں شہسرام ناصر الحکام ضلع شاہ آباد کی رجبی شریف (جشن معراج) بھی ہے کہ چند باہمت واہل محبت دلوں میں اس کا خیال پیدا ہوا اور عام مسلمانان شہر نے اس رائے پر صدائے لبیک بلند کی۔ مشاہیر علمائے شہر جناب مولانا مولوی ابوالحسن صاحب خوشدل و جناب مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب صدر مدرس مدرسہ عالیہ شہسرام و جناب مولانا مولوی فرخند علی صاحب مہتمم مدرس اول مدرسہ خیریہ شہسرام و جناب مولانا مولوی ابوصالح ظہیر الدین صاحب عوض مدرس کو مدرسہ عالیہ شہسرام و جناب مولوی ابوالبیان وزیر علی خان صاحب۔ احقر کی طرف سے عام مسلمانوں کی اطلاع کے لئے اشتہارات شائع ہوئے۔

اگر چہ یہ جلسہ شہسرام میں پہلا پہلا تھا۔ اس لئے بعضوں نے ناواقفیت اور بعضوں نے اور دیگر وجوہ سے ابتداء قدرے مخالفت کی مگر اصل حال معلوم ہونے کے بعد شہر میں سکون ہوگیا اور شب ۲۷ رکو باوجودیکہ ۹ ربجے سے وقت جلسہ قرار پایا لیکن قبل از وقت مکان جلسہ جامع مسجد اندرون احاطہ روضہ حسن خاں سور والد شیر شاہ بادشاہ، شائقین کی کثرت سے بھر گیا تھا جس میں طلبا، رؤساء، زمینداران، اہل کار، وکلاء، بیرسٹران، حکام غرض ہر طبقہ کے اہل شہر تھے۔ حسب قرارداد ۹ ربجے قراءت قرآن مجید سے جلسہ شروع ہوا پھر جناب حافظ رحمت علی صاحب نے نعت خوانی۔ کی اس کے بعد جناب مولوی محمد رمضان صاحب شہسرامی نے ایک موثر تقریر فرمائی۔ ۱۰ ربجے مولوی محمد ظہیر الدین صاحب ناظم جلسہ نے پون گھنٹہ تک ایک مبسوط تقریر میں اسرار و نکات اسراء و معراج کو بیان فرما کر حاضرین کو محظوظ کیا۔ گیارہ بجے جناب مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری صدر مدرس مدرسہ عالیہ شہسرام رونق افروز منبر ہوئے اور آیہ کریمہ 'الذی اسری بعبدہ' تلاوت فرما کر واقعات اسراء و معراج کو نہایت تفصیل کے ساتھ مطابق آیات کریمہ واحادیث صحیحہ بیان فرما کر بعض بعض نکات قرآنیہ ولطائف وعوارف بیان کرتے ہوئے رد شبہات وشکوک

منکرین کی طرف توجہ فرمائی اور نہایت نپے تلے جملوں اور سیدھے سادے لفظوں میں ایسے معرکتہ الآرا اعتراضات کا قلع قمع فرمایا جس سے حاضرین بہت محظوظ ہوئے۔

جس وقت آپ دعا سے فارغ ہوئے تو جناب مولوی ابو صالح ظہیر الدین صاحب، ناظم جلسہ نے مفتیان کرام، علمائے عظام اور شعرائے کرام کا شکریہ ادا کیا اور حاضرین سے عذر فرمایا کہ میں اس خیال سے کہ عام دستور ہے کہ شہر میں کیسے ہی ایک سے ایک بیان کرنے والے حضرات موجود ہوں مگر اہل شہر کی عموماً خواہش ہوتی ہے کہ کوئی صاحب باہر سے تشریف لائیں تو زیادہ دلچسپی ہو۔ اس امر کے پیش نظر سلطان الواعظین جناب مولانا مولوی شاہ عبدالاحد صاحب قادری برکاتی رضوی محدث پیلی بھیت کی خدمت میں شرکت جلسہ کا دعوت نام بھی گیا تھا مگر......اس کے بعد جناب مولانا مولوی محمد رضوان صاحب قادری دامت برکاتہم کی خدمت میں خرچ روانہ کیا جاچکا ہے مگر افسوس کہ گاڑیوں کے فیل ہونے کی وجہ سے وہ لوگ بروقت نہ پہونچ سکے ورنہ جلسہ کی رونق اور دوبالا ہوجاتی اور جلسہ شب بھر رہتا۔ الخ (قلمی اشتہار)

☆ حضرت مولانا سید شاہ غلام مخدوم مست شہسرامی علیہ الرحمہ (م ۱۹۵۵ء)

تذکرہ مسلم شعرائے بہار کے مرتب، آپ کے بارے میں جو تعارف پیش کرتے ہیں، سردست اسی کی پیشکش پر اکتفا کی جاتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

سید شاہ غلام مخدوم نام مست تخلص تھا، قصبہ شہسرام ضلع شاہ آباد آرہ محلہ کرن سرائے مسکن تھا۔ والد ماجد سید شاہ عبدالرحیم اس قصبہ کے مشہور رئیس تھے۔ جناب مست نے علوم ظاہری کی تکمیل جناب مولانا شوکت علی خاں مرحوم سے کی اور باطنی تعلیم اپنے جد امجد شاہ محمد عبدالکریم سے پائی۔ ابتداء میں صوفی تخلص کرتے تھے مگر جب آپ نے ایک دفعہ چائے نامہ لکھا اور جناب مولانا احمد رضا مغفور کے پاس بھیجا جسے مولانا ممدوح نے بہت پسند کیا اور آپ کو مست کا خطاب دیا تو پھر آپ نے مست تخلص اختیار کیا۔ آپ اپنے معاصرین شعرا میں امتیاز وعزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ۲۹ر مئی ۱۹۵۵ء کو انتقال کیا۔ نمونہ کلام یہ ہے:

یہ کس خورشید رو کی رونمائی کو نکلتا ہے   کہ سورج روز مرہ نور کے سانچے میں ڈھلتا ہے
زمیں کیا آسماں پر بھی حسیں رکھتے نہیں پاؤں   غرور حسن سے اوپر ہی اوپر ماہ چلتا ہے

(تذکرہ مسلم شعرائے بہار، جلد چہارم)

آپ کی یہ نظم ماہنامہ الرضا بریلی شریف جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ میں شائع ہوئی اور کافی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی گئی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ملک العلما کی شہسرام تشریف آوری کے بعد خانقاہ کبیر یہ بالخصوص اور اہل شہسرام بالعموم کے رابطے بارگاہ اعلیٰ حضرت سے اور مستحکم ہوئے تھے۔ ربط کی بے تکلفی یہاں تک بڑھی تھی کہ اہل ذوق اپنی نگارشات اعلیٰ حضرت جیسے مصروف محقق کی جناب میں ارسال فرمایا کرتے اور اس جناب سے اسے پسندیدگی کا تمغہ عطا ہوتا۔ اب وہ زعفران زار نظم ملاحظہ کیجئے جو واقعی کسی سرمست فکر کا ہی کرشمہ ہو سکتی ہے:

چائے نامہ

منظور جو ابتدا ہے خامہ — لکھ دو رقم سے چائے نامہ
صوفی ہوں تو لطف اور بھی ہو — چائے کا چمن میں دور بھی ہو
کہلاتی ہے یہ شراب صوفی — پیتے ہیں اسے جناب صوفی
دیکھو متر شدین آئے — پینے کے لئے چمن میں چائے
حکمت کی نگاہ سے جو دیکھیں — خلطوں کی طرح ہیں چار چیزیں
عنصر کی طرح ہیں چار اجزاء — انسان کی طرح ہیں چار اجزاء
کیلوس کی طرح پک رہی ہے — کیموں صفت مہک رہی ہے
شیرینی و شیر، چائے پانی — چاروں ہیں نشاط زندگانی
پانی سے ہے اس میں جان آتی — ہے آگ سے یہ فروغ پاتی
خالق نے کیا ہے خاک سے پاک — ہوتی ہے ہوا سے چست و چالاک
پاکیزہ لطیف نور ہے یہ — انساں نہیں تو حور ہے یہ
سونے کا ہے رنگ صاف ظاہر — اکسیر ہے صوفیوں کی خاطر
دل میں ہے عجب سرور دیکھو — آنکھوں میں بھرا ہے نور دیکھو
لذت میں ہے انگبین چائے — کہلاتی ہے یہ رنگین چائے
کیا در جہاں ہے چائے کشمیر — مشہور جہاں ہے چائے کشمیر
لپٹن کی ہیں پتیاں انوکھی — حوروں کی ادا، پری کی شوخی

لپٹن کی چائے کی ہے کیا بات
سب کی ہے غرض جدا جدا بات

کوئی ہے میری تو حور کوئی
نزدیک ہے کوئی دور کوئی

جب یاد پڑی جمائی آئی
انگڑائی پہ انگڑائی آئی

کس درجہ ہے ان کا حسن نمکیں
شیرینی ہے اس کی جان شیریں

ہے چاشنیٔ نبات و شیر آج
لب چاٹتے ہیں جوان و پیر آج

سرخی تو کمال کر رہی ہے
تیزی بھی حلال کر رہی ہے

ہے آب بقا سفیدیٔ شیر
ہو جائے جواں اگر چکھے پیر

جاڑے کا اگرچہ ہے مہینہ
حدّت سے بدن میں ہے پسینہ

کھل جاتے ہیں جسم کے مسامات
ہو جاتے ہیں پاک بد بخارات

جمشید کو اس کی بو جو لگ جائے
واللہ شراب سے قسم کھائے

چاء نوش بنے ہیں آج دولہا
صرصر کھڑی جھونکتی ہے چولھا

وہ شوخ ہے رنگ زعفرانی
پھیکی ہے شراب ارغوانی

جی چاہتا ہے دام لیجئے
پیسہ جو نہ ہو ادھار لیجئے

دل میں ہے ہوس کہ یار جانی
آنکھوں سے کریں مگس رانی

رکھے ہوئے طشت ہیں بلوری
مجلس سماں ہے چھائی نوری

یا در ہے بلور کی پیالی
سانچوں میں ہے نور کے وہ ڈھالی

پوشیدہ ہے اس میں دور کا بھید
ہے جام جہاں نمائے جمشید

منقوش دھری ہے چائے دانی
کیسی ہے بہار جاودانی

پھولوں میں ہے چار دن کو جوبن
اس کا ہے ہمیشہ رنگ و روغن

سن سن کے سماں داروں کی آہٹ
ہوتی ہے بدن میں سنسناہٹ

کوئلہ جو ہے دیگداں میں ڈالا
کالے کا نصیب ہے اجالا

شعلے کی طرح دھک رہے ہیں
پھولوں کی صفت مہک رہے ہیں

ڈالے ہیں جگر میں اس نے چھالے
دو گھونٹ پلا دے چائے والے

کی مست یہ تم نے کیا کرامات
مضمون نیا ہے اور نئی بات

یہ لال پری ہے رکھ کے دیکھو
باور جو نہ ہو تو چکھ کے دیکھو

مجبور ہوں میں زبان قاصر
خود دیکھ لیں اس کوپی کے ناظر

(امام احمد رضا دانشوروں کی نظر میں، پاکستان، ص ۱۶۲،۱۶۳)

حضرت ملک العلما کے حسن اخلاق کا کرشمہ ہے کہ لوگ ان کے گرویدہ ہو جاتے تھے اور انہیں اپنا ہمدرد سمجھنے لگتے تھے۔ قیام شہسرام کے دوران تو اراکین خانقاہ کبیر یہ سے رابطہ تھا ہی، یہاں سے پٹنہ شفٹ ہونے کے بعد بھی لوگ ان سے رابطہ رکھتے اور اپنا دکھ درد بانٹنے کی کوشش کرتے۔ ملک العلما جب ۱۹۴۸ء میں مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے پرنسپل ہو گئے تو بہت سے حضرات نے ان سے تقرری یا تقرری کے استقلال کے سلسلے میں کوشش کرنے کے لئے درخواستیں کیں۔ گذشتہ صفحات میں مولانا سید موسیٰ رضا اور مولانا سید وصی احمد صاحب کے خطوط گذر چکے۔ اسی طرح کے ایک معاملے میں مولانا سید غلام مخدوم فردوسی مست شہسرامی صاحب نے ملک العلما سے رابطہ بنایا اور یہ خط تحریر کیا:

شہسرام ۷۸۶ ۲۹/اگست ۱۹۴۹ء

دستگیر بیکس حضرت مولانا معظم ومکرم دام اقبالکم

خادمانہ گذارش ہے کہ گورنمنٹ کے نئے اسکیل کے مطابق سرٹیفیکٹس مانگی جاری ہے۔ جناب کو معلوم ہے کہ میں اس وقت کا تعلیم یافتہ ہوں جس وقت باضابطہ کوئی سرٹیکفیٹ منجانب گورنمنٹ کے فارسی کے متعلق نہیں ملتی تھی اور نہ سٹوفکیٹ وغیرہ کی اتنی کوئی پوچھ تھی۔ آپ کی دی ہوئی ایک سرٹیکفیٹ البتہ میرے پاس موجود ہے جو کسی وقت میں بورڈ کو پیش کی جا چکی ہے اور بہ حیثیت سٹوفکیٹ کے میں نے اس وقت بھی اس کو پیش کیا جس پر یہاں مجھے متوسط کے گریڈ میں لوگوں نے شمار کیا۔ جب میں نے یہ دیکھا تو مجھے بہت تعجب ہوا کہ درس نظامیہ کے لوگ جس طرح بعض مضمون کو پڑھاتے ہیں، اسی طرح میں بھی تو ایک مضمون فارسی ہے، پڑھاتا چلا آرہا ہوں جس میں مولوی عالم فاضل سب ہی شامل ہیں مجھے کیوں نہیں انہیں لوگوں میں شمار کیا جارہا ہے۔ یہاں بھی بعض لوگوں نے اپنے کو درس نظامیہ کا عالم فاضل پاس کہا ہے اور کوئی سٹوفکیٹ نہیں پیش کیا لیکن ان لوگوں کو منتہی کے گریڈ میں لکھا گیا ہے۔ آخر ایسا کیوں؟ کیا انصاف دنیا میں نام کو باقی نہ رہا جبکہ وہ لوگ بھی ایک ہی آدھ مضمون اور وہی مولوی، عالم، فاضل پڑھاتے ہیں۔ اسی طرح میں بھی تو فارسی اردو

ان ہی درجوں کو پڑھاتا ہوں مجھے کیوں متوسط کے گریڈ میں لکھا گیا؟

اس لئے میں خادمانہ آپ سے عرض کرر ہا ہوں کہ جناب اپنے علم کے مطابق جو کچھ میرے بارے میں جانتے ہیں سپرنٹنڈنٹ اسلامک اسٹڈیز سے فرمادیجئے ۔ ایک درخواست بحضور سپرنٹنڈٹ صاحب میں بھیج رہا ہوں اور جناب کی خدمت میں بھی یہ چند سطریں تحریر کر رہا ہوں کہ جناب سے بھی جو کچھ میری مدد ہو سکے، اپنی تحریر و تقریر سے فرمادیں گے ۔ کیونکہ میں جانتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ آپ جو کچھ میرے بارے میں کہہ سن سکتے ہیں، دوسرا نہیں کرسکتا ہے ۔ اس لئے اسی امید پر آپ کو اپنا ہمدرد جان کر لکھ رہا ہوں کہ آپ اسے نظر انداز نہیں فرماویں گے، ضرور کچھ نہ کچھ میرے بارے میں فرماویں گے ۔ اگر جناب کو فرصت ہو تو اس کے بعد جو سپرنٹنڈٹ صاحب کی کاروائی ہمارے بارے میں گذرے، اس کی اطلاع مجھے کرتے تو آپ کی بڑی مہربانی ہوتی ۔ مجھے قوی امید ہے کہ جناب سے جو کچھ ہو سکے گا، میری مدد فرماویں گے ۔ فقط والسلام خادم درگاہ

فقیر سید شاہ غلام مخدوم فردوسی مست شہسرامی

☆ حضرت مولانا ابو صالح ظہیر الدین فریدی علیہ الرحمہ (۱۸۷۷ء۔۱۹۶۵ء)

حضرت فریدی علیہ الرحمہ ایک پر جوش داعی حق، دین وسنت کے جواں حوصلہ مبلغ مشرقی علوم میں دستگاہ رکھنے والے فاضل اور خطیب، مدرس ومصنف، مناظر وشاعر تھے ۔ مولیٰ تعالیٰ نے بہترین تنظیمی صلاحیتوں سے بھی نوازا تھا ۔ خانقاہ کبیر یہ کے مدرس دوم اور اس کے تنظیمی امور کے انچارج کا عہدہ اور آل بہار بزم حنفی کی صدارت آپ کی تنظیمی صلاحیتوں کی بہترین شاہد ہے ۔ سنیت کی تبلیغ وحمایت اور باطل کی سرکوبی معاشرے کی اصلاح، افراد کی تربیت اور وعظ وتذکیر آپ کی زندگی کے اہم مشاغل تھے ۔ وہابیہ دیابنہ سے متعدد مناظرے بھی کیئے ۔ آپ کے منجھلے صاحبزادے مولانا احتشام الدین فریدی صاحب کے اندازے کے مطابق آپ کی ولادت ۱۸۷۷ء میں ہوئی ۔ حضرت مولانا ظہیر الدین فریدی کے والد ماجد حضرت مولانا فرید الدین چشتی اصدقی قدس سرہ معارف آگاہ بزرگ تھے اور بہت عالی نسبتیں رکھتے تھے، اس لئے حضرت مولانا ظہیر الدین صاحب کو اپنے گردو پیش بچپن ہی سے شرائع اسلام کے اعلیٰ عملی نمونے دیکھنے کو ملے ۔

آپ کا سلسلۂ نسب سولہ واسطوں سے شیخ الاسلام والمسلمین آقائے نعمت

حضرت علامہ شاہ فرید الدین گنج شکر قدس سرہ خلیفۂ اعظم حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ سے جاملتا ہے (تاریخ ابلاغ چشت ص ۹۸) سیدنا خواجہ فرید گنج شکر قدس سرہ اکیس واسطوں سے سیدنا امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاہزادوں میں آتے ہیں (بزم صوفیہ ۱۵۰)

حضرت مولانا ابو صالح ظہیر الدین فریدی علیہ الرحمہ کی رسم بسملہ خوانی والد ماجد نے کرائی اور اقراء کی تقریب سعید حضرت مولانا شاہ بشیر الدین علیہ الرحمہ کے زبان اقدس سے ہوئی جو نکاری ضلع گیا کے باشندہ تھے۔ ابتدائی تعلیم گھر میں ہوئی۔ ہدایہ اخیرین تک خانقاہ کبیریہ میں تعلیم پاتے رہے۔ مزید اعلیٰ تعلیم کے لئے مدرسہ اسلامیہ الہ آباد پہنچے اور وہیں ۱۹۱۱ء میں دستار فضیلت حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا عبدالکافی صاحب الہ آبادی قدس سرہ اور حضرت مولانا نذیر احمد سکندر پوری قابل ذکر ہیں۔

علمی استعداد گہری تھی، فن راسخ تھا اور عزم پختہ، اس لئے مدرسہ خانقاہ کی تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف، وعظ و تبلیغ اور بیعت و ارشاد کے سلسلے بھی جاری تھے۔ تصانیف میں۔ ۱۔ بیعت نامہ ۔۲۔ شمائل فریدی ۔۳۔ میلاد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۔۴۔ رسالہ سماع ۔۵۔ چہل حدیث وغیرہ ہیں جن میں سے اکثر شائع ہو چکی ہیں۔ آپ کے تبلیغی اسفار ملک کے بیشتر علاقوں میں ہوتے۔ لیکن خاص طور سے گیا، پلاموں، جھریا، کولفلڈ کے علاقے آپ کی توجہ کے خاص مرکز رہے۔ رنگ پور، دیناجپور، پورنیہ، کلکتہ اور ڈھاکہ بھی تشریف لے گئے۔ ان تمام علاقوں میں آپ کے دامن سے وابستہ لوگوں کی تعداد اچھی خاصی تھی۔ خطابت عالمانہ رنگ لئے ہوئے ذمہ دارانہ ہوا کرتی۔ سرزمین شہسرام کے زبردست فاضل حضرت مولانا نجم الدین علیہ الرحمہ مدرس اول خانقاہ کبیریہ فرمایا کرتے:

مولانا ظہیر الدین صاحب مضامین صحیح بیان کرتے ہیں، حدیث شریف صحیح پڑھتے ہیں ان کی تقریر ذمہ دارانہ اور سلجھی ہوتی ہے۔ طرز بیان بھی اعلیٰ درجہ کا ہے، اس لئے ہم لوگ شریک ہوتے ہیں (تاریخ ابلاغ چشت، ص ۱۵۵)

وہابیہ، دیابنہ سے متعدد مناظرے بھی کئے۔ آپ کے تبلیغی دوروں کے تعلق سے ماہنامہ سنی لکھنؤ لکھتا ہے:

مورخہ ۶ر فروری ۱۹۶۰ء سے ۲۴ر فروری تک جھریا کول فلڈ، کتراسی، گوبند پور،

گریڈیہ، شالیمار، پخت پور، اکڑا، سنٹرل کرکینڈ، میں حضرت مولانا شاہ ابوصالح ظہیر الدین احمد فریدی، صدر آل بہار بزم حنفی نے ایک تبلیغی دورہ فرمایا۔ ان اجلاس میں حضرت مولانا احتشام الدین فریدی، مولانا شبیر احمد اشرفی، جناب عابد عزیزی صاحب اور جناب آصف ظہیری صاحب نے رد وہابیت اور تبلیغ سنیت فرمائی۔ (ماہنامہ سنی، لکھنو، اپریل ۱۹۶۰ء، ص ۸)

آپ کے ایک مناظرے کی رپورٹ بھی ماہنامہ سنی لکھنو شعبان ۱۳۷۸ء مطابق مارچ ۱۹۵۹ء کے شمارے میں شائع ہوئی۔ یہ اقتباس آپ کے علمی استحضار، اعلیٰ قابلیت اور ذہنی جودت کا بہترین عکاس ہے کہ بغیر کسی سابقہ تیاری کے ان مخالفین سے برجستہ مناظرہ فرمایا جو پورے کیل کانٹوں سے لیس ہو کر میدان مقابلہ میں اترے تھے۔ ماہنامہ سنی لکھتا ہے:

۲۵ر دسمبر ۱۹۵۸ء کو موضع جنگل پور میں ایک عظیم الشان جلسہ سیرت منعقد ہوا جس میں سنی علماء مولانا احتشام الدین صاحب فریدی اور مولانا ابوصالح محمد ظہیر الدین صاحب شہر امی کے علاوہ کچھ وہابی مولویوں کو بھی بغرض مناظرہ وہابیوں نے مدعو کرلیا۔ مقررہ وقت پر دونوں فریق پہنچ گئے۔ وھابیہ کی جانب سے مولوی محی الدین، مولوی عبدالرزاق، مولوی عبدالمجید وغیرہ کتابوں کا پلندہ باندھ کر جلسہ گاہ میں پہونچے اور سنی علما کو مناظرے کا چیلنج دیا۔ سنی علما نے جواب دیا کہ ہم لوگ اگرچہ مناظرہ کے لئے مدعو نہیں کئے گئے ہیں پھر بھی آپ سوال کریں، ہم جواب دیں گے۔ وھابی ملاؤں نے سوالات شروع کردیئے اور سنی علماء نے قرآن واحادیث سے میلاد و قیام، فاتحہ واستمداد اولیا وغیرہ کا ثبوت دینا شروع کیا۔ وھابی مولوی عدم جواز پر کوئی ثبوت نہ پیش کرسکے۔ بعد میں پبلک ے خود ہی فیصلہ کردیا کہ علماء اہل سنت ہی حق پر ہیں۔ صلوۃ وسلام پر جلسہ کا اختتام ہوا۔

(ماہنامہ لکھنو، مارچ ۱۹۵۹ء ص ۲۴)

آپ کو بیعت وخلافت والد ماجد سے حاصل تھی اور اسی خاندانی سلسلہ عالیہ چشتیہ اصدقیہ میں بیعت لیتے۔ حضرت ملک العلما جب صدر مدرس بن کر شہر ام تشریف لائے تو آپ خانقاہ کبیریہ کے مدرس دوم کے عہدے پر فائز تھے۔ الدلائل القاہرہ میں حضرت ملک العلما کے تصدیقی کلمات کی آپ نے بھی ان لفظوں میں تصویب فرمائی۔

"الجواب صحیح۔ ابوصالح ظہیر الدین احمد فریدی مورخہ ۷ر فروری ۱۹۱۷ء روز چہار شنبہ انچارج مدرس مدرسہ عالیہ"۔

اخیر وقت تک ہوش وحواس سلامت رہے۔ فرائض وواجبات کی پابندی برقرار رہی۔ اخیر رات کی نماز عشا بھی تیمم سے ادا کی۔ بالآخر ۵؍شعبان المعظم ۱۳۸۵ھ مطابق ۳۰؍نومبر ۱۹۶۵ء چہارشنبہ کی شب میں بارہ بج کر بیس منٹ پر داعی اجل کو لبیک کہا اور اپنے کریم رب کے حضور حاضر ہوگئے۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعتہ۔

☆ حضرت مولانا حکیم محمد یحییٰ شہسرامی علیہ الرحمہ (م ۱۹۶۳ء)

حکیم محمد یحییٰ شہسرامی صاحب نے مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں حضرت مولانا عبدالکافی علیہ الرحمہ کے حضور زانوئے تلمذ تہ کیا اور وہیں سے فارغ التحصیل ہوئے۔ اس کے بعد لکھنو جا کر طبابت سیکھی۔ ابتداً کئی اضلع گیا میں علمی خدمات انجام دیں پھر شہسرام آگئے اور اپنے آبائی محلہ منڈی کشور خاں میں مطب کرلیا۔ متقی اور پرہیز گار انسان تھے، اس لئے شاہی عیدگاہ کی امامت بھی آپ کے سپرد رہی۔ ۸۴؍سال کی عمر میں ۱۹۶۳ء کی کسی شام کو اس دار فانی سے رخصت لی۔ مذہبی اعتبار سے متصلب سنی تھے۔ الدلائل القاہرہ پر آپ کے تصدیقی کلمات اس کا واضح ثبوت ہیں۔

ملک العلما کی اعلیٰ حضرت سے بے لوث عقیدت کا کرشمہ کہیئے کہ جہاں گئے ذکر رضا کرتے رہے اور فکر رضا کی اشاعت میں مصروف رہے اور یہ اعلیٰ حضرت کے عشق رسول کی برکت ہے کہ ہر سنی فرد ان سے محبت بھرے جذبے رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عشق رسول کے طفیل ہر فرد مومن کے دل میں ان کی محبت ڈال دی ہے۔ بیسویں صدی کے دوسرے دہے میں تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات برپا ہوئی۔ گاندھی گردی کے زیر اثر ہندو مسلم اتحاد نے ایسا رخ اختیار کیا کہ شعائر اسلام پر بھی ہاتھ صاف کئے جانے لگے۔ امت کے بہی خواہ اپنوں کی اس نادانی اور غیروں کی عیاری پر مضطرب ہوگئے۔ اعلیٰ حضرت نے اس وقت انفس الفکر فی قربان البقر لکھی جس میں قرآن وحدیث کی روشنی میں ثابت کیا کہ گائے کی قربانی مسلمانوں کا ملی حق ہے، اس سے دستبردار ہونا قطعاً روا نہیں۔ المحجۃ المؤتمنہ فی آیۃ الممتحنہ تحریر کی جس میں بیان فرمایا کہ قرآن وحدیث کے فرمان کے مطابق غیر مسلم، مسلمانوں کے حقیقی بہی خواہ کبھی نہیں ہوسکتے۔ جس طرح انگریز مسلمانوں کے بد خواہ ہیں اسی طرح مشرکین ہند بھی بدخواہ ہیں، خیر خواہ نہیں پھر انگریزوں کا بائیکاٹ اور ہندوؤں سے یارانہ کیسا؟ ان دونوں سے تعلقات کا سلسلہ معاملات تک محدود رکھنا چاہیے۔

یہی زمانہ تھا کہ شہسرام کے اسلامی دانشوروں نے بھی امام اہل سنت کی تائید کی اور ملک العلما کی صدارت میں یہ رزولیشن پاس کئے:

''علمائے شہسرام کا ایک غیر معمولی جلسہ بصدارت فاضل بہاری جناب مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری رضوی صدر مدرس مدرسہ عالیہ خانقاہ شہسرام ناصر الحکام محلہ دائرہ میں منعقد ہوا جس میں بالاتفاق یہ رزولیشن پاس ہوئے:

۱۔ یہ جلسہ ہندو مسلم اتفاق کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے بشرطیکہ حالاً یا مآلاً کسی جائز حق سے مسلمانوں کی دست برداری کا پیش خیمہ نہ ہو اور نہ مسلمانوں کے وقار دینی و دنیوی کے خلاف برادران وطن اس سے فائدہ اٹھانا چاہیں۔

محرک: مولوی ابو صالح محمد ظہیر الدین صاحب۔ مؤید: مولوی فرخند علی صاحب

۲۔ گائے کی قربانی کرنے کا مسلمانوں کو شرعاً قانوناً عقلاً ہر طرح حق ہے۔ جو شخص مسلمانوں کے ایک جائز حق کھونے کی فکر کرتا ہے، وہ ہر گز مسلمانوں کا خیر خواہ اور نمائندہ نہیں ہو سکتا اور نہ ایسی انجمن مسلمانوں کی بہی خواہ تصور کی جا سکتی ہے۔

محرک: فاضل بہاری مولانا محمد ظفر الدین، مؤید: مولوی سید موسیٰ رضا صاحب

۳۔ لکھنوی لیگ جس نے اپنا نام آل انڈیا مسلم لیگ رکھ لیا ہے، جبکہ مسلمانوں کے حقوق اس طرح پائمال کرنے کی فکر میں ہے تو اسے مسلمانوں کی نیابت کا کوئی حق نہیں۔ جب یہ انجمن گائے کی قربانی کے بارے میں جمہور مسلمانوں کے مطابق فیصلہ نہ کرے، ہر گز اس لقب کے مستحق نہیں۔

محرک: مولوی سید غلام مخدوم صاحب مست فردوسی۔ مؤید: مولوی شاہ عبد المجید صاحب

۴۔ خلافت کا سبز باغ دکھا کر مسلمانوں کو ایک جائز حق سے محروم کرنے کی ترکیب جو بعض لیڈران قوم کر رہے ہیں، یہ جلسہ اس پر نہایت حسرت و افسوس کرتا ہے۔ مسلمانوں کے نزدیک خلافت کی عزت وقدر صرف اسلام کے اعزاز و امداد کی وجہ سے ہے۔

محرک: مولوی سید شاہ عطا حسین ابو العلائی۔ مؤید: مولوی شاہ ظہیر الدین فاروقی۔

۵۔ یہ جلسہ عین الکرم، زین العجم، مجدد مائۃ حاضرہ، اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب قادری فاضل بریلوی متع اللہ المسلمین بطول بقاءہ کا مسلمانوں کی طرف سے شکریہ ادا کرتا ہے کہ آپ نے فتویٰ شائع فرما کر مسلمانوں کو حق کی رہنمائی فرمائی

اور تمام علمائے ہندوستان سے باادب گزارش کرتا ہے کہ ہر جگہ کے علما قربانی بقر کی تائید میں فتویٰ تحریر فرمائیں اور جملہ اسلامی انجمنوں سے التجا کرتا ہے کہ اس کی تائید میں رزولیوشن پاس کریں اور اسلامی اخبارات سے درخواست کرتا ہے کہ ان سب فتویٰ اور رزولیشن کو درج اخبار کر کے قوم پر احسان کریں۔

محرک: مولوی سید احمد عالم صاحب قادری، مؤید: مولوی فرخند علی صاحب مجددی

۶۔ علمائے شہسرام کا فتویٰ اور ان سب رزولیوشنوں کی نقلیں اسلامی اخبارات اور رسائل کو بھیجی جائیں۔

محرک: مولوی سید نصیر الدین صاحب۔ مؤید: مولوی سید عبد القادر صاحب فقط

(قلمی یادداشت مملوکہ ساحل شہسرامی)

☆ حضرت مولانا فرخند علی شہسرامی مدرس مدرسہ خانقاہ کبیریہ

☆ حضرت مولانا فہیم الدین شہسرامی مدرس مدرسہ خانقاہ کبیریہ

ان حضرات کے بارے میں صرف اتنا علم ہے کہ جب ملک العلما خانقاہ کبیریہ کے صدر مدرس تھے تو یہ حضرات بھی وہاں تدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ ان کی تصدیقات بھی الدلائل القاہرہ پر موجود ہیں، مدرسہ خیریہ نظامیہ شہسرام کی سالانہ روداد ۱۳۳۲ھ میں ان کے بھی تاثرات درج ہیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی تصنیف "الدلائل القاہرہ علی الکفرۃ النیاشرہ" کا تذکرہ بار بار ہوا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے کچھ اقتباسات درج کر دیئے جائیں تا کہ قارئین کو معلوم ہو سکے کہ مذکورہ بالا علمائے کرام نے اعلیٰ حضرت کے کس موقف کی تائید فرمائی۔

ہوا یہ کہ گونڈل کاٹھیاواڑ، راجستھان میں آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اراکین، متعلقین کے زیر اہتمام کاٹھیاواڑ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس منعقد ہوئی جس کے منشور میں یہ بھی شامل تھا کہ سنی مسلمان کے ساتھ ساتھ ہر کلمہ گو بدمذہب، رافضی، نیچری، قادیانی، چکڑالوی وغیرہم بھی اس کی ممبر شپ اختیار کر سکتا ہے۔ ایسی تنظیم کی رکنیت، اس کی مالی اعانت، اس کے اجلاس میں شرکت اور ایسے بدمذہبوں کے ساتھ باہمی معاملت، مسلمانوں کے لئے کتاب وسنت کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟ امام احمد رضا قادری قدس سرہ نے کتاب وسنت کی تائیدات پر مشتمل نہایت ہی ہمدردانہ اور ایمان افروز جواب تحریر

فرمایا، جس پر بہار، بنگال، ایم پی، حیدرآباد، کانپور، سیتاپور، احمدآباد، آگرہ، کاٹھیاواڑ، سورت، ملتان، مرادآباد، پیلی بھیت، شاہجہانپور، رامپور، میرٹھ، پنجاب، غرض متحدہ ہندو پاک کے اناسی اکابرین اسلام کی تائیدات اور تصدیقی کلمات موجود ہیں۔ یہ رسالہ حال ہی میں رضا اکیڈمی اور ادارہ افکار حق بائسی پورنیہ، نے خوبصورت انداز میں ''صلح کلیت اور دین حنیف'' کے نام سے شائع کیا ہے۔ اس کے کچھ اہم اقتباسات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ امام احمد رضا قادری قدس سرہ آیات کریمہ اور احادیث طیبہ سے اس امر کی حرمت وممانعت ثابت کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

''مسلمان کا ایمان ہے کہ اللہ ورسول سے زیادہ کوئی ہماری بھلائی چاہنے والا نہیں جل وعلاو صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ جس بات کی طرف بلائیں یقیناً ہمارے دونوں جہاں کا اس میں بھلا ہے اور جس بات سے منع فرمائیں بلاشبہ سراسر ضرور بلا ہے۔ مسلمان صورت میں ظاہر ہوکر جو ان کے حکم کے خلاف کی طرف بلائے، یقین جان لو کہ یہ ڈاکو ہے۔ اس کی تاویلوں پر ہرگز کان نہ رکھو۔ رہزن جو جماعت سے باہر نکل کر کسی کو لے جانا چاہتا ہے، ضرور چکنی چکنی باتیں کرے گا اور جب یہ دھوکے میں آیا اور ساتھ ہولیا تو گردن مارے گا، مال لوٹے گا۔ شامت اس بکری کی کہ اپنے راعی کا ارشاد نہ سنے اور بھیڑیا جو کسی بھیڑ کی اون پہن کر آیا، اس کے ساتھ ہولے۔ ارے مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمہیں منع فرماتے ہیں۔ وہ تمہارے جان سے بڑھ کر تمہارے خیر خواہ ہیں حریص علیکم تمہارا مشقت میں پڑنا ان کے قلب اقدس پر گراں ہے عزیز علیہ ما عنتم۔ واللہ وہ تم پر اس سے زیادہ مہربان ہیں جیسے نہایت چہیتی ماں اکلوتے بیٹے پر بالمومنین رؤف رحیم۔ ارے! ان کو سنو، ان کا دامن تھام لو، ان کے قدموں سے لپٹ جاؤ۔ وہ فرماتے ہیں ایاکم و ایاھم لایضلو نکم ولا یفتنو نکم۔ ان سے دور رہو اور ان کو اپنے سے دور کرو، کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں، کہیں وہ تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

ابن حبان، وطبرانی وعقیلی کی حدیث میں ہے کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: لاتو اکلو ھم ولا تشار بو ھم ولا تجالسو ھم ولا تنا کحو ھم واذا مرضوا فلا تعود و ھم و اذا ما تو افلا تشھدو ھم و لا تصلو اعلیھم و لا تصلو معھم۔ ان کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ، ان کے ساتھ پانی نہ پیو، ان کے پاس نہ بیٹھو، ان سے رشتہ نہ کرو، وہ

بیمار پڑیں تو پوچھنے نہ جاؤ، مر جائیں تو جنازہ پر نہ جاؤ، نہ ان کی نماز پڑھو، نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو۔

امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد اقدس نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں نماز مغرب کے بعد کسی مسافر کو بھوکا پایا، اپنے ساتھ کاشانہ خلافت میں لے آئے۔ اس کے لئے کھانا منگایا۔ جب وہ کھانے بیٹھا، کوئی بات بدمذہبی کی اس سے ظاہر ہوئی فوراً حکم ہوا کہ کھانا اٹھالیا جائے اور اسے نکال دیا جائے۔ سامنے سے کھانا اٹھوالیا اور اسے نکلوادیا۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کسی نے آکر عرض کیا کہ فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے۔ فرمایا: لا تقرائه منی السلام فانی سمعت انه احدث۔ میری طرف سے اسے سلام نہ کہنا کہ میں نے سنا ہے کہ اس نے کچھ بدمذہبی نکالی۔ سیدنا سعید بن جبیر شاگرد عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو راستہ میں ایک بدمذہب ملا۔ کہا کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ فرمایا میں سننا نہیں چاہتا۔ عرض کی ایک کلمہ۔ اپنا انگوٹھا چھنگلیا کے سرے پر رکھ کر فرمایا ولا نصف کلمة۔ آدھا لفظ بھی نہیں۔ لوگوں نے عرض کی، اس کا کیا سبب ہے؟ فرمایا از یشاں منہم ہے۔ امام محمد بن سیرین شاگرد انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دو مذہب آئے۔ عرض کی کہ کچھ احادیث نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سنائیں۔ فرمایا میں سننا نہیں چاہتا۔ انہوں نے اصرار کیا فرمایا: یا تو تم دونوں اٹھ جاؤ یا میں اٹھا جاتا ہوں۔ آخر وہ خائب وخاسر چلے گئے۔ لوگوں نے عرض کیا: اے امام! آپ کا کیا حرج تھا اگر وہ کچھ آیتیں یا حدیثیں سناتے۔ فرمایا میں نے خوف کیا کہ وہ آیات واحادیث کے ساتھ اپنی کچھ تاویل لگائے اور وہ میرے دل میں رہ جائے تو ہلاک ہو جاؤں۔ ائمہ کو یہ خوف تھا اور اب عوام کو یہ جرأت ہے ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ (صلح کلیت اور دین حنیف ص ۴۴ تا ۶۲)

اب حضرت ملک العلما کی صرف ان تصانیف کا تعارف پیش کرتا ہوں جو آپ نے قیام شہرام کے دوران تصنیف فرمائیں۔

حضرت ملک العلما علامہ مفتی محمد ظفر الدین قادری رضوی قدس سرہ زبردست علمی استحضار کے ساتھ ساتھ بڑے بااوقات شخص تھے۔ اخیر عمر میں جب کہ مرض وضعف نے قبضہ جمالیا تھا، رات گئے تک تصنیف وتالیف اور مطالعہ میں مصروف رہتے۔ مولیٰ تعالیٰ نے آپ کے اوقات میں بڑی برکت دے رکھی تھی۔ درس وافتا وعظ وتذکیر، درس قرآن

اور امامت، اسفار کی کثرت، سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی تصنیفات کی ترتیب وتبیض جیسی مصروفیات اور اس پر پچپن سال کے اندر ۷۰ سے زائد تحقیقی تصانیف کا عظیم الشان سرمایہ۔ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے اور ان کی فکر رسا کو مظہر فکر اعلیٰ حضرت کہنا پڑتا ہے۔

ان تصانیف میں درجن سے زائد قیام شہسرام کی یادگار ہیں۔ ۱۔ گنجینۂ مناظرہ ۔۲۔ کشف الستور عن مناظرۃ رامپور۔ ۳۔ موذن الاوقات۔ ۴۔ بدر الاسلام لمیقات کل الصلوٰۃ والصیام۔ ۵۔ عافیہ۔ ۶۔ وافیہ۔ ۷۔ تقریب۔ ۸۔ تذہیب۔ ۹۔ القصر المبنی علی بناء المغنی۔ ۱۰۔ نظم المبانی فی حروف المعانی۔ ۱۱۔ تحفۃ الاحباب فی فتح الکوۃ والباب۔ ۱۲۔ تحفۃ الاحباب فی احوال الاخیار۔ ۱۳۔ الاکسیر فی علم التکسیر۔ ۱۴۔ سرور القلب المحزون فی الصبر عن نور العیون۔ ان چودہ تصانیف کے علاوہ صحیح البھاری المعروف بہ جامع الرضوی کی ابتدا بھی شہسرام میں ہوئی۔ مولانا محمود احمد قادری لکھتے ہیں:

حضرت الاستاذ ملک العلما قدس سرہ کو ایک عرصہ سے فقہ حنفی کی ماخذ حدیثوں کے مجموعے کی ترتیب کا شدت سے خیال تھا۔ چنانچہ حضرت ممدوح نے شہسرام کے دور قیام میں اپنے استاذ اور مربی روحانی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی دعا واجازت کے بعد اس عظیم الشان کام کا آغاز کر دیا اور مسلسل سعی وانہماک اور کامل جاں فشانی کے دس برس مسائل احناف کی ماخذ حدیثوں کی جمع وترتیب میں گذرے۔ (ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور ۱۹۷۸ء ص ۱۱)

ملک العلما شہسرام ۱۳۳۴ھ میں تشریف لائے اور ۱۳۳۹ھ کے اوائل تک قیام فرما رہے۔ اس دوران آپ نے درج ذیل کتابیں تحریر فرمائیں:

☆ گنجینۂ مناظرہ (۱۳۳۴ھ) اس رسالے میں کلکتہ کے ایک مناظرے کی روداد ہے۔ جس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے پروفیسر مختار الدین احمد لکھتے ہیں:

"کلکتہ کے ایک عالم اور دیوبند کے تعلیم یافتہ مولوی ولی اللہ کھتری جے پوری نے ۱۳۳۴ھ میں حنفیوں کو مناظرہ کا چیلنج دے رکھا تھا۔ حاجی محمد لعل خان صاحب مدراسی نے فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک عریضہ بھیجا کہ براہ کرم مولانا محمد ظفر الدین قادری صاحب کو آمادہ کریں کہ وہ یہاں مناظرے کے لئے آجائیں۔ وہ حاجی محمد لعل خان صاحب کی دعوت اور اعلیٰ حضرت کے مشورے پر کلکتہ جانے کے لئے آمادہ ہو گئے تھے، لیکن سفر کی نوبت نہیں آئی۔ اس مناظرے کی تاریخیں مقرر نہ ہو سکیں۔ مہینوں

حاجی صاحب اور حاجی عبد الرحمٰن قادری برکاتی اور مولوی ولی اللہ صاحب کے درمیان خط و کتابت اور بالمشافہہ گفتگو ہوتی رہی لیکن مناظرے کی تاریخ، مقام اور موضوع مناظرہ طے نہ ہو سکا۔ اس رسالے میں مولوی ولی اللہ کی مناظرے سے روپوشی اور فرار کے حالات تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ اسے حاجی عبد الرحمٰن قادری نے اسی زمانے میں مطبع کلیمی کلکتہ سے ۱۹۱۶ء میں شائع کر دیا تھا۔ یہ ساٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔ تلاش سے ہمارے کتب خانے میں اس ایک نسخہ مل گیا ہے۔ (مکتوب پروفیسر مختار الدین احمد بنام پیرزادہ اقبال احمد فاروقی لاہور)

☆ کشف الستور عن مناظرۃ رامپور (۱۳۳۴ھ)

یہ حضرت ملک العلما کے مناظرہ رامپور کی رپورٹ ہے۔ تفصیل کا علم نہیں۔

☆ موذن الاوقات (۱۳۳۵ھ):

یہ حضرت ملک العلما کی بہت ہی مقبول تصنیف ہے جو کئی مرحلوں میں مرتب ہوتی رہی۔ نماز اور افطار و سحری کے لئے ہندوستان میں ۱۲؍ درجہ عرض (Latitude) سے ۳۴؍ درجہ عرض تک ۲۳؍ رسالوں کو مرتب کرنے کی ضرورت تھی۔ جیسے جیسے ضرورت داعی ہوتی گئی، حضرت ملک العلما رسالے مرتب کرتے رہے۔ سب سے پہلے بہار شریف عرض (Latitude) ۲۵؍ کے لئے رسالہ مرتب ہوا۔ پھر حسب ذیل دس شہروں کے اوقات صلوٰۃ و صیام مختلف احباب کی فرمائش پر مرتب ہوئے جس کی تفصیل ڈاکٹر مختار الدین آرزو صاحب نے یہ پیش کی ہے:

بمبئی: عرض ۲۴؍ درجہ حسب فرمائش مولانا ابو الفتح محمد حشمت علی خاں قادری رضوی تاریخ استخراج ذوالحجہ ۱۳۶۷ھ۔

کلکتہ: عرض ۲۲؍ حسب فرمائش حاجی محمد لعل خاں مرحوم زکریا اسٹریٹ کلکتہ۔

بہار شریف: عرض ۲۵؍ بخط مصنف محفوظ

کانپور: عرض ۲۶؍ بخط مصنف محفوظ

گوالیار: عرض ۲۶؍ حسب فرمائش مولانا حسنین رضا خاں خلف حضرت حسن بریلوی

نینی تال: عرض ۲۹؍ حسب فرمائش مولانا قاری شاہ محمد حامد رضا خاں قادری نوری رضوی

ملتان: عرض ۳۰؍ فرمائش جناب نیاز احمد قاری۔ لوہاری دروازہ ملتان

لاہور: عرض ۳۱ر حسب فرمائش مولانا ابوالحسنات سید احمد۔ حزب الاحناف لاہور۔

ان میں صرف چند رسالے شائع ہو سکے۔ قصبہ بہار شریف کے لئے جو رسالہ مرتب ہوا، اس کے دس بارہ ایڈیشن کلکتہ اور پٹنہ میں چھپے۔ گوالیار کے لئے ۱۳۶۴ھ میں طبع ہوا۔ بریلی اور نینی تال کے رسالے مطبع حسنی بریلی نے ۱۳۴۷ھ میں شائع کئے۔

(حیات ملک العلماص ۱۹)

☆ بدر الاسلام لمیقات کل الصلوۃ والصیام (۱۳۳۵ھ)

اس کے تعارف میں ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب لکھتے ہیں:

مصنف تمہید میں رقم پرداز ہیں: ”تقریباً گیارہ سال سے خاکسار، برادران دینی کی خدمت اور ان کے روزوں کی درستی وصحت کے لئے ہر سال رمضان شریف کے نقشۂ اوقات صوم وصلوٰۃ، زیج وتوقیت کے قواعد خاصہ سے ترتیب دیتا ہے اور مخلص قدیم حاجی محمد لعل خاں صاحب مدراسی شائع کرتے ہیں۔ باقی گیارہ مہینوں میں نمازوں کی ابتری دیکھ دیکھ کر دل پریشان ہوتا تھا کہ اوقات نماز صحیح طور پر نہ معلوم ہونے کے سبب بعض لوگ تاخیر کو انتہا تک پہنچا دیتے ہیں اور اکثر لوگ جلدی کرتے ہیں کہ قبل از وقت نماز پڑھ لیتے ہیں خصوصاً عصر وعشا میں تو قبل از وقت حنفی نماز پڑھنا ہندوستان میں عام طور پر رائج ہو گیا ہے۔ انہی ضرورتوں کے پیش نظر میں نے ایک رسالہ مسمّی بنام تاریخی ”بدر الاسلام لمیقات کل الصلاۃ والصیام“ تصنیف کیا جسے علاوہ تمہید، تین مقاصد اور ایک خاتمہ پر ترتیب دیا:

مقصد اول: قواعد استخراج اوقات وبیان کتب ضروریہ

مقصد دوم: میل کلی ۲۳ر درجے ۲۷ر دقیقے مان کر پٹنہ کے لئے روزوں اور نمازوں کے اوقات جو تقریباً پچاس سال کے لئے کار آمد ہوں گے۔

مقصد سوم: عرض ۵ درجے سے ۳۶ر درجے تک جملہ بلاد وقصبات ومشہور قریات کا پٹنہ سے فصل طول کا اس قدر منٹ سکنڈ گھٹانے یا بڑھانے سے ان تمام آبادیوں کے لئے وہی وقت کار آمد ہوگا۔

خاتمہ: میں فن زیج وتوقیت کے نہایت نایاب وقیمتی مسائل جن کا جاننا مسلمانوں کو از بس ضروری وغایت درجہ مفید ہے۔“

اقتباس از تمہید محررہ ۲۵ر ذوالحجہ ۱۳۳۵ھ۔ یہ رسالہ ۷ر جزو میں ہے۔ مکمل

رسالہ شائع نہیں ہوسکا۔ (حیات ملک العلماص ۱۸)

☆ عافیہ (۱۳۳۵ھ) علم صرف میں ایک مقبول عالم پسندیدہ تصنیف ہے جو میزان سے شافیہ تک کے جملہ صرفی مسائل کو جامع ہے۔ ساٹھ صفحات پر مشتمل، اختصار اور جامعیت لئے ہوئے مطبع حسنی آستانہ عالیہ رضویہ سوداگراں بریلی شریف سے ۱۹۴۶ء میں شائع ہوئی۔

☆ وافیہ (۱۳۳۵ھ) علم نحو میں بے مثل، عام فہم رسالہ جس میں نحو میر سے لے کر مغنی اللبیب جیسی منتہی کتابوں کے مسائل شاندار جامعیت کے ساتھ موجود ہیں۔ اس کا ایک قلمی خوشخط نسخہ (۱۲۸ رصفحات) پر مشتمل ڈاکٹر مختار الدین صاحب کے ذخیرۂ کتب میں محفوظ ہے۔

☆ تقریب (۱۳۳۵ھ) علم منطق میں ایک مفید اور جامع رسالہ جو صغریٰ سے سلم تک کے مسائل کو جامعیت اور اختصار کے ساتھ محیط ہے۔

☆ تذہیب (۱۳۳۵ھ) اردو میں علم فلسفہ کا بے نظیر رسالہ جو جملہ ابتدائی اور ضروری مسائل کو حاوی ہے۔

وافیہ، تقریب اور تذہیب کچھ داخلی عوامل کے سبب نہ چھپ سکے۔ خطی نسخے ڈاکٹر مختار الدین آرزو صاحب کے پاس محفوظ ہیں۔

☆ القصر المبنی علیٰ بناء المغنی (۱۳۳۶ھ) مغنی اللبیب علم نحو کی ایک اعلیٰ اور معیاری کتاب ہے۔ یہ رسالہ اسی عربی کتاب کی عربی شرح ہے۔ اس کے بارے میں ڈاکٹر مختار الدین صاحب لکھتے ہیں:

''علم نحو میں یہ رسالہ مغنی اللبیب کی عربی میں شرح ہے جو غیر مکمل حالت میں ملی ہے۔ ابتداء میں کوئی مقدمہ یا تمہید موجود نہیں ہے۔ نسخہ ناقص الآخر ہے۔ اصل مسودے کی مصنف کے قلم سے تبیض مکمل نہ ہوسکی۔ تاریخ تحریر ۲۴ رمحرم الحرام ۱۳۳۶ھ''

☆ نظم المبانی فی حروف المعانی (۱۳۳۷ھ) فن نحو میں ایک مختصر اور جامع رسالہ ہے۔

☆ تحفۃ الاحباب فی فتح الکوۃ والباب (۱۳۳۶ھ)

۱۹۱۸ء میں شہر ارم کے ایک صاحب نے دو منزلہ مکان کے ایک حصے کو سہ منزلہ کردیا۔ زنانہ مکان ہونے کی وجہ سے تین طرف پردے کی دیوار کھنچوائی۔ ہوا کی آمد و رفت کے لئے چوتھی سمت ایک کھڑکی لگوائی۔ اس پر ایک پڑوسی نے اعتراض کیا اور عدالت میں مقدمہ دائر کردیا۔ فیصلہ مدعی کے خلاف ہوا۔ ایک صاحب کو ثالث مقرر کیا

گیا کہ خوش اسلوبی سے یہ مسئلہ طے ہو جائے۔ انہوں نے مدعی کی حمایت کی اور فیصلہ لکھا کہ کھڑکی بند کر دی جائے اور چھت پر جانے کی ممانعت کر دی۔ شہر کے بعض اصحاب نے ملک العلما سے فقہی مسئلہ پوچھا تو آپ نے ۳۳ فصلوں میں ثالث صاحب کے فیصلے کی اغلاط شرعیہ و اوہام باطلہ ظاہر کر کے علمائے کرام و فقہائے عظام کی تصانیف سے فیصلے کا رد کیا اور ثابت کیا کہ یہ امام اعظم، امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر، امام حسن بن زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین کے مسلک کے خلاف، ظاہر الروایہ کے خلاف اور عقل و درایت کے بھی خلاف ہے۔

یہ رسالہ ۴۶ صفحات پر مشتمل بخط مصنف محفوظ ہے اور اس پر فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کی اصلاحات و ترمیمات ان کے قلم سے درج ہیں۔ یہ رسالہ اب ناچیز کے مرتب کردہ فتاویٰ ملک العلما میں چھپ چکا ہے۔

☆ تحفۃ الاحبار فی احوال الاخیار (۱۳۳۷ھ) بزرگوں کے حالات پر مشتمل ایک تصنیف۔

☆ الاکسیر فی علم التکسیر (۱۳۳۷ھ) فن تکسیر میں ایک رسالہ

☆ سرور القلب المحزون فی الصبر عن نور العیون (۱۳۳۸ھ) اخلاقیات کے موضوع پر یہ رسالہ ۱۳۳۸ھ میں مکمل ہوا۔ ناچیز نے اس رسالے کو ایڈٹ کیا اور المجمع العلمی ہزاری باغ نے "اسلامی نظریہ موت" کے نام سے شائع کیا۔

☆ صحیح البھاری شریف۔

فقہ حنفی کی موید احادیث طیبہ کا شاندار مجموعہ جس کی تدوین حضرت ملک العلما قدس سرہ کا نہایت قابل قدر، انمول اور لازوال کارنامہ ہے اور آپ کی پاکیزہ زندگی کے قیمتی لمحات کا حاصل۔ اس گرانقدر اور مبارک تصنیف میں آپ نے عمر گرانمایہ کے قیمتی دس سال نذر کئے۔ جس کا خاکہ چھ جلدوں پر مشتمل تھا اور ہر جلد میں تقریباً دس ہزار ایسی احادیث طیبہ ذکر کرنے کا ارادہ تھا جو فقہ حنفی کی موید تھیں۔

اس شاندار مجموعہ احادیث کی صرف دوسری جلد ہی اشاعت و طباعت کے مرحلے سے گزر سکی جسے آسانی کے لئے چار اجزا میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ اس جلد کی ابتداء شہسرام کے دوران قیام ہوئی۔ اس کے آغاز میں اصول حدیث کے جامع نکات پر مشتمل ایک بیش قیمت مقدمہ ہے جو علم حدیث اور متعلقات حدیث کے اصول پر مشتمل ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب دوسری جلد اور اس کے مقدمہ کے تعارف میں رقم طراز ہیں:

''صحیح البھاری کی جلد دوم طہارت وصلوٰۃ کی احادیث پر مشتمل ہے۔ آسانی کے لئے چار حصوں میں شائع کی گئی۔ پہلا حصہ یعنی کتاب الطہارت ۲۲۰ر صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں ۲۲۳۴ر احادیث درج ہیں۔ یہ حصہ شیخ غفور بخش کے ابو العلائی الکٹرک پریس آگرہ سے ۱۹۳۱ء میں چھپا۔ بقیہ تین حصے جو کتاب الصلوٰۃ پر مشتمل ہیں، سید منظر علی دسنوی کے برقی پریس سبزی باغ پٹنہ سے ۱۹۳۲ء میں چھپنے شروع ہوئے اور ۱۹۳۷ء میں اختتام پذیر ہوئے۔ دوسرا حصہ ۲۸۸ر صفحات پر مکمل ہوا۔ اس میں ۳۰۶۸ حدیثیں ہیں۔ تیسرے حصے کے صفحات ۲۱۶ر ہیں اور حدیثوں کی تعداد ۲۱۳۶ر ہے۔ چوتھے حصے کے صفحات کی تعداد ۲۳۹ر ہے اور یہ ۱۸۴۹ر احادیث پر مشتمل ہے۔ مکمل جلد کے صفحات ۹۶۰ر ہیں اور احادیث کی مجموعی تعداد ۹۲۸۷ر تک جا پہنچی ہے۔ مختصر لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں صحیح البہاری کی مطبوعہ جلد تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے اور احادیث کی تعداد دس ہزار کے قریب ہے۔

مقدمہ جو ۲۵ر صفحات پر پھیلا ہوا ہے، ہر طرح قابل قدر ہے۔ اس میں اصول حدیث کے ضروری فوائد ۳۲ فصلوں میں لکھے گئے جن میں نہایت قیمتی علمی معلومات درج ہیں جن کا جاننا حدیث شریف کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے بے حد ضروری ہے۔ مقدمہ تحریر کرتے وقت مولف علام کے پیش نظر اصول حدیث کی امہات کتب تھیں لیکن سب زیادہ استفادہ انہوں نے اعلیٰ حضرت کے ان تفردات سے کیا ہے جنہیں برسوں پہلے انہوں نے بڑی توجہ اور انہماک سے جمع کر کے ''الافادات الرضویہ'' کے نام سے مرتب فرمایا تھا۔

(حیات ملک العلماص ۳۹)

اس جلد کے چاروں اجزاء کی یکجا اشاعت ابھی کچھ سالوں پہلے پاکستان میں چند مخلص اور جید علمائے کرام کے تعاون سے ہوئی جس کے شروع میں حضرت ملک العلما قدس سرہ کی حیات وخدمات پر مشتمل ایک جامع تعارف بھی اردو زبان میں شامل ہے جسے حضرت کے صاحبزادے ڈاکٹر مختار الدین آرزو صاحب نے تحریر کیا ہے۔ یہی تعارف الگ سے دارہ معارف نعمانیہ ۳۲۳۔ شاد باغ لاہور نے ''حیات ملک العلماء'' کے نام سے

کتابی شکل میں شائع کیا ہے۔

استدراک و اضافات

از: پروفیسر مختار الدین احمد علی گڑھ

''اس مضمون کے سلسلے میں کچھ توضیحات ضروری ہیں۔ سب سے پہلے ''شہسرام'' کے سلسلے میں کچھ عرض کیا جاتا ہے جس سے بعض قارئین ''جہان رضا'' بہت کم واقف ہوں گے۔ ''کواتھ'' اور ''آرہ'' کے بلگرامی خانوادے کے ایک سیدزادہ مولانا شاہ احسن مارہروی کے عزیز اور مدرسہ خانقاہ کبیر شہسرام کے تعلیم یافتہ سید مرتضی حسین بلگرامی نے میری فرمائش پر ''شہسرام'' کے بارے میں ایک یادداشت تحریر کی جو ہدیہ ناظرین ہے۔''

شہسرام شہر کی ایک تاریخی حیثیت ہے جو اپنی علمی، ادبی، تہذیبی بلکہ جغرافیائی سیاسی اہمیت کی وجہ سے معروف و مقبول ہے۔ اس شہر کو ارد گرد سے پہاڑی اور زمینی علاقہ نے گھیرا ہوا ہے۔ اس سے قریب ہی تقریباً ۱۵ میل کے فاصلے پر ''سون'' ندی بہہ رہی ہے۔ اس کے علاوہ شہر کے قلب میں سوری خاندان کے حسن سور خان کا مقبرہ اب بھی اپنی آن بان سے قائم ہے، جو شیر شاہ سوری کا باپ تھا۔ شیر شاہ سوری اور ان کے والد کا مقبرہ آثار قدیمہ کے تحت قائم ہیں۔ شیر شاہ کا مقبرہ جی ٹی روڈ یعنی شیر شاہی سڑک سے چند فرلانگ کے فاصلے پر ہے۔ اس مقبرہ کے ارد گرد تالاب ہے جس کا پانی میٹھا ہے اور کھانا پکانے کے کام آتا ہے۔ جبکہ شہسرام کے عام کنوؤں کا پانی کھارا ہوتا ہے۔

شہسرام میں علوم شرقیہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ حسن سور خان کے عہد سے ہی اس کی اہمیت تھی۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء سے قبل بھی یہاں ممتاز ادبا و شعرا، علما و اطبا اور دوسرے اہل علم و فضل کا ذکر کتب تواریخ اور تذکروں میں ملتا ہے۔ غلام مرتضی جنون کو شہسرام کا پہلا شاعر کہا جاتا ہے جو سودا کا ہم عصر تھا۔ جس کی شہادت سودا کا یہ مقطع ہے۔ ؎

اے ''جنون'' مصرعہ ترا ''سودا'' کی ہے زنجیر پا
قید سے تیرے نہیں ہونے کو اب آزاد ہم

''جنون شہسرامی'' کا ذکر شعرائے اردو کے متعدد تذکروں میں ملتا ہے۔ ان کے علاوہ حسن علی خان متخلص راحتؔ شہسرامی جن کا انتقال ۱۳۰۴ ہجری میں ہوا تھا، بہترین تاریخ گو شعرا میں شمار کیے جاتے تھے اور شہسرام میں مشاعروں کا سلسلہ انہی نے

شروع کیا۔ اسی طرح شہسرام کے ایک اور اہم شاعر چراغ علی خاں شہسرامی تھے جن کا یہ مصرعہ مشہور عام ہے ع ''چراغ ماتم ہے دل کا گھر گھر زمیں کے نیچے فلک کے اوپر''

شہسرام کے نامی گرامی شاعر حسن علی خان راحت شہسرامی کے بیٹے مولانا حکیم محمد قادر بخش عاصی شہسرامی بلند پایہ عالم خطیب وقت، محدث، شاعر اور ادیب تھے۔ علم الکلام کے مستند علما میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ فتح الباری کی ابتدائی عبارتیں انہیں حفظ تھیں۔ غرضیکہ شہسرام ابتدا ہی سے علم و ادب کا گہوارہ رہا تھا۔ البتہ اس کی طرف اہل علم و دانش اور مؤرخین ادب نے توجہ نہیں دی اور نہ ہی اس کی ادبی حیثیت کا ذکر کیا گیا ہے۔

مورخین اہل علم و کمال نے راجہ رام نارائن موزوں کا نام ضرور سنا اور پڑھا ہوگا۔ جو شیخ علی حزیں کے شاگرد خاص تھے اور انگریزی عہد میں جب سراج الدولہ پر قہرمانی کی گئی اور فرنگیوں نے ظلم و ستم ڈھایا تو یہ شعر جو ''موزوں'' کے دل کا عکاس اور اس عہد کا ترجمان ہے، اہل بصیرت کے لئے تاریخ کا کلمہ بن کر آج بھی اس عہد کی تاریخ کی غمازی کرتا نظر آ رہا ہے۔ یہ شعر تاریخ کا ورق نگیں ہے اور اس کی موت کا راز دار۔

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
دوانہ مر گیا آخر کو ویرانے پہ کیا گزری

موزوں نسلی اعتبار سے ''کائستھ'' اور ''موضع کشن پور'' شہسرام کے باشندے تھے۔ ان کا انتقال غالباً ۱۷۶۳ء میں ہوا تھا۔ راجہ رام نارائن فارسی زبان کے مستند شاعر تھے۔ ان کا دیوان فارسی پروفیسر مختار الدین احمد صاحب کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ شہسرام ایک تاریخی شہر ہے اور بہت سے اہم شعراء یہاں پیدا ہوئے مثلاً فرخند علی خنداں شہسرامی، مرزا عبدالمجید فائق شہسرامی، عبدالواحد، شیخ نور علی، ابوالحسن بیدل شہسرامی، غلام مخدوم مست شہسرامی وغیرہ کی ذات تعارف کی محتاج نہیں۔

صوبہ بہار کے شہسرام میں ''خانقاہ کبیریہ'' کی تعمیر ۱۷۱۳۔۱۷۱۹ء کے درمیان فرخ سیر بادشاہ کے عہد میں ہوئی اور کتب تاریخ وسیر سے پتہ چلتا ہے کہ بادشاہ نے ''خانقاہ کبیریہ'' کو جاگیر سے نوازا تھا۔ اس خانقاہ کے احاطہ کے قریب ایک مدرسہ کی بنیاد بھی رکھی گئی جس کے بارے میں مشہور ہے کہ لندن کے ٹمپل کالج کے طرز پر ۱۸۸۳ء میں ان پتھروں سے اس مدرسہ کی عمارت کی تعمیر ہوئی۔ اس کے اردگرد کافی کشادہ زمین کا رقبہ چھوڑا

گیا اور شیر شاہ روڈ سے ملحق اس مدرسہ کی تعمیر کی گئی۔ جس کا الحاق پہلے مدرسہ عالیہ کلکتہ سے ہوا اور بعد میں "مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ" پٹنہ سے ہوا۔ اس مدرسہ کی ایک زمانہ میں بہت زیادہ اہمیت تھی۔ یہاں کے اساتذہ کا شمار بہترین افراد اور علمائے عظام میں ہوتا تھا۔ میرے علم میں یہ امور ہیں کہ اس مدرسہ سے اردو، فارسی اور عربی کی کئی مفید اور نادر یگانہ کتب منظر عام پر آئی تھیں۔ ایک طویل عرصے تک علم کے شیدائی اس مدرسہ سے اکتساب کرتے اور اپنی علمی پیاس بجھاتے رہے۔ مولانا ابوالحسن خوشدل شہسرامی، حضرت مولانا ظفر الدین قادری برکاتی اور مولانا نجم الدین شہسرامی وغیرہ اس مدرسے کے صدر مدرس رہے۔

اس مدرسہ کے علاوہ ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۲ء میں مولانا فرخند علی شہسرامی نے مدرسہ "خیریہ نظامیہ" کے نام سے بھی ایک مدرسہ قائم کیا، جہاں علم وادب کے شیدائی جمع ہوتے اور اپنی ادبی تخلیقات سے حاضرین کو متاثر کرتے اور ان میں شوق علم وآگہی پیدا کرتے۔ اس مدرسہ سے کچھ عرصہ تک شعرا کے کلام کے نمونے بطور گلدستہ شائع ہو کر عام ہوتے رہے۔ غرضیکہ شہسرام کی علمی اور ادبی حیثیت تھی۔ اس سے متعلق ہمارا فیصلہ ہے کہ ایک تحقیقاتی ادارہ قائم کر کے بلکہ ریسرچ اسکالرز کے واسطے سے یہاں کی علمی شخصیتوں اور علمی نوادر کا تحقیقاتی جائزہ لیا جائے۔

سب سے آخر میں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ اکثر اہل ادب کے گھروں میں اپنے ذاتی کتب خانے تھے۔ شیر شاہ کے مقبرہ پر تالاب کے کنارے بھی تقسیم ہند سے قبل ایک لائبریری قائم کی گئی تھی جہاں شام کو اہل علم مطالعہ کتب کے لئے جمع ہوتے۔ "مدرسہ کبیریہ" کا کتب خانہ مایہ ناز تھا۔ خانقاہ کبیریہ میں ایک زمانے میں لاکھوں کی تعداد میں علمی سرمایہ جمع تھا۔ کرامت علی لائبریری اور انصار لائبریری شہسرام کے اہم کتب خانے تھے۔ مقام مسرت ہے کہ پروفیسر اظہر حسین صاحب اب بھی کرامت علی لائبریری زندہ رکھے ہوئے ہیں اور نامساعد حالات میں بھی اس کے انتظام اور انصرام میں مصروف ہیں۔ (موصوف کا گزشتہ سال انتقال ہو گیا ۱۲ ساحل)

"عظیم آباد" اور "گیا" شہر کی قربت قریبہ نے بھی شہسرام کی علمی شخصیتوں کو ابھرنے اور منظر عام پر نہ آنے دیا۔ "آرہ" کی علمی جلوہ گری اور "کواتھ" کے اہل علم حضرات کی بصیرت اور فکری آگہی نے بھی شاید شہسرام کی علمی زندگی کو پس منظر میں رہنے

پر مجبور کر دیا۔ (یہ مضمون نگار کی اپنی رائے ہے، ورنہ شہسرام اور اس کے رجال، گیا اور پٹنہ کے رجال سے کم شہرت نہیں رکھتے۔ ان دنوں ہی ہندوستان گیر شہرت رکھنے والے افراد شہسرام میں خاصی تعداد میں موجود ہیں ۱۲ اساحل) بہر حال شہسرام کی علمی اور تاریخی حیثیت اپنی جگہ قائم و مسلم ہے اور ضرورت اس امر کی ہے کہ شہسرام کی نوجوان نسل قدیم علمی و ادبی روایات کو زندہ رکھے۔

اب مختصر طور پر مولانا ارشاد احمد رضوی صاحب کے زیر مطالعہ مضمون کے کچھ دوسرے امور کے بارے میں چند وضاحتیں کی جاتی ہیں:

''میجرا'' جس کا قدیم نام ''رسول پور'' ہے۔ پٹنہ اب (نالندہ) ضلع کا ایک گاؤں ہے جو نالندہ (جہاں گوتم بدھ کے عہد کی مشہور یونیورسٹی کے آثار اب بھی محفوظ ہیں اور راج گیر (جو بدھ جین اور اسلام وغیرہ متعدد مذاہب کا مرکز رہا ہے اور جہاں مخدوم حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری، حضرت شیخ مظفر بلخی اور فردوسی سلسلے کے دوسرے بزرگان دین کے آثار ہیں) کے درمیان واقع ہے۔ اب بھی ''مخدوم کنڈ'' میں غسل کرنے اور جہاں مخدوم الملک عبادت فرماتے تھے وہاں مسجد میں دوگانہ ادا کرنے آتے ہیں۔ یہ موضع میجرا ملک العلما محمد ظفر الدین رضوی کی دادیہال ہے جہاں آپ کے والد مکرم ملک عبدالرزاق تشریف فرما تھے۔

موضع ''بین'' حضرت ملک العلما کی ننھیال ہے، جو مجیرا سے دو میل کے فاصلے پر واقع ہے جہاں مدرسہ غوثیہ حنفیہ قائم تھا اور اب بھی مدرسہ ایکوامی نیشن بورڈ کے زیر اہتمام چل رہا ہے۔ پہلے اس کے مہتمم مولوی محمد ولی صاحب رئیس موضع بین تھے اور اب ان کے صاحبزادے محمد اقبال ملک مدرسے کے مہتمم ہیں۔

''مدرسہ غوثیہ حنفیہ'' سے تعلیم حاصل کر کے ملک العلما جس مدرسے میں تعلیم کے لئے تشریف لے گئے، اس کا نام ''مدرسہ حنفیہ'' تھا اور اس کے بانی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے مرید و معتقد اور ان سے بے حد محبت کرنے والے قاضی عبدالوحید صدیقی حنفی تھے۔ اس میں محدث سورتی حضرت مولانا شاہ وصی احمد پیلی بھیتی صدر مدرس تھے۔ ایک مذہبی رسالہ ''تحفہ حنفیہ'' اسی مدرسے سے برسوں شائع ہوتا رہا۔ جس کے مہتمم مولانا قاری محمد ضیاء الدین پیلی بھیتی تھے۔ مولانا بشیر احمد علی گڑھی جو ملک العلما کے اساتذہ میں تھے۔

حضرت مولانا لطف اللہ علی گڑھی کے ارشد تلامذہ میں تھے۔

"علماء و مشاہیر شہسرام" میں مضمون نگار نے ملک العلما کے جن معاصرین کا ذکر کیا ہے ان میں سے بعض حضرات سے واقف نہیں۔ یاد نہیں آتا کہ یہ حضرات میرے بچپن میں کبھی ملک العلما سے ملنے پٹنہ آئے ہوں۔ مولانا فرخند علی صاحب کا نام کچھ یاد آتا ہے۔ ممکن ہے کہ حضرت سے ان کی خط و کتابت رہی ہو۔ ہاں مولانا نجم الدین صاحب شہسرامی اچھی طرح یاد ہیں کہ اکثر ملنے کے لئے "ظفر منزل شاہ گنج" تشریف لایا کرتے تھے۔ ان کے علاوہ شہسرام کے اساتذہ میں مولانا موسیٰ رضا کاکوی بھی تشریف لاتے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ان کا بار بار پٹنہ اس لئے بھی ہوتا تھا کہ وہ "کاکو" کے رہنے والے تھے جو پٹنہ کے قریب ہی واقع ہے۔ پھر یہ کہ ان کے صاحبزادے مولوی عبدالقادر" مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ" میں درجہ مولوی اور درجہ عالم میں چار سال میرے ہم درس رہے، وہ انہیں دیکھنے اور ان سے ملنے مدرسے کے لئے ہوسٹل "شیش محل" بھی آجاتے تھے۔

مولانا ابو محمد مصلح شہسرام کے مشہور عالم، مصنف اور صحافی تھے۔ حیدرآباد چلے گئے تھے اور وہاں سے انہوں نے سلسلہ اشاعت قرآن کی تحریک چلائی تھی۔ اور بیگم آباد میں دفتر قرآنی تحریک انہوں نے قائم کیا تھا۔ اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد سے وہ اپنا رسالہ چھپوا کر شائع کرتے تھے۔ سلسلہ اشاعت قرآن کا پہلا شمارہ ذوالحجہ ۱۳۴۸ء میں شائع ہوا تھا۔ یہ عام طور پر ۱۶ صفحات پر مشتمل ہوتا تھا۔ والد صاحب علیہ الرحمہ کی خدمت میں وہ اپنا رسالہ بھیجتے تھے۔ جلد ایک سے جلد ۲ شمارہ ۴ تک کے شمارے میرے کتب خانہ میں محفوظ ہیں۔ جلد ۱ (۱۳۴۸ء) کے بعض مضامین کے عنوانات یہ ہیں: خلیفۃ المسلمین، اتحاد اسلامی، علم تفسیر تاریخی حیثیت سے از سید ہاشم ندوی، ارتقاء لسانی اور قرآن، عورتیں قرآن کیونکر پڑھیں، قرآنی دنیا، رحم و انصاف، جمادی الاخری ۱۳۴۹ء کا شمارہ بچوں کی تفسیر کے موضوع پر شائع ہوا ہوگا۔ یہ پچاس ہزار کی تعداد میں شائع ہونے والا رسالہ تھا۔

جلد نمبر ۷۔ ۸ ربیع الاول ۱۳۴۹ء میں ۳۲ صفحات میں شائع ہوا۔ ابتدائی چار صفحات میں قرآنی تحریک کی مختصر تاریخ چھپتی تھی۔ اس میں ابو محمد مصلح شہسرامی کے مختصر حالات بھی آگئے ہیں۔

اس مضمون میں مولانا ابوالحسن خوشدل کا ذکر بھی آیا ہے۔ ملک العلما علیہ الرحمۃ

کے معاصر احباب میں تھے اور انہوں نے برسوں "مدرسہ کبیریہ" میں ان کے ساتھ کام کیا۔ یہ اکثر پٹنہ تشریف لاتے تھے۔ والد صاحب سے بھی ملاقات کرتے تھے اور اپنے عزیز سید شرف الحق صاحب سے ملنے بھی آتے تھے۔ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ کے ہوسٹل شیش محل، شریف ہوسٹل اور دوسرے ہوسٹلوں میں جگہ نہ رہی تو والد صاحب علیہ الرحمہ کے مشورے پر بانی مدرسہ حاجی سید نور الہدیٰ جج کی اجازت سے محلہ مصلح پور میں پچھلی سڑک پر ایک مکان ہوٹل کے لئے کرائے پر لیا گیا۔ یہ ہوسٹل شہسرام کے طلبا کی وجہ سے قائم کیا گیا، جس سے دوسرے مقامات کے لوگ بھی بعد میں مستفید ہوئے۔ ہوا یہ کہ شہسرام میں ملک العلما کے واقف کاروں کے کچھ اعزہ مولوی محمد زکریا، مولوی محمد قمر الدین خان اور مولوی سید فخر الحسن عالم یا فاضل میں داخلے کے لئے والد صاحب کے پاس پہنچے۔ مدرسے میں داخلہ تو آسان تھا لیکن، ہوسٹل میں بالکل جگہ نہ تھی۔ انہوں نے جج صاحب کو مشورہ دیا کہ اگر کرائے کا مکان نہ لیا گیا تو یہ طلبا، دین کی تعلیم سے محروم رہ جائیں گے۔ مولانا محمد عثمانی پرنسپل مدرسہ شمس الہدیٰ نے بھی اس کی تائید کی۔ ایک مکان مدرسہ کے قریب ہی مولانا سید عبد الرشید قادری رضوی (تلمیذ فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ) کی سفارش پر لیا گیا اور اس میں ہوسٹل قائم ہو گیا۔ شہسرام کے یہ چند طلبا اس میں داخل ہوئے پھر کاکو، جہان آباد اور دوسرے مقامات کے طلبا اس میں رکھے گئے۔ ملک العلما اس کے نگراں مقرر ہوئے۔ ایک اچھا وسیع کمرہ ان کے لئے مخصوص تھا جس میں ان کی کتابوں کی دو الماریاں بھی رکھ دی گئیں۔ وہ صبح سے دس بجے تک یہیں لکھنے پڑھنے میں مشغول رہتے پھر مدرسہ چلے جاتے۔ شام اور رات وہ شیش محل ہوسٹل کے سپرنٹنڈنٹ کے ساتھ حسب معمول گزارتے۔

اس زمانے میں میں بہت کم عمر تھا۔ مدرسے میں میرا داخلہ نہیں ہوا تھا۔ میں اسی کمرے میں رہتا تھا۔ مولانا عبد الرشید قادری نے صرف ونحو اور مولوی ظہور احمد عظیم آبادی (ولد حافظ سید ظہیر احمد مجروح عظیم آبادی) سے گلستان بوستان پڑھی تھی۔ اس ہوسٹل کا سب سے کم سن بورڈر میں ہی تھا۔ والد صاحب کی وجہ سے سارے طلبا خیال رکھتے تھے۔ مولانا زکریا، قمر الدین خاں صاحب اور شرف الحق صاحب خاص طور پر میں ان تینوں میں سے شرف الحق صاحب سے زیادہ مانوس تھا۔ ان سارے طلبا کی جاگیر مقرر تھی یعنی جج صاحب کے وقف سے ان کے لئے کھانے کا انتظام تھا۔ میرے کھانے کا انتظام محلّہ کے شرفو ہوٹل پر

کر دیا گیا تھا۔ والد صاحب نے مولوی شرف الحق صاحب کے ذمہ یہ کام دیا تھا۔ ایک آنہ میں ایک وقت کا کھانا کھالیتا اور آسودہ ہو جاتا تھا۔ شرفو کو چار روپے ماہوار دے دیئے جاتے تھے۔ کیا زمانہ تھا اور کیا ارزانی تھی ۔ چار روپے میں دونوں وقت آدمی سیر ہو کر کھانا کھالیتا تھا۔ لیکن اس زمانے کی بات یاد آتی ہے کہ فلاں زمانے میں ایک روپے میں ایک من گیہوں اور ۱۰ سیر گھی مل جاتا تھا لیکن اس زمانے میں ایک روپیہ کس کے پاس ہوتا تھا۔

مولانا ابوالحسن خوشدل کا تخلص ''بیدل'' بھی تھا۔ لیکن ہم نے ہمیشہ ''خوشدل'' ہی سنا، لکھا ہوا اور چھپا ہوا بھی دیکھا۔ شاید پہلے ''بیدلؔ'' رکھا ہو بعد میں ''خوشدل'' رکھا ہو۔ ان کے بیٹے مولانا حکیم محمد ابن الحسن مظفر شہسرامی تھے۔ میری یادداشت کی ایک کتاب میں ان کی تاریخ ولادت ۸ راگست ۱۹۷۹ء لکھی ہوئی ہے۔ خوشدل کا سال ولادت ۱۸۶۱ء بتایا جاتا ہے۔ ان کی شادی نسبتاً کم عمر میں ہوئی ہوگی اور ابن الحسن اولاد میں پہلے۔ حکیم شرف الحق غالباً انہی کے صاحبزادے یا بھتیجے ہوں گے۔ کئی سال ہوئے ان کا حال میں نے پروفیسر سید اختر حسین صاحب شہسرامی سے پوچھا تھا۔ بخیر ہیں مطب کرتے ہیں اور شعر و شاعری کا سلسلہ جاری ہے۔ مولانا خوشدل کے متعدد عربی، فارسی اور اردو قطعات تاریخ میرے پاس ہیں مطبوعہ بھی اور قلمی بھی۔ ان کی تحریر بہت خوبصورت ہوتی تھی، کاش کوئی صاحب ذوق ان کے تاریخی قطعات جمع کر کے ان پر ایک مضمون لکھے۔

شاہ ملیح الدین احمد کا نام ملک العلما کی صحبتوں میں شہسرام کے ذکر میں ضرور آتا ہے۔ وہ ان کے حسن اخلاق کے معترف تھے۔ انہوں نے زیادہ عمر نہیں پائی۔ آج سے تقریباً کوئی ۳۶ سال پہلے میں ایک تقریب میں شہسرام گیا تو خانقاہ کبیریہ میں حاضر ہوا اور سجادہ نشین صاحب سے ملنے کی سعادت حاصل کی۔ اس وقت شاہ صبیح الدین احمد جو مسند ارشاد پر سرفراز تھے، وجیہ اور خوش اخلاق آدمی تھے۔ چائے کا اہتمام کیا اور خانقاہ، مدرسہ اور ملک العلما کی باتیں کرتے رہے۔ میں نے ان سے خواہش ظاہر کی کہ مجھے اس مکان کی زیارت کرادیں جس میں چار پانچ سال ملک العلما مقیم رہے۔ انہوں نے اس کا انتظام کر دیا۔ میں مکان کے ہر کمرے میں گیا اور بالائی منزل کے اس کمرے میں دیر تک کھڑا رہا جو حضرت کی نوشت وخواند کا کمرہ تھا اور جس میں والد مرحوم کے قول کے مطابق حافظ یقین الدین بریلوی (اعلیٰ حضرت کے مرید و معتقد اور اپنے وقت کے نامور مہر کن) کے دو بچے

محمود میاں اور احمد میاں اپنی طالب علمی کے زمانے میں رہا کرتے تھے۔ وہ مکان اس وقت خالی تھا، غالباً خانقاہ کبیر یہ کا تھا۔ جس میں اس زمانے میں صرف اس کا محافظ رہتا تھا، اس لئے مجھے اس پورے مکان میں اچھی طرح گھومنے پھرنے کا موقع ملا۔ ویسے ہر لحظہ یہ بھی احساس رہا کہ اس مکان کے چپے چپے پر حضرت ملک العلما کے قدم پڑے ہوں گے۔ محافظ کا کہنا تھا کہ اس مکان میں کوئی زیادہ تبدیلی نہیں ہوئی۔ یہ مکان مدرسے سے بالکل قریب واقع تھا۔ مدرسے پر میں نے ایک نگاہ ڈالی۔ قدیم وضع کی عمارت تھی جس کے خدو خال یورپی تھے۔ عصر اور مغرب کا درمیانی وقت تھا، اس لئے مدرسہ بند تھا اور میں اسے اندر سے نہ دیکھ سکا۔

مولانا غیاث الدین چشتی گیا (بہار) کے ایک مردم خیز قصبہ رجہت کے رہنے والے تھے جو سادات کرام کا ایک قدیمی مرکز رہا ہے۔ ان کے بارے میں گھر میں یہ بات اکثر میں نے سنی کہ جس دن سید صاحب ہمارے ہاں تشریف لاتے تھے، وہ پوری رات ملک العلما اور سید صاحب جاگ کر گزارتے تھے۔ رات کے کھانے کے بعد اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا ذکر شروع ہوتا تھا اور ان کے فضائل ومناقب میں پوری رات گزر جاتی تھی۔ درمیان میں کبھی کبھی اعلیٰ حضرت کی تصانیف، تحریرات کے دفتر بھی کھل جاتے تھے اور عبارتیں پڑھی جاتی تھیں اور ان کے محاسن پر گفتگو ہوتی تھی۔ دونوں امام احمد رضا کے عاشق ٹھہرے۔

ملک العلما کے ایک جانثار معتقد و مسترشد حافظ عبدالحفیظ اشرفی صاحب (ادارہ شرعیہ بہار) کا ذکر اسی مضمون میں تھا۔ ابھی یہ سطور لکھ رہا تھا کہ پٹنہ سے عزیزی حسن ایم نسیم الحق ریٹائرڈ ایگزیکٹو انجینئر حکومت بہار کا خط موصول ہوا کہ ۲۳ر مارچ ۱۹۹۹ء کو حافظ عبدالحفیظ صاحب طویل علالت کے بعد انتقال کر گئے۔ دوسرے دن بعد نماز ظہر حسب وصیت وہ ملک العلما کے پائتی میں سپرد خاک کئے گئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کے صدقے میں مرشد و مسترشد دونوں کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ان پر اپنی راحت ورضوان کے پھول برسائے۔ آمین

ملک العلما کے چند احباب

ملک العلما شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی علیہ الرحمہ خوشگوار اور اخلاق مند طبیعت کے مالک تھے، اس لئے آپ کا دائرہ احباب کافی وسیع تھا۔ نسبت اعلیٰ حضرت اور اپنے علمی وقار کی بدولت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے۔ پروفیسر مختار الدین احمد صاحب کی فرمائش پر جب میں حضرت کے نام آئے خطوط کی فائل مرتب کر رہا تھا تو چند ایسے بزرگوں کے خطوط بھی نگاہ سے گزرے جن سے اس ناچیز کو خاص انسیت ہے۔ ان میں مارہرہ مطہرہ کے تاج العلما، سید العلما، شہرام کے سید شاہ ملیح الدین، مولانا سید ابوالحسن خوشدل، مولانا نجم الدین، مولانا سید موسیٰ رضا، مولانا حکیم سید وصی احمد، سید غلام مخدوم مست، مولانا سید محمد اظہار حسین اور جامعہ اشرفیہ کے بزرگوں میں صدر الشریعہ، حافظ ملت اور مولانا عبد الرؤف علیم الرحمتہ والرضوان خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ خانقاہ منعمیہ گیا کے سجادہ نشین سید شاہ حسام الدین احمد منعمی اور مارہرہ مطہرہ کے ایک نامعلوم بزرگ کے خطوط کی زیراکس کاپیاں بھی لینے کی انہوں نے اجازت مرحمت فرمائی، اس کے لئے میں ممنون ہوں۔ حضرت حجتہ الاسلام، سرکار مفتی اعظم اور حضرت صدر الافاضل کے مکاتیب بھی مطلوب تھے لیکن پروفیسر صاحب انہیں دوسرے مشاہیر کے مکتوب کے ساتھ خود شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

تاج العلما اور سید العلما کے خطوط علیحدہ مضمون کی صورت میں درج ہیں۔ علمائے شہرام کے مکاتیب "ملک العلما اور علمائے شہرام" میں جگہ پا چکے ہیں۔ مولانا عبد الرؤف صاحب علم توقیت میں حضرت کے شاگرد ہیں اور ان کے خطوط میں زیادہ تر توقیتی مسائل کے بارے میں استفسار ہے، اس لئے انہیں بھی علیحدہ مضمون کی صورت میں پیش کیا گیا۔ باقی خطوط مختصر وضاحت کے ساتھ ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔

☆ سید شاہ حسام الدین احمد منعمی علیہ الرحمہ (م ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء)

باقری سادات کی ایک شاخ داناپور پٹنہ سے ۱۲۶۲ھ میں گیا آئی۔ سید المتوکلین سید شاہ عطا حسین منعمی فانی قدس سرہ (م ۱۳۱۱ھ) ۱۲۶۱ھ میں حج بیت اللہ کی سعادت سے

مشرف ہوئے۔ ارادہ تھا کہ وادیٔ بطحا چھوڑ کر نہ جائیں گے لیکن حضرت مولائے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم پر گیا تشریف لائے اور یہیں طرح اقامت ڈالی۔
حضرت فانی فیضان اویسی سے سرفراز کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔ آپ کے اخلاف میں صاجبزادہ گرامی سید شاہ غلام قطب الدین (م ۱۳۰۹ھ)، نبیرہ حضرت سید شاہ نظام الدین (م ۱۳۲۶ھ) خانقاہی روایات کی امانتیں سنبھالے رہے۔ حضرت سید نظام الدین قدس سرہ کی دو شادیاں ہوئیں۔ پہلی حرم سے سید شاہ حسین الدین احمد (م ۱۳۵۸ھ/ ۱۹۳۹ء) قدس سرہ تولد ہوئے جو گیا میں مدفون ہیں اور ایک صاجبزادی پیدا ہوئیں۔ دوسری حرم سے تین صاجبزادے سید قیام الدین احمد، سید حسام الدین احمد، سید احتشام الدین احمد اور ایک صاجبزادی پیدا ہوئیں۔ سید شاہ حسین الدین احمد کے شاہزادے ہیں موجودہ سجادہ نشین مخدوم گرامی سید شاہ غلام مصطفیٰ احمد منعمی دامت برکاتہم القدسیہ جو برادرم مولانا سید صباح الدین احمد زید مجدہ ولی عہد کے والد ماجد ہیں۔
سید حسام الدین احمد منعمی کی ولادت ۲۶ر صفر المظفر ۱۳۱۷ھ/ ۳ر جولائی ۱۸۹۹ء کو ہوئی۔ برادر بزرگ صاحب سجادہ سید شاہ حسین الدین احمد قدس سرہ کے دست حق پرست پر سلسلۂ چشتیہ خضریہ منعمیہ میں بیعت ہوئے اور سارے خاندانی سلاسل کی اجازت بھی پائی۔ اردو، فارسی، اور انگریزی سے مہارت کی حد تک واقف تھے۔ عربی سے بھی خاصی واقفیت تھی۔ ڈاکٹر ذاکر حسین کے زمانے میں جامعہ ملیہ دہلی کے لائبریرین رہے۔ برادر محترم سید شاہ حسین الدین احمد علیہ الرحمہ نے مرض وفات میں آپ کو دہلی سے گیا طلب کیا اور خانقاہ کی خدمت سپرد کی۔ برادر محترم کے وصال کے بعد ۱۳۵۸ھ میں آپ سجادہ نشین ہوئے۔ ۱۸/۱۹ر سال تک خانقاہ منعمیہ گیا کی خدمت کرنے کے بعد ۱۹۵۸ء میں اپنے برادر زادے سید شاہ غلام مصطفیٰ احمد دام ظلہٗ کو روحانی اشارے پر خانقاہی ذمہ داریاں سپرد کیں اور خود بدولت کراچی تشریف لے گئے۔ وہیں ۲۶ محرم ۱۴۱۳ھ/ ۲۸ر جولائی ۱۹۹۲ء کو اس جہان خاکی کی بندش سے نجات حاصل کی۔ قبرستان یخی حسن، نارتھ ناظم آباد کراچی پاکستان میں آخری آرام گاہ بنی۔ آپ نے بھی دو شادیاں کیں۔ پہلی حرم سے صرف ایک صاجبزادی تولد ہوئیں۔ دوسری حرم سے صاجبزادہ سید فخر الدین احمد اور پانچ صاجبزادیاں ہیں۔

سید شاہ حسام الدین احمد علیہ الرحمہ لطیف ذوق، وجیہ وشکیل، چھریرے بدن کے بزرگ تھے۔ حد درجہ خلیق، نفیس اور نرم خو (ذکر عطا ص ۸۹-۹۱)

ملک العلما جب مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں مدرس اول تھے تو خانقاہ عمادیہ منگل تالاب، خانقاہ منعمیہ میتن گھاٹ، خانقاہ شاہ ارزاں اور دیگر خانقاہوں سے آپ کے خوشگوار رابطے تھے۔ خانقاہ عمادیہ کے سجادہ نشین سید شاہ صبیح الحق عمادی سے دوستانہ مراسم تھے۔ ان کے صاحبزادے سید شاہ فرید الحق عمادی (م ۲۰۰۱ء) ملک العلما کے تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ خانقاہ عمادیہ سے خانقاہ منعمیہ گیا کا دیرینہ رابطہ ہے۔ سید شاہ حسین الدین احمد شاہ صبیح الحق صاحب کے ہم زلف تھے۔ موجودہ سجادہ نشین سید شاہ مصطفےٰ احمد مدظلہ کی تیسری صاحبزادی سید مصباح الحق عمادی ولد سید فرید الحق عمادی سے منسوب ہیں۔ اس ربط باہم کے زیر اثر شاہ حسام الدین احمد علیہ الرحمہ سے بھی ملک العلما کے علمی اور دینی رابطے تھے۔

سید شاہ حسام الدین احمد علیہ الرحمہ کی زمانۂ سجادگی کے پانچ خطوط مجھے دستیاب ہوئے جو خالص دینی معاملات پر مشتمل ہیں۔ ان مکاتیب سے ربط باہم کی جہتیں بھی معلوم ہوتی ہیں اور اس دور کے دینی اور سیاسی ماحول پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ مختصر وضاحت کے ساتھ انہیں یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

خانقاہ منعمی — ہوالمنعم — ۱۵/اکتوبر ۱۹۴۴ء

مولانا المحترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

علماء کی خدمت میں خطوط روانہ کر چکا ہوں اور اہتمام بھی شروع کر رہا ہوں پھر حالات سے مطلع کرتا رہوں گا۔ آپ کا نام بھی فہرست میں ہے۔ وقت سے پہلے اطلاع کر دوں گا۔ میں نے ایک حدیث * دریافت کی تھی مگر اس ملاقات میں ذکر کرنا بھول گیا یعنی اپنے کو سید غلط طور پر کہنا کیسا ہے؟ براہ کرم اس حدیث شریف کو لکھ کر بھیج دیجئے۔ اپیل کا مضمون روانہ کر رہا ہوں۔ اسے ملاحظہ فرما کر اپیلنگ زوردار اور دلچسپ بنا دیجئے۔ مگر جلد کیونکہ کام زیادہ ہے اور وقت کم۔ چاہتا ہوں کہ ہفتہ عشرہ کے بعد جلسے ہو جائیں ورنہ سردیوں میں زیادہ زحمت ہوگی۔

حسام الدین احمد منعمی

حضرت سید حسام الدین احمد منعمی کے برادر محترم سید شاہ حسین الدین احمد

(م ۱۹۳۹ء) بہت متحرک اور فعال بزرگ تھے۔ علم وتصوف کی اشاعت سے انہیں خصوصی دلچسپی تھی۔ ہر قمری ماہ کی سترہ تاریخ کو حلقہ ابو العلائیہ منعقد کرتے جس میں علما صوفیا کے مواعظ حسنہ ہوتے۔ اپنے ذاتی خرچ سے منعمی پریس قائم فرمایا جس نے خاندانی بزرگوں کی تصانیف اور دیگر مفید لٹریچر کی اشاعت میں نمایاں کردار ادا کیا۔ حزب الفقرا قائم کی جس کا خاص مقصد خانقاہوں اور مشائخ کی تنظیم تھی۔ اسی پلیٹ فارم سے تصوف اور مشائخ تصوف کے خلاف اٹھنے والے فتنوں کا سد باب کیا جاتا۔

سید شاہ حسام الدین احمد منعمی علیہ الرحمہ نے بھی انہیں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے انجمن معین الاسلام قائم کی۔ اہل سنت کی شیرازہ بندی اور ان کے عقائد کے تحفظ کے لئے تبلیغی سطح پر قابل قدر کوششیں فرمائیں۔ پیش نظر مکاتیب اسی سلسلے میں تحریر ہوئے۔

٭ وہ حدیثیں یہ ہیں: (۱) من ادعیٰ الیٰ غیر ابیہ فالجنتہ علیہ حرام ۔ رواہ احمد و البخاری و مسلم و ابوداؤد و ابن ماجۃ عن سعد و عن ابی بکرۃ معاً رضی اللہ عنہم (۲) من ادعیٰ الیٰ غیر ابیہ فعلیہ لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس اجمعین لایقبل اللہ منہ یوم القیمۃ صرفا ولا عدلا ۔ رواہ الستھالا ابن ماجۃ عن علی رضی اللہ عنہ وصدرہ احمد و ابن ماجۃ وابن حبان عن ابن عباس رضی اللہ عنہما

(فتاویٰ رضویہ مترجم۔ ۲۳/۲۵۶)

ترجمہ: جس نے اپنا نسب غلط بیان کیا، اس پر جنت حرام ہے۔ جس نے اپنا نسب غلط بیان کیا، اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور سارے انسانوں کی لعنت اترتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے فرائض اور نوافل کچھ بھی قبول نہیں فرماتا۔

۱۲؍دسمبر ۱۹۴۴ء هوالمنعم

مولانا المکرم والمحترم مدظلہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

ماشاءاللہ انجمن کا جلسہ بہت کامیاب رہا مگر ڈاکٹر محسن اپنی حماقتوں سے باز نہیں آرہے ہیں۔ انجمن کا رکن بنانے کی سعی کی جارہی ہے۔ دعا فرمائیے کہ ہم اپنے مقاصد میں کامیاب ہوں۔ انجمن کے جلسہ کے بعد جامعہ قاسمیہ٭ کا سالانہ تبلیغی جلسہ ہوا جس میں مولانا حسین احمد صاحب مدنی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی وغیرہ حضرات شریک ہوئے

اور جمعیۃ العلما کی بنیاد بھی پڑگئی۔

میں کوشش کر رہا تھا کہ ایک دن کے لئے خود حاضر ہو کر ملاقات کروں۔ کفر کے سلسلے میں کچھ باتیں (مسائل) دریافت طلب ہیں۔ وقت ملاقات ضرور حاضر ہوں گا۔

میں چاہتا ہوں کہ محترم سے ایک عالم صاحب کی خدمات حاصل کر لی جائیں۔ عالم حسب ذیل خصوصیات کے حامل ہوں تو بہتر ہے کیونکہ ابھی ابتدائے کار ہے:

۱۔ بے تکلف ہوں۔ ۲۔ تبلیغی صلاحیت موجود ہو۔ ۳۔ سردست تعلیمی ضرورت نہیں، ابھی تنظیم کا کام کرنا ہے۔ محلّہ محلّہ جلسہ کر کے رکن بنانا ہے پھر مدرسہ شبینہ قائم کرنا، تفسیر، سیرت کا انتظام کرنا ہے۔ میں اپنی بجائے میلاد شریف وغیرہ میں تمام بھیجوں گا۔ نکاح خوانی وغیرہ کے لئے بھی ممکن ہوگا تو موقع دوں گا۔ سردست کس تنخواہ پر ایسے صاحب دستیاب ہو سکیں گے۔ طعام و قیام علاوہ تنخواہ ہوگا۔ اگر محترم سے قبل میں حاضر ہو سکا تو بالمشافہ گفتگو ورنہ بذریعہ خط۔

دعا کا طالب

حسام الدین احمد منعمی

* جامعہ قاسمیہ گیا کی مشہور دیوبندی درسگاہ ہے اور حسین احمد مدنی اور حفظ الرحمٰن سیوہاروی دیوبند کے کانگریسی نمائندے۔ اسعد مدنی صاحب، حسین احمد مدنی کے ہی صاجزادے ہیں جو ٹانڈہ یوپی کے رہنے والے ہیں۔

خانقاہ منعمی۔ گیا ۷۸۶ ۲۰ر دسمبر ۱۹۴۵ء

مولانا المحترم زید مجدکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

میں نے ایک ملفوف خط ارسال خدمت کیا ہے جس میں جواب کے لئے ٹکٹ بھی بھیجا ہے اور انتظار کر رہا ہوں۔ وہ خط جناب تک پہونچا ہے یا نہیں؟ براہ کرم مطلع فرمائیے۔

نیاز مند۔ حسام الدین احمد منعمی

خانقاہ منعمی۔ گیا ہوالمنعم ۱۰ر جنوری ۱۹۴۶ء

مولانا المحترم زید مجدکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

گرامی نامہ موصول ہو کر باعث شادکامی ہوا۔ یہاں کی فضا بلکہ تمام ہندوستان

کی فضا ان دنوں خراب ہو رہی ہے۔ جمعیۃ العلمائے ہند کے صدر اگر مولانا حسین احمد مدنی تھے جو جمعیۃ علمائے اسلام کے صدر مولانا شبیر احمد عثمانی ہوئے۔ اگرچہ اسلام کے مفاد کے پیش نظر ہمیں اس انتخاب پر خموشی اختیار کرنا ضروری ہے۔ مگر عقائد صوفیا کی بنا پر ان سے بھی وہی شکایت ہے کیونکہ یہ دونوں شیخ الھند کے شاگرد ہیں۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ ان امور کو سردست ہم ظاہر نہیں کرنا چاہتے۔ ہمارا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ خموشی کے ساتھ اپنی تنظیم کرتے رہیں اور عوام کو یہ بتائیں کہ جمعیۃ العلمائے اسلام کے صدر سے ہمیں عقائد کے بنا پر اختلاف ہے۔ ظاہر ہے کہ انہیں سب کا سیاسی اثر تمام ہندوستان پر ہے۔

یہی سبب ہے کہ میں ایک خوش بیان واعظ کو مقرر کرنا چاہتا ہوں جو سنی عقیدہ کا ہو اور دلچسپی کے ساتھ تنظیم اور تبلیغ کے کام انجام دے سکتا ہو۔ آپ ان امور کا لحاظ فرما کر جلد سے جلد ایک مولوی صاحب کو مقرر فرما کر روانہ فرمایئے۔ میرے خیال میں یہ ضروری نہیں ہے کہ تکمیل کی سند بھی موجود ہو۔ کیونکہ اس وقت درس و تدریس کی ضرورت نہیں ہے۔ محض وعظ و تبلیغ کی ضرورت ہے اور تنظیم کی سنی کانفرنس کا اجلاس کب ہو رہا ہے؟ مطلع فرمایئے۔ میں شرکت کی کوشش کروں گا۔ والسلام فقیر حسام الدین احمد

☆ جن صاحب کو مقرر فرمایئے ان سے فرما دیجئے کہ ایک ماہ تک ان کا کام دیکھ کر مستقل تقرری ہوگی اور تنخواہ ۳۰ یا ۳۵ روپے اور اگر انداز بیان پسندیدہ ہوا یعنی مسلمانوں نے پسند کیا تو میں ۴۰ روپے بھی دینے کے لئے حاضر ہوں۔ حسام الدین احمد

۱۹۴۵ء سے ۱۹۴۷ء تک کا زمانہ بہت شورش زدہ رہا۔ ہندوستان کی آزادی اور تقسیم دونوں نعرے ایک ساتھ بلند ہو رہے تھے۔ مسلمان اس وقت سیاسی سطح پر تین حصوں میں بٹے ہوئے تھے۔ (۱) پاکستان مخالف۔ یہ کانگریس نواز حلقہ تھا جس کی نمائندگی دیوبند کر رہا تھا۔ (۲) حامی پاکستان۔ پاکستان کا قیام مسلم لیگ کا خاص مشن تھا۔ اہل سنت کا بڑا طبقہ اسی خیمے سے تعلق رکھتا تھا۔ (۳) غیر جانبدار۔ یہ باشعور اور درد مند مسلم طبقہ تھا جو حالات کی کروٹ پر نظر رکھتا۔

جمعیۃ علمائے ہند کے نمائندے جس کا مرکز دیوبند تھا، جگہ جگہ جلسہ کر کے لوگوں کو مسلم لیگ کے خلاف ورغلاتے اور مطالبۂ پاکستان سے دستبردار ہونے کی تلقین کرتے۔

اس لئے کانگریس دیوبند پر بہت مہربان رہی اور آزادی کے بعد جب اقتدار سنبھالا تو حکومتی سطح کے مسلم شعبوں (وقف بورڈ وغیرہ) میں انہیں خصوصی نمائندگی عطا کی۔ اس فتنے کے تدارک کے لئے اہل سنت نے بھی جگہ بہ جگہ سنی کانفرنسیں منعقد کیں اور مسلمانوں کو مطالبۂ پاکستان پر آمادہ رکھا۔ ۲۶/۲۷/۲۸ اپریل ۱۹۴۶ء میں بنارس کی سنی کانفرنس اپنے طرز کی یادگار کانفرنس تھی جس میں پانچ ہزار سے زائد صرف علما اور مشائخ شریک ہوئے۔ اس خط میں انہیں حالات کی جانب اشارے ہیں۔

خانقاہ منعمی۔ گیا　　　　　　ہوالمنعم　　　　　　۱۳ مارچ ۱۹۴۶ء

مکرم و محترم مولانا زید مجدکم!　　　　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایک صاحب جاتے ہیں۔ یہ رام گڑھ (ہزاری باغ) میں مجلس وعظ و میلاد منعقد کرنا چاہتے ہیں اور شرط یہ ہے کہ عالم صاحب مسلم لیگی ☆ ہوں۔ اس لئے میں نے مشورہ دیا ہے کہ آپ کو تکلیف دی جائے۔ ہم لوگوں کو اپنا اثر و اقتدار قائم کرنا ہے اور اس سلسلہ میں آپ کی اعانت ضروری ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ جناب والا بلا عذر منظور فرما کر تشریف لائیں گے۔ والسلام　　　　　　فقیر حسام الدین احمد

☆ مسلم لیگی عالم کی طلب اسی لئے ہے کہ اہل سنت کے بیشتر افراد لیگ نواز تھے اور پاکستان کے حامی۔ کانگریس نواز دیوبندی تنظیم جمعیۃ علمائے ہند کے اثر کو ختم کرنے کے لئے، جو سیاسی سطح سے مذہبی فائدہ اٹھا رہی تھی، علما و مشائخ نے کثیر تعداد میں جلسے منعقد کئے۔ رام گڑھ ہزاری باغ کا یہ جلسہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

☆ صدر الشریعہ مفتی حکیم ابوالعلا امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ (م ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء)

مصنف بہار شریعت صدر الشریعہ حکیم محمد امجد اعظمی (۱۲۹۶ھ - ۱۳۶۷ھ) علامہ ہدایت اللہ خاں جونپوری (م ۱۳۲۶ھ) کے شاگرد رشید اور محدث سورتی شاہ وصی احمد پیلی بھیتی (م ۱۳۳۴ھ) کے خاص فیض یافتہ تھے۔ محدث سورتی کی ایما پر اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور پھر وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ منظر اسلام بریلی شریف میں تدریس، افتا اور پریس کے انتظامات کی ذمہ داری کو بہت خوبی سے نباہا۔ بعض حضرات انہیں کام کی مشین کہا کرتے۔ اعلیٰ حضرت کی احتیاط و تقویٰ اور علمی عبقریت سے اتنا متاثر

ہوئے کہ ان کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ ارادت کے ساتھ خلافت کی دولت بھی پائی۔ اعلیٰ حضرت کا مشہور ترجمۂ قرآن کنز الایمان آپ ہی کے اصرار اور عملی تعاون سے مکمل ہوا۔ جب تک اعلیٰ حضرت حیات تھے، آپ بریلی شریف میں ہی رہے۔ اس کے بعد ۱۹۴۳ھ میں صدر مدرس کی حیثیت سے دار العلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف تشریف لے گئے۔ ۱۳۵۱ھ میں پھر بریلی حاضر ہوئے اور تین سال تک قیام فرمایا۔ اس کے بعد دار العلوم حافظیہ سعیدیہ دادوں (علی گڑھ) تشریف لے گئے۔ تدریس، وعظ اور مناظرہ آپ کے مخصوص میدان تھے، اس کے ساتھ تصنیف سے بھی لگاؤ رہا۔ بہار شریعت کی سترہ جلدیں، حاشیۂ طحاوی شریف (عربی)، فتاوئ امجدیہ آپ کی علمی یادگاریں ہیں۔ کثیر العیال تھے پھر بھی نفع اندوزی سے دور رہے۔ علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی ازہری، پاکستان (م ۱۹۴۰ھ)، علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری آپ کے ہی نامور صاحبزادگان ہیں۔ ۱۳۳۷ھ میں پہلی بار حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔ ۱۳۶۷ھ میں دوسری بار عازم حرم ہوئے تھے لیکن ممبئی میں ہی شدید بخار کی حالت میں ۲؍ ذیقعدہ/ ۶؍ دسمبر ۱۹۴۸ء دوشنبہ کے دن گیارہ بجے شب میں محبوب حقیقی کے حضور حاضر ہو گئے۔

مدینے کا مسافر ہند سے پہنچا مدینے میں
قدم رکھنے کی بھی نوبت نہ آئی تھی مدینے سے

آپ نے کثیر نامور اور بافیض تلامذہ پیدا کئے جن میں حافظ ملت مولانا عبد العزیز محدث مرادآبادی (م ۱۹۷۶ء) اور محدث اعظم پاکستان مولانا ابو الفضل سردار احمد لائلپوری (م ۱۳۸۲ھ) کا علمی فیضان پورے عالم کو محیط ہے۔

حضرت صدر الشریعہ عمر میں ملک العلما سے بڑے تھے لیکن دونوں حضرات بارگاہ رضا کے چہیتے اور نیاز مند تھے، اس لئے باہم احترام اور خلوص کے رابطے تھے۔ حضرت کا ملک العلما کے نام صرف ایک مکتوب ہی مل سکا جو در اصل عرس رضوی کا دعوت نامہ ہے۔

۷۸۶۔۹۲ حضرت مولانا المحترم! السلام علیکم

حسب دستور قدیم عرس قادری رضوی ۲۳؍۲۴؍۲۵؍ صفر المظفر ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۸؍۲۹؍۳۰؍ جنوری ۱۹۴۶ء روز دوشنبہ، سہ شنبہ، چہار شنبہ منعقد ہوگا۔ بعونہ عز و جل عرس کمیٹی عرس شریف کے انتظامات کر رہی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ۲۳؍ تا ۲۴؍ جنوری تک

حضرت مفتی اعظم مولانا الحاج شاہ مصطفےٰ رضا خان صاحب بھی سفر حج سے تشریف لے آئیں گے۔ آپ کی شرکت عرس کے تعلق سے مطبوع دعوت نامہ روانہ کیا جا چکا ہے۔ اب یہ مکرر خصوصی دعوت نامہ حاضر ہے۔ آپ کے اخلاق کریمانہ سے شرکت عرس کی قوی امید ہے۔ اس موقع پر خصوصیت کے ساتھ آپ کی شرکت حضرت مفتی اعظم کی مسرتوں کو دوبالا کردے گی اور فقیر بھی آپ کا رہین منت ہوگا۔ والسلام

از خانقاہ عالیہ رضویہ۔ فقیر امجد علی اعظمی عفی عنہ، محلہ سوداگراں، بریلی

☆ مارہروی بزرگ۔

اس خط کے مکتوب نگار کی شخصیت کے بارے میں کچھ نہ پتہ چل سکا۔ میں نے حضرت امین ملت اور سید محمد اشرف صاحب قبلہ سے دریافت کیا لیکن آپ حضرات نے لاعلمی ظاہر کی جبکہ آپ حضرات اکابر خاندان کی تحریروں سے واقفیت رکھتے ہیں۔ سرنامے پر خانقاہ عالیہ قادریہ مارہرہ مقدسہ تحریر ہے۔ اس نسبت کے احترام میں اس مکتوب کو بلا تبصرہ حاضر کرتا ہوں۔ مکتوب کے طرز سے بے تکلفی ظاہر ہے۔ تاج العلما کے زمانے میں خانقاہ عالیہ میں دارالافتا بھی تھا اور مدرسہ بھی۔ اس لئے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خانقاہ عالیہ میں قیام پذیر کوئی دوسرے بزرگ ہوں جن کا خاندان برکات سے تعلق نہ ہو۔

خانقاہ عالیہ قادریہ مارہرہ مقدسہ الله ولاسواہ ۲۰ر فروری

گدا فراموش، نامہربان، مہربان مولانا معظم۔ ہدیہ سلام مسنون و دعا سلامی خان وانجان! یہ ناکارہ فقیر مارہرہ، خدا جانے آپ کی فیض کرم سے باوجود شوق دیدار کیوں محروم ہے۔ واللہ! کسی طرح کا فلسفہ سمجھ میں نہیں آتا۔ نہ یہ بھید کھلتا ہے۔ کون مرد غیب پیدا ہو جو یہ طلسم توڑے۔ آخر آپ کے عدم کرم بخشنے کی وجہ موجہ کیا ہے؟ اگر فقیر کے زشت اعمال و بداطواری کے سبب نفور ہے، باشد۔ لیکن میری ذات نجس کا اثر عرس بے چارے پر کیوں ڈالا جاتا ہے۔ جس کے مقدس عرس میں تکلیف دینا چاہا کرتا ہوں وہ تو...... ولی کامل خدا کا زبردست ٹھہرے۔ لہٰذا جناب کو میرے نجاست اعمال سے...... جناب کو تو صاحب عرس رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مقدس پر تشریف لانا اور پاک روح سے استفادہ حاصل کرنا، تشریف لے جانا ہے۔ دعوت عرس قدس کا...... ہے۔ اب دیکھتا ہوں کہ جناب کی عقیدت

وارادت جو اکابران کرام مارہرہ مقدسہ سے غیر معمولی ہے، کیا فیصلہ کرتا ہے۔ ان شاء اللہ فقیر کے مدعا کے مطابق ڈگری ہوگی کہ آپ تشریف لائیں گے۔ اور فوراً تشریف لائیں گے۔ آپ اپنے ہو تو اس قدر...... بجوش محبت عرض کردیا کرتا ہوں۔ ورنہ حق...... فقیر کو کیا نسبت...... کئی سال آپ نے امید رونق افروزی مہمان صاحب خانقاہ شہسرام کے دلائی مگر شومئی طالع سے کبھی ان کا تنویر جلوہ نظر نہ پڑا...... تو اپنی عمیق کوشش اور جان توڑ سعی بلیغ سے اون بزرگوار لایئے فقیر ہر خدمت بجالانے کو طیار ہے۔ قبل ورود مسعود سے بصحت وعدہ فوری مطلع فرمایئے...... دعوت عرس کا سجادہ صاحب کے نام بھی دفتر عرس سے جاری ہوا ہے۔

ناکارہ۔ فقیر قادری

☆ حافظ ملت شاہ عبدالعزیز مرادآبادی علیہ الرحمہ (۱۹۷۶ء)

حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز مرادآبادی ثم مبارک پوری (م ۱۳۹۶ھ/ ۱۹۷۶ء) حضرت ملک العلما کے احباب میں نہیں، اصاغر میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ صدر الشریعہ، مولانا سید وصی شہسرامی وغیرہ کے شاگرد ہیں جو ملک العلما کے احباب سے تھے۔ لیکن آپ کی عظیم دینی خدمات کی بدولت آپ کے مکتوب کو یہاں درج کرتا ہوں۔

ناچیز حافظ ملت کا ہی بالواسطہ فیض یافتہ ہے۔ والد صاحب قبلہ بیان کرتے ہیں کہ حافظ ملت کی ایک تقریر سن کر ہی تمھیں عالم دین بنانے کا خیال پیدا ہوا۔ احقر کے اساتذہ حافظ ملت کے بلاواسطہ تلمیذ ہیں اور میں نے ۱۹۸۶ء سے ۲۰۰۰ء تک حافظ ملت کے قائم کردہ ادارے جامعہ اشرفیہ میں زندگی کے لمحات گزارے اور علم دین کی تحصیل اور خدمت کی ہے۔ اس لئے آپ سے نیازمندی اور عقیدت فطری سی چیز ہے۔

حضرت حافظ ملت کی ابتدائی تعلیم دار العلوم نعیمیہ میں ہوئی پھر دادوں اور اجمیر مقدس میں صدر الشریعہ کے زیر سایہ تعلیمی مرحلہ اختتام کو پہنچا۔ فراغت کے بعد صدر الشریعہ نے فرمایا: حافظ صاحب! میں اپنے وطن اعظم گڑھ سے باہر باہر رہا جس کی وجہ سے بدمذہبی کو ہمارے علاقے میں ہاتھ پیر پھیلانے کے موقع مل گئے۔ آپ جایئے اور دین وسنیت کی خدمت انجام دیجئے۔ حافظ ملت نے عرض کی: میں ملازمت نہیں کرنا چاہتا۔ حضرت نے فرمایا: میں نے ملازمت کے لئے کب کہا، میں تو آپ کو دین کی خدمت کے لئے بھیج رہا ہوں۔ حضرت مبارک پور تشریف لائے۔ ایک چھوٹا سا مکتب تھا جسے ترقی دے کر دار العلوم

اشرفیہ (۱۳۵۲ھ سن تاسیس) پھر جامعہ اشرفیہ (۱۹۷۲ء) کی منزل تک پہنچایا۔ اپنی زندگی کے چالیس سال بہت ایثار اور خلوص کے ساتھ گذارے اور وہ کارنامہ انجام دے گئے جو رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا۔ ٹھوس صلاحیت کے مالک جید علما پیدا کئے، مدارس کا جال بچھا یا، مبارک پور کے وہابیوں سے مناظرے کئے اور انہیں ہر محاذ پر شکست دی۔ مرتاض، صاحب دل، خلوص پیشہ، سادہ طبیعت اور دردمند دل کے بڑے بے نفس بزرگ تھے۔ اپنے بدترین مخالف کا بھی برا نہ چاہا، نہ اسے برا کہا۔ استقلال ایسا پایا تھا کہ مخالفت کا بڑے سے بڑا طوفان بھی آپ کے پائے ثبات میں لرزش نہ پیدا کر سکا۔ معارف حدیث، عقائد علمائے دیوبند، الدیوبندیہ، ارشاد القرآن جیسی مفید کتابیں بوقت ضرورت تحریر کیں۔ ورنہ آپ کے سر ذمہ داریاں اتنی تھیں کہ آپ کو تصنیف کی فرصت ہی نہیں تھی۔ اعلیٰ درجے کے خطیب تھے جن کے خطابت میں گھن گرج کم اور تاثیر کا پہلو زیادہ ہوتا تھا۔ بڑوں کے حضور بہت مودب رہتے جس کا کچھ اندازہ درج ذیل مکتوب سے بھی ہوسکتا ہے۔

ملک العلمانے ایک طالب علم کے داخلے کے سلسلے میں سفارشی مکتوب تحریر فرمایا تھا جس کے جواب میں معروضہ رقم ہوا

۷۸۶ مخدوم محترم مطاع مکرم حضرت محدث اعظم صاحب قبلہ دامت برکاتکم العالیہ

آداب ونیاز وسلام مسنون!

عزیز مکرم احمد سلمہ کا داخلہ کر کے خورونوش وغیرہ کا انتظام کر دیا۔ مولیٰ تعالیٰ ان کو علم نافع عطا فرمائے۔ آمین! حضور والا نے ادریس سلمہ کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا، حق ہے، بسروچشم منظور ہے۔ حضور مجھے خود ادریس کی علیحدگی سے بے حد قلق ہے۔ اس کا اخراج اور پھر عدم داخلہ محض اشرفیہ کی محبت میں اس کے بقائے نظم کے تحت تھا۔ ۲۸ رشوال شنبہ کو حضور والا کا گرامی نامہ موصول ہوا۔ ادریس ۲۶ رشوال پنجشنبہ کو بنارس حمیدیہ رضویہ میں بخوشی چلے گئے۔ میں نے ان کو دعا کے ساتھ رخصت کیا ہے۔ امسال وہ وہاں پڑھیں۔ ان شاء المولیٰ القدیر آئندہ سال حضور والا کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے داخلہ لے لیا جائے گا۔ مولوی عبدالروف صاحب بمضمون واحد آداب وسلام عرض کرتے ہیں۔ فقط

عبدالعزیز عفی عنہ۔ ۲۸ رشوال ۱۳۸۰ھ

☆☆☆

علم توقیت میں ملک العلما کے ایک شاگرد

علامہ حافظ عبد الرؤف بلیاوی علیہ الرحمہ

نائب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارکپور

ملک العلما مولانا محمد ظفر الدین قادری رضوی (۱۳۰۳ھ-۱۳۸۲ھ) امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہما کے خاص فیض یافتہ تلمیذ، مسترشد اور خلیفہ تھے۔ جنہوں نے پوری زندگی اپنے مربی استاذ اور مرشد کے افکار کی اشاعت میں گذاری۔ آپ ۷۰؍ سے زائد کتابوں کے مصنف، ہزاروں تلامذہ کے مشفق استاذ، سینکڑوں مریدین کے مرتاض مرشد اور ایک پاکیزہ، دل آویز شخصیت کے مالک تھے۔ اخلاق ایسا وسیع، کردار اتنا پختہ اور علم ایسا گہرا پایا تھا کہ پورے متحدہ ہندوستان کے اصحاب کمال اور صاحبان زہد سے آپ کے رابطے تھے۔ اس کا اندازہ آپ کے ذخیرۂ مکاتیب کو دیکھنے کے بعد ہوا لیکن مزاج سادہ اور طبیعت بے نفس پائی تھی، اس لیے نام ونمود سے کوسوں دور رہے۔

امام احمد رضا کے گرامی تلامذہ نمایاں جہتوں میں خصوصی امتیاز لے کر آفاق عالم پر جلوہ گر ہوئے۔ حضرت صدر الشریعہ، بدر الطریقہ علامہ حکیم امجد علی قادری رضوی کی بے مثل فقاہت امام احمد رضا کے تفقہ کا عکس جمیل تھی، حضرت مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا قادری نوری کا زہد وتقویٰ امام احمد رضا کی روحانی یادگار تھا اور ملک العلما مولانا محمد ظفر الدین قادری رضوی علم ہیئت وتوقیت میں امام احمد رضا کے یکتا جانشین تھے۔ اس کی تائید اعلیٰ حضرت کے ان مبارک کلمات سے ہوتی ہے:

”مکرمی مولانا ظفر الدین صاحب قادری سلمہ فقیر کے یہاں اعز طلبہ سے ہیں اور میرے بجان عزیز۔ ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسے میں مدرس اور اس کے علاوہ کار افتاء میں میرے معین ہیں۔ میں نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں، سب سے یہ زائد ہیں مگر اتنا ضرور کہوں گا:

سنی خالص مخلص نہایت صحیح العقیدہ ہادی مہدی ہیں، عام درسیات میں بفضلہ تعالیٰ عاجز نہیں، مفتی ہیں، مصنف ہیں، واعظ ہیں، مناظرہ بعونہ تعالیٰ کر سکتے ہیں، علمائے

زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔ امام ابن حجر مکی نے ''زواجر'' میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے اور اب ہند بلکہ عامۂ بلاد میں یہ علم علما بلکہ عامۂ مسلمین سے اٹھ گیا۔ فقیر نے بتوفیق قدیر اس کا احیا کیا اور سات صاحب بنانا چاہے جس میں بعض نے انتقال کیا۔ اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ بیٹھے، انہوں نے بقدر کفایت اخذ کیا اور اب میرے یہاں کے اوقات طلوع وغروب ونصف النہار ہر روز وتاریخ کے لئے اور جملہ اوقات ماہ رمضان شریف کے لئے بھی بناتے ہیں۔ فقیر آپ کے مدرسے کو اپنے نفس پر ایثار کر کے انہیں آپ کے لئے پیش کرتا ہے۔'' (حیات اعلیٰ حضرت ۱/۲۴۴)

ملک العلما نے دیگر علوم کے ساتھ علم توقیت میں بھی کئی قلمی یادگاریں چھوڑی ہیں۔ الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت، سلم الافلاک، مشرقی اور سمت قبلہ، موذن الاوقات جیسی قیمتی تصانیف اسی فن کے شہ پارے ہیں۔ آپ نے اپنی تصانیف میں امام احمد رضا کے علمی افادات اور قیمتی تحریریں حوالوں کے ساتھ درج کی ہیں۔ امام احمد رضا سے کچھ عقیدت ہی ایسی تھی۔ ''جامع الاقوال فی رویۃ الہلال'' میں امام احمد رضا کا مبارک رسالہ ''طرق اثبات الہلال'' کے مباحث، ''صحیح البہاری معروف بہ جامع الرضوی'' میں اعلیٰ حضرت کے حدیثی افادات اور ''الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت'' میں امام احمد رضا کے متبحر بہ ہیئتی اور توقیتی افادات شامل ہیں اور لطف یہ کہ ہر جگہ اس مصدر فیض کا برملا اعلان اور اس نسبت شرف پر اظہار افتخار بھی ملتا ہے۔ یہی انداز محبت حضرت صدر الشریعہ کے یہاں بھی موجود ہے۔ آپ نے بہار شریعت کے کتاب الحج میں اعلیٰ حضرت کا مبارک رسالہ ''انوار البشارۃ فی مسائل الحج والزیارۃ'' من وعن شامل کیا ہے۔ اس طور سے ملک العلما کی تحریروں کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے کہ ان میں افادات رضا کی تجلیاں شامل ہیں۔

حضرت ملک العلما کو اپنی دو کتابوں کی وجہ سے خاصی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ ایک ''صحیح البہاری معروف بہ جامع الرضوی'' اور دوسری ''موذن الاوقات''۔ پہلی علم حدیث کا نادر شاہکار ہے اور دوسری متحدہ ہندوپاک کے اوقات صوم وصلوٰۃ کی تفصیل پر مشتمل ہے۔ علم توقیت میں تصانیف کے ساتھ ساتھ آپ کے تلامذہ کا بھی طویل سلسلہ ہے۔ اس سلسلے کی روشن کڑی ہیں حضرت علامہ عبد الرؤف بلیاوی ثم مبارک پوری علیہ الرحمہ نائب شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور۔

حضرت مولانا عبدالرؤف علیہ الرحمہ (۱۳۳۲ھ/۱۹۱۲ء-۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء) یوپی کے ضلع بلیا کے ایک گاؤں بھوجپور میں پیدا ہوئے۔آپ کو سادہ اور دیندار ماحول ملا۔والد ماجد جناب محمد اسلام صاحب کلکتہ میں ریلوے ملازم تھے۔زندگی کے ابتدائی ایام کلکتہ میں ہی گذارے جہاں آپ نے قرآن حکیم حفظ کیا اور عربی کی ابتدائی درسیات بھی مکمل کیں۔۱۳۵۱ھ میں امروہہ تشریف لئے گئے جہاں آپ نے متوسطات تک تعلیم حاصل کی۔امروہہ سے احسن المدارس کانپور اور پھر مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارکپور میں داخلہ لیا اور آخری درسگاہ میں ہی رہ کر معمار قوم حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مراد آبادی قدس سرہ کی خدمت میں رہ کر علم وفضل کی تکمیل فرمائی۔بعض سازشی عناصر کی ریشہ دوانیوں سے تنگ آکر جب حافظ ملت ناگپور تشریف لے گئے تو مبارک پور کی بزم علم سونی ہوگئی۔اس وقت آپ بھی ناگپور تشریف لے گئے جہاں علامہ ارشد القادری، مفتی ظفر علی نعمانی اور قاری مصلح الدین جیسے رفقائے درس کے ساتھ آپ کو دستار فضیلت سے نوازا گیا۔

ناگپور، بریلی شریف میں مختصر مدتی درس دینے کے بعد حافظ ملت کی ایما پر آپ مبارک پور تشریف لے آئے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔آپ نے پوری زندگی جامعہ اشرفیہ کے کاروان علم کو آگے بڑھانے میں صرف کردی۔دارالعلوم اشرفیہ کو جامعہ اشرفیہ کی منزل تک پہونچانے میں آپ کی جانفشانہ کاوشوں کا بے حد دخل ہے۔آپ نے بے حد سادہ طبیعت پائی تھی۔معمولی خورونوش، نحیف تن وتوش، سادہ لباس لیکن علم اور وقار کا کوہ گراں، نہایت جفاکش، متوکل، غنی قلب، نکتہ رس، دوربین، تدبر آشنا، سراپا اخلاص شخصیت رکھتے تھے۔فتاویٰ رضویہ کی تیسری جلد کی اشاعت آپ کی ہی مجاہدانہ کاوشوں کا ثمر ہے۔ علمی استحضار اعلیٰ درجے کا پایا تھا۔معقولات ومنقولات کے تمام گوشے آپ کی نگاہ میں تھے اور فلکیاتی علوم میں تو اتھارٹی تھے۔آپ کے ممتاز تلمیذ مفتی شبیر حسن صاحب کے بقول:

"آپ کو ہیئت ونجوم میں کمال حاصل تھا۔کبھی کبھی کرم فرماتے تو کمرہ سے باہر نکل کر اشرفیہ کی چھت پر تشریف لاتے، ستاروں کی شناخت کراتے اور ان کے اسماء بتاتے اور حرکات وکوائف سے واقف کراتے۔"

تفسیر وحدیث، فقہ واصول، منطق وفلسفہ کے ساتھ ساتھ ریاضی، نجوم، ہیئت اور

توقیت میں بھی یکتائے روزگار تھے۔ آپ نے ہیئت وتوقیت میں دستگاہ حضرت ملک العلما کی بارگاہ میں رہ کر حاصل کی۔ جب ملک العلما مدرسہ لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار میں درس دے رہے تھے، اس وقت آپ نے اس فن کو سیکھنے کے لیے کٹیہار کا سفر کیا اور چھ مہینہ رہ کر اس فن میں مہارت حاصل کی۔ کٹیہار سے واپس آنے کے بعد بھی آپ نے اپنے استاد گرامی سے نیاز مندانہ رابطے برقرار رکھے اور مراسلات کے ذریعہ استفادے کا سلسلہ بھی جاری رہا۔

احقر علی گڑھ میں جب حضرت ملک العلما کے نام آئے ہوئے مکاتیب کی فائل دیکھ رہا تھا تو حضرت علامہ حافظ عبدالرؤف علیہ الرحمہ کے بھی چار نیاز نامے نظر آئے جن میں سے تین کے اندر علم توقیت کے مسائل کا بھی تذکرہ ہے۔ یہاں انہیں مکاتیب کی بلا تبصرہ پیشکش پر اکتفادہ ہوتی ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے "تذکرہ مولانا حافظ عبدالرؤف بلیاوی علیہ الرحمہ" مصنفہ مولانا قمر الحسن بستوی، مطبوعہ المجمع الاسلامی مبارک پور۔

حضرت علامہ حافظ عبدالرؤف علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں:

(۱) مبارکپور مدرسہ اشرفیہ ضلع اعظم گڑھ   ۷۸۶/۹۲   ۳ر فروری ۵۵ء

استاذنا المحترم ذوالعزوالحشم زید کرمہ!   السلام علیکم!

سلام مسنون کے بعد گذارش کہ آنے کے متعلق عرض کیا تھا جس کو حضرت نے شرف قبولیت بخشا جس کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ ضروری مشاغل کی وجہ سے حاضر خدمت نہ ہوسکا۔ اب قدرے فرصت ہے۔ خیال ہے کہ ۷/۸ر فروری تک حاضر خدمت ہو جاؤں۔ مطلوبہ قرآن پاک تیار ہو گئے تو ساتھ لیتا آؤں گا۔ حضرت استاذی مولانا محمد سلیمان صاحب قبلہ * کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے۔ فقط والسلام۔ عبدالرؤف

* مولانا محمد سلیمان صاحب بھاگلپوری اہل سنت کے ممتاز عالم دین تھے۔ عرصہ تک دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور میں تدریسی خدمات انجام دیں۔

---

(۲) مبارکپور   ۷۸۶   ۱۵ر مارچ ۱۹۵۵ء

استاذنا المحترم ذوالعزوالحشم مدظلہ العالی!   السلام علیکم!

گرامی نامہ تشریف لایا۔ حالات معلوم ہوئے۔ رائے عالی کے مطابق اوقات سحری میں ۵ر منٹ کی کمی اور افطار میں ۵ منٹ کا اضافہ کردیا گیا ہے۔ حضرت قاری صاحب

کو خط سنا دیا۔ ان کو بھی خط مل گیا ہے۔ کل جلد ساز کو قرآن پاک دیدیے گئے ہیں، امید کہ ہفتہ بعد تیار ہو جائیں گے اور وقت پر پہونچ جائیں گے۔ کل بنارس نقشہ کے طبع کے لیے جا رہا ہوں۔ ہفتہ کے بعد واپسی ہوگی۔ حضرت استادی مولانا محمد سلیمان صاحب قبلہ وحضرت مولانا محمد یوسف صاحب ومولانا محمد شہاب الدین صاحب حافظ صاحب کی خدمت میں سلام عرض ہے۔ حضرت حافظ عبدالعزیز صاحب قبلہ* وقاری صاحب** وغیرہ سلام کہتے ہیں۔ فقط عبدالرؤف۔ مدرسہ اشرفیہ مبارکپور

* حافظ ملت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث مرادآبادی بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

** قاری صاحب سے قاری محمد یحییٰ مبارکپوری علیہ الرحمہ مراد ہیں وہ جامعہ اشرفیہ کے استاذ اور رکن تھے۔ خلیق اور نیک طبیعت انسان تھے۔ قرآن حکیم بہت عمدہ انداز میں تلاوت فرماتے۔

---

(۳) مبارکپور ضلع اعظم گڑھ　　۷۸۶/۹۲　　۲۲ رشعبان ۱۳۷۸ھ/۳ /مارچ ۱۹۵۹ء

حضرت استاذنا المحترم ذوالعزوالحشم دامت برکاتہم العالیہ!　　السلام علیکم

بعد ہدیہ قدمبوسی گذارش ہے کہ جب طول بلد ۹۰ /درجہ ہو تو ۵ /درجہ اعشاریہ تک اس کی تحویل کیسے ہوگی؟ میں نے کوشش کی مگر دو درجہ اعشاریہ سے زیادہ تحویل نہیں ہو رہی ہے۔

۹۰×۴= ....۶ گھنٹہ

۲۴-۶= ....۱۸ گھنٹہ

۱۸÷۲۴= ....۴۵ منٹ

.... ۴۵

۱۰

....۳۰(۷

۱۰

....(۵

تو کیا دو درجہ اعشاریہ پر دو صفر اضافہ کر کے ۴ درجہ اعشاریہ بنالیں گے ۰،۷۵۰۰ یا کیا؟

دوسری گذارش یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کا رسالہ ''سمت قبلہ'' جس کا دوسرا باب توضیح التوقیت میں درج ہے اور حضور کا رسالہ ''سلم الافلاک'' ان دونوں رسالوں

کونقل کرنا چاہتا ہوں۔ غالباً حضور کے یہاں ہوں گے۔ اگر بذریعہ ڈاک بھیجنا مناسب ہو تو تحریر فرمائیں تا کہ ٹکٹ لفافہ میں رکھ کر حاضر خدمت کروں یا جو صورت مناسب خیال فرمائیں ویسے ہی عمل کروں۔ فقط والسلام عبدالرؤف

مدرسہ اشرفیہ مبارکپور ضلع اعظم گڑھ

---

(۴) دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور ضلع اعظم گڑھ ۷۸۶

مخدومی و مکرمی دامت برکاتہم العالیہ! السلام علیکم،

مکان گیا ہوا تھا۔ کل واپس آیا، آج جواب تحریر کر رہا ہوں۔ ۶/جولائی ۱۹۶۰ء کو پانچ سو انتیس روپے نو آنے (۵۲۹،۹) کا منی آرڈر وصول ہوا تھا اور اسی روز ایک لفافہ وصولی کا حضور کی خدمت عالیہ میں روانہ کیا۔ معلوم نہیں کیوں اب تک نہیں پہنچا۔ روپے بطور امانت محفوظ ہیں۔ مد معلوم ہونے کا انتظار ہے۔ حضرت سید ایوب علی صاحب* کو خط لکھا گیا، ہنوز جواب نہیں آیا۔ انہیں روپیہ کی بابت صاف طور پر لکھا نہیں جاسکتا، اشارہ میں لکھا جائے گا۔ معلوم نہیں کہ اشارہ کو سمجھیں گے یا نہیں؟ حضور عالی کو مد معلوم ہو تو تحریر فرمادیں۔

فتاویٰ رضویہ** چھپ رہی ہے۔ امید ہے کہ نومبر ۱۹۶۰ء کے پہلے ہفتہ میں تیار ہو کر آجائے گی۔ قیمت کے متعلق ابھی کوئی قطعی بات نہیں کہی جاسکتی ہے۔ تیار ہونے کے بعد ہی صحیح معلوم ہو سکتی ہے۔ البتہ اندازہ ہے کہ بارہ، ساڑھے بارہ روپیہ تک ہوگی۔

طلوع و غروب معلوم کرنے میں مَیل و عرض کا مجموعہ یا فرق بُعد سمتی میں موڑنا پڑتا ہے۔ اگر میل و عرض کچھ نہ ہو یا عرض ہو، میل نہ ہو یا میل ہو، عرض نہ ہو تو ان صورتوں کیا کرنا ہوگا؟

بقیہ سب خیریت ہے۔ فقط والسلام عبدالرؤف

*حضرت مولانا سید ایوب علی رضوی (م ۱۹۷۰ء) اعلیٰ حضرت کے مرید، سچے نیاز مند تھے اور ملک العلما کے گہرے دوست۔ تقسیم پاکستان کے بعد کراچی تشریف لے گئے اور وہیں انتقال ہوا۔ جب ملک العلما نے حیات اعلیٰ حضرت کی تدوین کا پروگرام بنایا تو مختلف احباب سے رابطے کئے۔ جب سید ایوب علی رضوی صاحب کو علم ہوا تو اپنے پاس اکٹھا سارا علمی مواد ملک العلما کے حوالے کر دیا۔ اس قسم کے علمی ایثار کی مثالیں کم ملیں گی۔

٭٭فتاویٰ رضویہ کی پہلی جلد اعلیٰ حضرت کی حیات مبارکہ میں شائع ہوئی۔دوسری جلد صدر الشریعہ مفتی حکیم ابو العلا محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ نے اپنے اہتمام سے شائع کی۔پہلی جلد میں بھی آپ کا خصوصی تعاون تھا۔بقیہ جلدیں تشنہ طباعت تھیں۔اعلیٰ حضرت کے خلف اصغر مفتی اعظم شاہ مصطفیٰ رضا قادری برکاتہ نوری قدس سرہ کی ایما پر ان کے مسودات علامہ حافظ عبد الرؤف صاحب علیہ الرحمہ مبارکپور لے آئے۔دستبرد زمانہ سے فتاویٰ رضویہ کے مسودات کرم خوردہ اور نہایت بوسیدہ ہو گئے تھے۔بہت محنت اور جانفشانی کے بعد اس کی تیسری جلد ایڈٹ کر کے شائع کی۔کچھ دنوں کے بعد ہی پیغام اجل آ گیا۔باقی جلدیں علامہ کے رفیق کار بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی مدظلہ نے اپنی کاوش سے مرتب کر کے شائع کیں۔اب [redacted] مفتی عبد القیوم ہزاروی علیہ الرحمہ (پاکستان) نے فتاویٰ رضویہ کو نئے انداز سے ایڈٹ کر کے ترجمہ اور تخریج کے ساتھ تیس جلدوں میں شائع کیا ہے جو اپنی نوعیت کا منفرد کارنامہ ہے۔ فجزاهم الله خير الجزاء عن سائر المسلمين

ملک العلما اور ان کے فتاویٰ

ملک العلما حضرت مولانا شاہ محمد ظفر الدین قادری برکاتی رضوی قدس سرہٗ (۱۳۰۳ھ۔۱۳۸۲ھ) اپنے عہد کے ممتاز عالم دین، اسلامی دانشور، تدبر آشنا فقیہ، نکتہ سنج مفتی، دقیقہ رس مصنف، ماہر مدرس اور سراپا خلوص، مرتاض پیشوائے طریقت تھے۔ بچپن ہی سے آثار کرامت آپ کی پیشانی سعادت پر درخشاں تھے۔ پھر جب اس گلستان فکر کو امام احمد رضا کی فضائے نو بہار میسر آگئی تو اس کی شادابی اور درخشانی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔

حضرت ملک العلماء کے مورث اعلیٰ سید ابراہیم بن سید ابو بکر غزنوی ملقب بہ مدار الملک و مخاطب بہ مَلِک بیا ہیں۔ ان کا نسب نامہ ساتویں پشت میں حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔

حضرت ملک العلما کی ولادت مبارکہ ۱۰؍محرم الحرام ۱۳۰۳ھ/ ۱۹؍اکتوبر ۱۸۸۰ء کو صبح صادق کے وقت موضع رسول پور میجرا ضلع نالندہ، بہار میں ہوئی۔ والد ماجد ملک عبد الرزاق اشرفی علیہ الرحمۃ نے خاندانی طرز کے مطابق چار سال، چار مہینہ، چار دن کی عمر (۱۳۰۷ھ) میں اپنے مرشد گرامی شاہ چاند بیتھوی کے دست مبارک سے آپ کی بسملہ خوانی کرائی۔ ابتداءً والد ماجد کی آغوش تربیت میں رہے پھر قرآن حکیم اور اردو فارسی کی کتابیں حافظ مخدوم اشرف، مولوی کبیر الدین اور مولوی عبد اللطیف سے پڑھیں۔ پھر اپنے نانیہال موضع بین ضلع پٹنہ کے مدرسہ غوثیہ حنفیہ میں ۱۳۱۲ھ میں داخلہ لیا جہاں تفسیر جلالین اور میر زاہد تک کی کتابوں کا درس لیا۔ مدرسہ غوثیہ حنفیہ کے اساتذہ نے آپ کی ذہانت دیکھتے ہوئے بہت شفقت کے ساتھ آپ کی تعلیم کا نظم فرمایا۔

قاضی عبد الودود کے والد ماجد قاضی عبد الوحید صدیقی فردوسی رئیس لودی کٹرہ وخلیفۂ امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہما (۱۲۸۹ھ-۱۳۲۶ھ) نے

۱۳۱۸ھ میں پٹنہ کی سرزمین پر ایک عظیم الشان کانفرنس بلائی جو تحریک ندوہ کے اسلام مخالف نظریات کا تردیدی پس منظر رکھتی تھی۔ اس کانفرنس میں امام احمد رضا قادری برکاتی بنفس نفیس شرکت کے لئے پٹنہ تشریف لے گئے جہاں دیگر اکابر علمائے اہلِ سنت بھی جلوہ افروز تھے۔ اسی موقع سے قاضی عبد الوحید فردوسی علیہ الرحمۃ نے ایک سنی ادارے کی داغ بیل ڈالی، نام رکھا مدرسہ حنفیہ۔ اس ادارے کے لئے قابل اساتذہ کا انتخاب کیا جن میں مسند وقت حضرت علامہ شاہ وصی احمد محدث سورتی قدس سرہٗ (متوفی ۱۳۳۴ھ) بھی شامل تھے۔ مرحوم فردوسی نے اسی ادارے سے ایک علمی رسالہ ''تحفہ حنفیہ ملقب بہ مخزن تحقیق'' جاری کیا جو عرصۂ دراز تک علم وفن اور دین وسنیت کی گرانقدر خدمات انجام دیتا رہا۔

حضرت ملک العلما نے جب اس مدرسے کی شہرت اور حضرت محدث سورتی کا چرچا سنا تو ۲۵ر جمادی الآخرۃ ۱۳۲۰ھ کو پٹنہ چلے آئے اور محدث سورتی کی خدمت میں رہ کر مسند امام اعظم، مشکوۃ شریف اور ملا جلال پڑھی۔ کچھ دنوں کے بعد ہی محدث سورتی اپنی علالت سے مجبور ہو کر اپنے وطن پیلی بھیت تشریف لے گئے تو حضرت ملک العلما بھی وہاں سے رخصت ہو کر کانپور پہنچے اور وہاں کے تین مدارس سے بیک وقت علمی فیوض حاصل کئے۔ ۱- مدرسہ امداد العلوم، بانس منڈی۔ ۲- مدرسہ احسن المدارس۔ ۳- دار العلوم...... یہاں کے اساتذہ میں شہرۂ آفاق عالم مولانا احمد حسن کانپوری (متوفی ۳ر صفر ۱۳۲۲ھ) اور مولانا عبید اللہ پنجابی (متوفی ۶ر جمادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ) قابل ذکر ہیں۔ حضرت ملک العلما کانپور سے دوبارہ اپنے ممتاز استاذ حضرت محدث سورتی کی خدمت میں پیلی بھیت حاضر ہو گئے اور ان سے درس حدیث لیا۔ پھر ۱۳۲۱ھ میں بانس بریلی حاضر ہوئے اور مدرسہ مصباح التہذیب میں مولوی غلام یٰسین دیوبندی کے درس میں شریک ہوئے لیکن یہاں کی سنیت بیزار فضا سے جلد ہی ادب کر سرچشمۂ علم وادب اور مصدر عشق ومحبت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر ان سے ایسے مانوس ہوئے کہ انہیں کے ہو کر رہ گئے بلکہ پوری زندگی ان کے مشن کی ترویج واشاعت کے لئے وقف کر دی۔

حضرت ملک العلما کے ذوق علم کی برکت ہے کہ امام احمد رضا نے آپ کے اصرار پر ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں مدرسہ منظر اسلام قائم فرمایا جس کا افتتاح ان دو طالب علموں سے ہوا:

۱- ملک العلما مولانا ظفر الدین قادری رضوی۔ ۲- مولانا سید عبد الرشید عظیم آبادی۔
حضرت ملک العلما نے امام احمد رضا سے بخاری شریف، اقلیدس کے چھ مقالے، تشریح الافلاک، تصریح، شرح چغمینی کا درس لیا اور فتویٰ نویسی کے آداب سیکھے اور اس طرح علم ہیئت، توقیت، جفر، تکسیر اور ریاضی جیسے نادر فنون میں کمال حاصل کیا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے سلوک کی ظاہری اور باطنی منزلیں بھی طے کیں۔ تصوف کی مشہور کتابیں رسالۂ قشیریہ اور عوارف المعارف کا سبقاً سبقاً درس لیا، ذکر بالجہر، پاس انفاس کے باطنی آداب سیکھے۔ بالآخر آپ کی صفائے باطن سے متاثر ہو کر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ نے سال فراغ کے اخیر میں آپ کو سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کی اجازت و خلافت مرحمت فرمائی۔

سال فراغ کے فوراً بعد حضرت ملک العلما نے منظر اسلام، بریلی شریف میں تدریس، تصنیف اور افتا نویسی کا سلسلہ شروع کر دیا۔ زیر نظر مجموعۂ فتاویٰ میں بیشتر فتاویٰ اسی زمانے کے ہیں۔ ۱۳۲۹ھ میں معززین شملہ کے اصرار پر شملہ تشریف لے گئے پھر علی الترتیب ان مدارس کی فضاؤں میں آپ کے پاکیزہ افادات گونجتے رہے:

۱- مدرسہ حنفیہ، آرہ، بہار (۱۳۲۹ھ تا ۱۳۳۰ھ)۔ ۲- مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ (۱۳۳۰ھ تا ۱۳۳۴ھ)۔ ۳- مدرسہ خانقاہ کبیریہ، شہسرام (۱۳۳۴ھ تا ۱۳۳۸ھ)۔ ۴- مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ (۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء تا ۱۹۵۰ء)

اخیر الذکر مدرسہ کے آپ ۱۹۴۸ء میں پرنسپل ہوئے اور ۱۹۵۰ء میں ریٹائر ہوئے۔ ریٹائرمنٹ کے ڈیڑھ دو سال بعد شاہ شاہد حسین درگاہی میاں سجادہ نشین بارگاہ عشق، میتن گھاٹ پٹنہ کی استدعا پر ۱۳۷۱ھ میں کٹیہار، بہار میں جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کا افتتاح فرمایا اور اپنی کوششوں سے اسے کافی فروغ بخشا۔ جب یہ ادارہ مستحکم ہو گیا تو آپ ربیع الاول شریف ۱۳۸۰ھ میں اپنے دولت کدے "ظفر منزل" شاہ گنج پٹنہ آ گئے۔

پچپن سال کے طویل تدریسی ایام میں ہزاروں تلامذہ آپ کے سرچشمۂ

فیض سے سیراب ہوئے اور ایک عالم کو فیض یاب کیا۔ آپ نے اس دوران فتویٰ نویسی، وعظ وتلقین، تصنیف وتالیف، بیعت وارشاد، مناظرہ اور قضا جیسے گوناگوں مشاغل سے رابطہ رکھا۔ ان کثیر مصروفیات کے ہجوم میں صوفیانہ اذکار کے لئے بھی آپ نے اوقات خاص کرر کھے تھے۔ قادر مطلق نے آپ کے اوقات میں عجب برکتیں دے رکھی تھیں لیکن اس ذیل میں آپ کے اوقات کی منضبط تقسیم کا بھی خاصا دخل تھا۔

حضرت ملک العلماء عرصے سے فشار الدم کے مرض میں مبتلا تھے جس کی وجہ سے کافی نحیف ہو گئے تھے۔ اس عالم نقاہت میں بھی آپ کے معمولات شب وروز میں کوئی فرق نہ آیا۔ ریاضتوں کے وہی سلسلے تھے اور علمی مصروفیات بھی اپنی جگہ تھیں۔ بالآخر یکشنبہ کا دن گذار کر دوشنبہ کی شب میں ۱۹؍ جمادی الآخرۃ ۱۳۸۲ھ/ ۱۸؍ نومبر ۱۹۶۲ء کو اسم ذات کا ذکر بالجہر کرتے ہوئے اس طرح پرسکون انداز میں اپنے محبوب حقیقی کے حضور حاضر ہو گئے کہ حاضرین کو کچھ دیر تک اس بات کا احساس بھی نہ ہو سکا کہ آپ لذت وصال سے شاد کام ہو چکے ہیں۔ دوسرے دن حضرت شاہ محمد ایوب شاہدی رشیدی سجادہ نشین خانقاہ اسلام پور ضلع پٹنہ (متوفی ۱۹۶۷ء) نے، جن سے حضرت کو فردوسی، شطاری وغیرہ سلاسل کی اجازت حاصل تھی، آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور درگاہ شاہ ارزاں (متوفی ۱۰۲۸ھ) کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

حضرت ملک العلماء علامہ محمد ظفر الدین قادری برکاتی رضوی قدس سرہٗ علم وفن کی بیشتر شاخوں پر دسترس رکھتے تھے خصوصاً علوم اسلامیہ میں امام احمد رضا کے علمی اور فکری جانشین تھے۔ علوم قرآن، تفسیر، اصول تفسیر، تجوید وقرأت، علوم حدیث، حدیث، اصول حدیث، فقہی علوم، فقہ، اصول فقہ، عقائد وتصوف، بلاغت، عروض، ادب، لغت، نحو وصرف، معانی وبیان، فلکیاتی علوم، نجوم، ہیئت، توقیت، تکسیر، جفر، رمل، عقلی علوم منطق، فلسفہ، ریاضی جیسی علمی شاخوں سے آپ کو نہ صرف واقفیت بلکہ ان پر دسترس حاصل تھی۔ اس وسعت علمی پر ان کی تحریریں بہترین شہادت ہیں جن میں مذکورہ سبھی علوم کی چاندنی پھیلی ہوئی ہے اور ایسا کیوں نہ ہو بستان رضا کے خوشہ چیں جو ٹھہرے۔ ان تمام علوم میں چند شاخیں آپ کی خاص پہچان تھیں۔ ۱۔ علوم حدیث۔

۲-فقہ وتصوف۔ ۳-عقائد ومناظرہ۔ ۴-ہیئت وتوقیت۔ ۵-اور سوانحی ادب۔

فقہ وتصوف پر آپ کو کس قدر عبور حاصل تھا، اس کی قدرے وضاحت کے لئے تو یہ مقالہ ہی تحریر کیا جارہا ہے۔ باقی گوشوں پر بھی ایک اجمالی نگاہ ڈالتے چلتے ہیں۔

علوم حدیث میں عبقریت:

حضرت ملک العلما نے بریلی شریف کے علاوہ جہاں بھی منصب تدریس سنبھالا وہاں علمی صدارت کی شہ نشین آپ کی خدمت میں ہی پیش کی گئی۔ اسی لئے صحاح ستہ کا درس بھی ہمیشہ آپ کے ذمہ رہا۔ اس طور سے درس حدیث کی آپ نے پوری زندگی گرانقدر سعادت حاصل کی۔ وعظ وتذکیر میں کثرت کے ساتھ آپ حدیث شریف تلاوت کرتے اور اس کے قیمتی نکات بیان فرماتے۔ فتاویٰ اور مختلف تصانیف میں بھی آپ نے جس کثرت کے ساتھ احادیث طیبہ کے حوالے پیش کئے ہیں، وہ آپ کی اس علم شریف پر دسترس کا کافی ثبوت ہیں لیکن اس فن شریف میں آپ کی سب سے انمول یادگار ہے ''جامع الرضوی معروف بہ صحیح البہاری''۔ چھ جلدوں میں آپ نے مذہب حنفی کی مؤید احادیث کا ذخیرہ تیار کرنے کا منصوبہ بنایا اور ہر جلد میں دس ہزار احادیث کا اوسط رکھا۔ مصنف کی حیات میں اس کی صرف دوسری جلد چار قسطوں میں شائع ہو سکی۔ جس کے اندر تقریباً دس ہزار احادیث مبارکہ کا ذخیرہ موجود ہے۔

اس عظیم الشان خدمت حدیث کو اہل علم کے ہر طبقے نے بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا اور اسے ایک مہتم بالشان علمی کارنامہ قرار دیا۔ اس گرانقدر علمی کارنامے کو خراج تحسین پیش کرنے والوں میں محدث سورتی مولانا وصی احمد پیلی بھیتی، مولانا عبد القدیر پروفیسر حدیث وصدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، مولانا سید حیدر ولی اللہ قادری ناظم دارالعلوم لطیفیہ خانقاہ حضرت قطب ویلور کرناٹک، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالماجد دریاآبادی، غیر مقلد عالم ثناء اللہ امرتسری جیسی شخصیات شامل ہیں۔

اس کتاب کے مطالعہ کے بعد ہر شخص حضرت ملک العلما کی علم حدیث میں مہارت اور اس کے مختلف گوشوں پر دسترس کی بھرپور شہادت دے گا۔ خاص طور سے ۲۵ رصفحات پر پھیلا ہوا اس کتاب کا گرانقدر مقدمہ، اصول حدیث کا شاندار گلدستہ

ہے جسے پڑھ کر ہر باذوق قاری جھوم اٹھتا ہے۔ حضرت کے یہ سارے حدیثی افادات محدث بریلی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے بحرِ علم کی چند قیمتی موجیں ہیں جس کا اعتراف خود حضرت ملک العلما نے ان کلمات سے کیا ہے:

"ھذا نھر اصغر من البحر الاکبر من بحار علوم سیدی و شیخی نفعنا ببرکاتہ فی الدنیا والآخرۃ" (صحیح البھاری، کتاب الصلوٰۃ، ۱/ ۲۶)

مناظرانہ مہارت:

حضرت ملک العلما کا دور معتقداتی معرکہ آرائیوں کا گرما گرم دور تھا۔ اہل سنت کی وحدت پارہ پارہ ہو رہی تھی اور لوگ بت نئے خیموں میں داخل ہوتے جا رہے تھے۔ ابن عبدالوہاب نجدی کے مسموم عقائد اسمٰعیل دہلوی کی تقویت الایمان کے ذریعہ متحدہ ہندو پاک کے خطوں میں پھیل رہے تھے۔ اس لئے ملت کے پاسبان بھی شیرازۂ ملی کو سمیٹنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ اس خصوص میں اسمٰعیل دہلوی کے ہم درس اور مکتب شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے خاص فیض یافتہ علامہ فضل حق خیرآبادی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ آپ نے حمایت حق اور باطل کی سرکوبی کا جو مستحکم سلسلہ شروع کیا تھا اسی کی کڑیاں ملاتے ہوئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری نے بھی حق کی حمایت اور باطل کے خلاف محاذ آرائی کا سلسلہ چھیڑ رکھا تھا جس نے باطل کے منہ زور بڑھتے سیلاب پر کامیاب بند باندھا۔ حضرت ملک العلما بھی مکتب رضا کے فیض یافتہ تھے اس لئے آپ نے بھی باطل سے مختلف محاذ پر لوہا لیا اور انہیں فاش شکستیں دیں۔ آپ کے مناظرے کی خصوصیت یہ تھی کہ آپ حریف کو اسی کے اسلحے سے اس شائستگی سے زیر کرتے تھے کہ ذوق لطیف پر ذرا سی بھی خراش نہ آتی۔ شائستہ اور متین تنقید آپ کی پہچان کہی جا سکتی ہے۔

آپ نے وہابیت کی جملہ شاخوں غیر مقلدیت، دیوبندیت اور آریوں، مسیحی مشنریوں کے مبلغوں سے بہت کامیاب بحثیں کیں اور انہیں شکست سے دوچار کیا۔ آپ کا دور تو دیوبندیت اور وہابیت پر دار و گیر کا خاص دور تھا، اس لئے ان سے رزم آرائیاں تو تھیں ہی، آریہ سماجیوں اور عیسائی مشنریوں نے بھی بھولی بھالی عوام کو

پھانسنے کے لئے جال پھیلا رکھا تھا۔ اس لئے علمائے اسلام ان کے خلاف بھی صف آرا ہوتے۔ ملک العلمانے بھی اس محاذ پر اسلام کی پاسبانی کے حقوق ادا کئے۔ آپ جہاں کہیں حمایت حق کے لئے تشریف لے گئے، نصرت خداداد آپ کی رفیق رہی۔ آپ کی اسی فاتحانہ شوکت کو شفیقانہ تحسین پیش کرتے ہوئے آپ کے شفیق مربی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ نے فرماتے ہیں۔

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے　　　اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

ملک العلما کے صاحبزادے پروفیسر مختار الدین احمد لکھتے ہیں:

"مجھے یاد آتا ہے کہ میرے بچپن میں وہ (حضرت ملک العلما) آریہ سماجیوں اور مسیحی مبلغین سے مناظرے کے لئے جلسوں میں بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ غیر مقلدین وغیرہم سے مناظرے کے لئے بھی وہ دور دراز کے علاقوں سے مدعو کئے جاتے تھے۔ ایک مناظرے کے لئے وہ برما بھی تشریف لے گئے تھے۔ (حیات ملک العلماص ۱۶)

حضرت ملک العلما، اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے حکم پر فیروز پور میوات کے علاقے موضع جھرکا میں دیابنہ سے مناظرے کے لئے تشریف لے گئے اور فتح یاب ہوکر بریلی شریف واپس ہوئے۔ "اس موقع پر اعلیٰ حضرت نے ایک اونی جبہ عنایت فرمایا اور ارشاد فرمایا: یہ مدینہ طیبہ کا ہے۔ میں نے اسے دونوں ہاتھوں سے لے کر سر پر رکھا اور آنکھوں سے لگایا"۔ (حیات اعلیٰ حضرت ۱/۵۵)

اس مناظرے کی پوری روداد آپ کے مرتبہ رسالہ "شکست سفاہت" (۱۳۲۶ھ) میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ اس موضوع پر اور بھی کئی رسالے آپ نے تصنیف فرمائے:

۱- الحسام المسلول علیٰ منکر علم الرسول (۱۳۲۳ھ)۔ ۲- ظفر الدین الجید (۱۳۲۳ھ)۔ ۳- نجم الکنزہ علیٰ الکلاب الممطرۃ (۱۳۲۸ھ)۔ ۴- النمراس لدفع ظلام المنحاس (۱۳۲۹ھ)۔ ۵- رفع الخلاف من بین الاحناف (۱۳۳۲ھ)۔ ۶- کشف الستور عن مناظرۃ رامپور (۱۳۳۴ھ)۔ ۷- گنجینۂ مناظرہ (۱۳۳۴ھ)۔ ۸- ظفر الدین الطیب وغیرہ رسائل بھی مناظراتی تحریریں ہیں۔ ان کے مجموعہ فتاویٰ میں بھی کئی فتاویٰ مناظراتی انداز کے ہیں جن پر گفتگو ابھی آتی ہے۔ یہ تمام چیزیں

حضرت ملک العلما کے مناظراتی معیارفن کو متعین کرتی ہیں اور معتقداتی پہلوؤں اور تقابل ادیان کے وسیع اور متنوع علوم میں آپ کی دسترس کے شواہد فراہم کرتی ہیں۔

ہیئت وتوقیت میں درجۂ امتیاز:

یہ فنون حضرت ملک العلما کی پہچان تھے اور آپ ان میں معاصرین کے درمیان یکتائے روزگار۔ اس امتیاز کے لئے امام احمد رضا کی یہ شہادت کافی ہے:

"(مولانا محمد ظفر الدین قادری) علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔ امام ابن حجر مکی نے زواجر میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے اور اب ہند بلکہ عام بلاد میں یہ علم، علما بلکہ عام مسلمین سے اٹھ گیا۔ فقیر نے بتوفیق قدیر اس کا احیا کیا اور سات صاحب بنانا چاہے، جس میں بعض نے انتقال کیا، اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ بیٹھے۔ انہوں نے بقدر کفایت اخذ کیا اور اب میرے یہاں کے اوقات طلوع وغروب ونصف النہار ہر روز وتاریخ کے لئے اور جملہ اوقات ماہ رمضان شریف کے لئے بھی بناتے ہیں"۔ (حیات اعلیٰ حضرت ۱/۲۴۴)

حضرت ملک العلما نے اس علم کو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی بارگاہ میں رہ کر سیکھا اور اس میں مکمل مہارت حاصل کی۔ ہندو پاک کے دائمی اوقات صلوٰۃ تخریج کئے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے زبانی افادات اور اپنی ذاتی توضیحات کو یکجا کر کے کئی رسائل ترتیب دیے:۔ ۱- الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت معروف بہ توضیح التوقیت (۱۳۳۰ھ)۔ ۲- بدر الاسلام لمیقات کل الصلوٰۃ والصیام معروف بہ موذن الاوقات (۱۳۳۵ھ)۔ ۳- توضیح الافلاک معروف بہ سلم السماء (۱۳۴۰ھ)۔ ۴- مشرقی اور سمت قبلہ/ مشرقی کا غلط مسلک (۱۳۵۸ھ) جیسی حضرت کی قیمتی تحریریں انہیں فنون سے تعلق رکھتی ہیں۔

توضیح التوقیت کی ترتیب کے سلسلے میں ملک العلما اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

اعلیٰ حضرت قبلہ نے علم توقیت کے قواعد کتابی شکل میں مدون نہیں فرمائے۔ بلکہ میری تعلیم کے زمانے میں قواعد زبانی فرمایا کرتے تھے جس کو میں اردو زبان میں لکھ

لیتا اور میرے دوست وہم سبق حکیم سید عزیز غوث صاحب بریلوی فارسی میں لکھ لیا کرتے اور شرکائے درس میں کوئی ان سے، کوئی مجھ سے سیکھا کرتا۔ بہر کیف! ایک زمانے تک وہ سب ردی پرزے کی شکل میں رہے۔ اس کے بعد میں نے بعض احباب کی فرمائش سے ان سب کو کتابی شکل میں جمع کر دیا اور اس کو آسان سے آسان تر کرنے کے لئے مثالوں کے علاوہ تشریح مقامات متعلقہ کے عنوانات سے ہر قاعدے کو اتنا واضح کر دیا کہ اس کتاب کو پیش نظر رکھ کر ہر شخص اس فن کو بہ آسانی گھر بیٹھا سیکھ سکتا ہے۔ کہیں شبہہ ہو تو بذریعہ خط دریافت کر لینا کافی ہے"۔ (حیات ملک العلماص ۲۹)

حضرت نے نہ صرف یہ کہ اس علم کے افادات تحریری شکلوں میں عام کئے بلکہ اسے سفینوں کے ساتھ ساتھ سینوں میں بھی منتقل کیا اور کئی ایک نامور تلامذہ پیدا کئے۔ بہتیرے شائقین اس فن میں آپ سے خطوط کے ذریعہ استفادہ کرتے۔ ان مستفیدین میں مولانا حاجی محمد ظہور نعیمی مراد آباد اور مولانا مفتی سید محمد عمیم الاحسان ڈھاکہ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ ان میں اول الذکر نے متحدہ ہندو پاک کے سارے مشہور مقامات کے اوقات صوم وصلوٰۃ ''ظہور الاوقات'' کے نام سے تخریج کئے ہیں۔ اس کتاب کا خاص وصف یہ ہے کہ اس میں ہر مقام کا سمت قبلہ بھی تحریر ہے۔ یہ اس قابل ہے کہ کوئی ادارہ اسے نئے انداز سے ایڈٹ کر کے شائع کرے۔

ان فنون میں آپ کے باضابطہ تلامذہ میں مولانا حافظ عبد الرؤف بلیاوی نائب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور (متوفی ۱۹۷۱ء)، مفتی نظام الدین بلیاوی الٰہ آباد (م ۱۹۹۴ء) اور مولانا یحییٰ بلیاوی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

سوانحی ادب پر عبور:

حضرت ملک العلما بہت شستہ اور نکھرا ادبی ذوق رکھتے تھے۔ آپ کی تحریریں چاہے جس موضوع سے تعلق رکھتی ہوں، بیان کی شائستگی اور لہجے کی شگفتگی سے آراستہ ہوتی ہیں۔ مناظرانہ اور تنقیدی تحریروں میں بھی کہیں سوقیانہ لب ولہجے کا دور دور تک پتہ نہیں چلتا۔ اسی شگفتہ نثر میں سیرت وسوانح کے موضوع پر بھی آپ نے قیمتی تحریریں چھوڑی ہیں۔

۱-الجمل المعدۃ دلتالیف المجدد (۱۳۲۷ھ)۔۲-خیر السلوک فی نسب الملوک (۱۳۳۲ھ)۔۳-جواہر البیان فی ترجمۃ خیرات الحسان (۱۳۳۳ھ)۔۴-اعلام الاعلام باحوال العرب قبل الاسلام (۱۳۴۱ھ)۔۵-تنویر السراج فی ذکر المعراج (۱۳۵۳ھ)۔۶-مولود رضوی (۱۳۶۰ھ)۔۷-چودھویں صدی کے مجدد (۱۳۶۷ھ)۔۸-حیات اعلیٰ حضرت/مظہر المناقب (۱۳۶۹ھ)۔۹-شرح الشفا للقاضی عیاض (نامکمل) یہ ساری تحریریں آپ کے سوانحی ادب کا شاہکار ہیں۔

یوں تو حضرت کی ساری تصانیف اخلاص اور عقیدت کے جذبے سے سرشار ہوکر معرض تحریر میں آئیں لیکن مذکورہ بالا تصانیف میں عشق رسول اور محبت رضا کے شیریں جذبے کچھ زیادہ ہی نمایاں ہیں۔

شفائے قاضی عیاض کی عربی حاشیہ نگاری کا آغاز ۱۴ر ربیع الاول شریف ۱۳۲۴ھ بروز چہار شنبہ ہوا۔اس کے آغاز میں لکھتے ہیں:

"انی نذرت للرحمن انہ لما تمت ھذہ الحاشیۃ اصلی مائۃ رکعۃ ان شاء اللہ"

"میں نے خدا کے حضور نذر مانی ہے کہ جب یہ حاشیہ پایۂ تکمیل کو پہنچے گا، اس وقت سو رکعت نمازیں شکرانہ نفل کی پڑھوں گا۔ان شاء اللہ تعالیٰ۔۱۲ ساحل

مجدد ملت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ سے آپ کو بہت گہری عقیدت تھی۔آپ نے امام احمد رضا کے اتباع رسول اور عشق مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کی خوشبوؤں میں لبے شب و روز دیکھے، ان کی شفقتیں، ہمدردیاں، انسانیت نوازی اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کا مشاہدہ کیا، علم و فن اور فکر و قلم کی عبقریت ملاحظہ کی۔ اس لئے ان سے شیفتگی کے والہانہ جذبات انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔"من احب شیئا اکثر ذکرہ"۔محبوب کے ذکر سے روح کو بالیدگی ملا کرتی ہے۔اس لئے امام احمد رضا کا ذکر بھی حضرت ملک العلما کی تسکین روح کا سامان تھا۔جلوت و خلوت ہر جگہ امام احمد رضا کا ذکر جمیل حرز جاں رہتا۔آپ کے خواجہ تاش، خلیفۂ امام احمد رضا، مولانا سید شاہ غیاث الدین حسن شہسرامی جب کبھی "ظفر منزل" پٹنہ تشریف لاتے تو پوری پوری رات اعلیٰ حضرت کے ذکر جمیل میں گذر جاتی۔پروفیسر مختار الدین احمد کے لفظوں میں:

"رات کے کھانے کے بعد اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا والہانہ

ذکر شروع ہوتا اور ان کے فضائل و مناقب میں پوری رات گذر جاتی تھی۔ درمیان میں کبھی کبھی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف، تحریرات کے دفتر بھی کھل جاتے تھے اور عبارتیں پڑھی جاتی تھیں اور ان کے محاسن پر گفتگو ہوتی تھی۔ دونوں امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے عاشق جو ٹھہرے"۔ (ماہنامہ جہان رضا، لاہور۔ جون ۱۹۹۹ء ص ۶۱)

جب تک اعلیٰ حضرت حیات سے رہے، ملک العلما نے ہمہ دم خود کو ان کی ہر ممکن علمی خدمت کے لئے مستعد رکھا۔ کار افتا میں معین رہے، منظر اسلام کی تدریسی ذمہ داری سنبھالی، حضرت صدر الشریعۃ اور ملک العلما نے بڑی تندہی سے اعلیٰ حضرت کی تصنیفات کی حفاظت اور اشاعت کی جانب توجہ فرمائی۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی رحلت کے بعد حضرت مفتیِ اعظم شاہ مصطفےٰ رضا قادری برکاتی نوری قدس سرہٗ کی خواہش پر ملک العلما بریلی شریف تشریف لے گئے اور تین چار مہینے کی جانکاہ محنت کے بعد اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی ڈھیروں تصانیف کے مبیضے تیار کیے، منتشر اوراق کی شیرازہ بندی کی اور یوں بہتیری تصانیف رضا کو ضائع ہونے سے بچالیا، لیکن ایک شیفتۂ رضا کی یہ جاں نثارانہ خدمت کچھ تنگ نظر حضرات کو ایک آنکھ نہ بھائی اور وہ ان تصانیف رضا کی اشاعت میں تاخیر کرنے کے حیلے کرنے لگے۔ اس سے کبیدہ خاطر ہو کر حضرت ملک العلما بریلی شریف کے ایک دوست کے نام مکتوب میں لکھتے ہیں:

"میں نے تین مہینے کس جانفشانی سے کام کیا اور خدا کا شکر ہے کہ اعلیٰ حضرت کی تصانیف کو ضائع ہونے سے بچالیا مگر جو قدر دانی کی گئی، وہ آپ کے اور سب کے پیش نظر ہے۔ اگر تصنیفات کی اشاعت ہی کا سلسلہ جاری ہوتا تو دینی فائدہ کثیر ہوتا۔"

(حیات ملک العلما ص ۲۷)

مولانا امجد رضا خاں نوری کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

"اس وقت اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز کی جملہ تصنیفات و تالیفات و تحریرات چھپ جائیں تو سنیوں کو کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہ ہوگی۔ تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، عقائد، اخلاق کے علاوہ تاریخ، جغرافیہ، ہیئت، توقیت، حساب، جبر و مقابلہ، تکسیر، جفر، زائچہ، کون سے علوم ہیں جن میں اعلیٰ حضرت کی تصنیف نہیں۔ جس وقت یہ کتابیں جناب کی ہمت و محنت و توجہ سے چھپ جائیں گی، اس وقت لوگوں

کی آنکھیں کھلیں گی کہ اعلیٰ حضرت کیا تھے۔'' (حیات ملک العلما ص ۲۶)

احسان شناسی کے جذبوں سے لبریز حضرت ملک العلما کی ذات گرامی نے اپنے سارے محسنوں کے حقوق محبت ادا کئے۔ آپ کے ذخیرۂ مکاتیب اور قلمی یاد داشتوں کے مجموعے اس کی تصدیق کے لئے کافی سے زائد مواد فراہم کرتے ہیں۔

آپ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے سب سے زیادہ منت کش تھے، اس لئے ہمیشہ ان کی یادوں میں مگن اور ان کے ذکر جمیل میں رطب اللسان رہے۔ پوری زندگی ان کے فکری مشن کی اشاعت کے لئے وقف رکھی، ان کی نگارشات کے تحفظ اور طباعت کے لئے حضرت صدر الشریعہ اور ملک العلما یکساں طور سے مضطرب نظر آتے ہیں۔ آپ اپنے دامن سے وابستہ حضرات کو ''ظفری'' کے بجائے ''رضوی'' لکھنے کی تاکید فرماتے۔ اعلیٰ حضرت کی تصانیف کی سب سے پہلی شیرازہ بندی کا سہرا آپ کے سر رہا۔ ''المجمل المعدد لتالیف المجدد'' میں سب سے پہلے آپ نے امام احمد رضا کی تقریباً آٹھ سو تصانیف کی موضوعاتی فہرست پیش کی ہے۔ امام احمد رضا کے حوالے سے آپ کا سب سے عظیم کارنامہ ''حیات اعلیٰ حضرت'' کی تدوین ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کا وصال شریف ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء میں ہوا۔ آپ کے وصال کے سترہ سال بعد تک آپ کی حیات و خدمات پر کوئی کام نہ ہوسکا۔ چند مقالات، تاثرات یا مختصر کتابچے ظاہر ہے مشرق کے اس عبقری کا کیا تعارف کرا سکتے تھے۔ اس راہ میں کئی چیزیں حائل ہوئیں۔ ۱۹۲۱ء کا زمانہ خلافت موومنٹ اور نان کواپریشن تحریک کی شورشوں سے لبریز زمانہ تھا۔ پھر سلطنت عثمانیہ کے سقوط، ۱۹۲۵ء سے آریہ سماج کا شدھی سنگھٹن اور پھر ۱۹۳۰ء سے دو قومی نظریے میں آئی شدت اور قیام پاکستان کے تصورات نے ایسا ماحول پیدا کر دیا تھا جس نے اسلامیان ہند کے دل و دماغ ہلا کر رکھ دیئے تھے۔ ماحول کی ابتری اور دینی اور سیاسی قائدین کی غیر ذمہ دارانہ حرکتوں نے ذہنوں میں قنوطیت کی ایسی برف جما رکھی تھی کہ فکریں قریب قریب شل ہو چکی تھیں۔ رفتہ رفتہ حالات نے سنبھالا لیا اور برف پگھلنے لگی اور پھر امام احمد رضا کے حوالے سے اس جمود کے حصار سے جو ذات گرامی سب سے

پہلے نکلی وہ منظور نگاہ اعلیٰ حضرت، حضرت ملک العلما کی ذات کریم تھی۔ آپ نے ہی سب سے پہلے کمر ہمت کسی اور اس "ہفت خواں" کو طے کرنے کی ٹھانی۔ اس راہ میں وابستگان رضا میں سے جاں نثار اعلیٰ حضرت، مولانا سید ایوب علی قادری رضوی نے آپ کا پورا پورا تعاون کیا بلکہ انہوں نے بے مثل ایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے پاس موجود سارا سوانحی مواد حضرت ملک العلما کے حوالے کر دیا۔ بارہ سال کی محنت کے بعد چار جلدوں میں یہ تصنیف مکمل ہوئی۔ ۱۹۵۵ء میں اس کا صرف پہلا حصہ شائع ہوا۔ دوسری جلد اب تک دستیاب نہ ہو سکی، تیسری اور چوتھی جلد پہلی جلد کے ہمراہ نصف صدی طے کرنے کے بعد اب شائع ہونے جارہی ہے۔ اس طور سے دیکھا جائے تو حضرت ملک العلما نے سوانحی ادب پر بھی خاصے علمی آثار چھوڑے ہیں۔

فقہ و تصوف:

"مَنْ تَفَقَّهَ وَلَمْ يَتَصَوَّفْ فَقَدْ تَفَسَّقَ وَمَنْ تَصَوَّفَ وَلَمْ يَتَفَقَّهْ فَقَدْ تَزَنْدَقَ" (امام مالک)

"جس نے عالم شریعت ہونے کے ساتھ ساتھ طرز صوفیا کی پیروی نہ کی، وہ بے عمل ٹھہرا اور جس نے صرف زہد اختیار کیا اور شریعت کے علم سے بے بہرہ رہا، اس کے ایمان کا بھی بھروسہ نہیں"۔ ۱۲ ساحل

اس ارشاد مالکی کی روشنی میں فقہ اور تصوف کا آپس میں گہرا ربط نظر آتا ہے بلکہ ابتدا میں دونوں ایک ہی دائرۂ علم میں آتے تھے۔

علامہ محب اللہ بہاری "مسلم الثبوت" میں تحریر فرماتے ہیں :

" ان الفقه فی الزمان القدیم کان متناولا لعلم الحقیقة وهی الالهیات من مباحث الذات والصفات وعلم الطریقة وهی مباحث المنجیات والمهلکات وعلم الشریعة الظاهرة "

"زمانۂ قدیم میں علم فقہ، علم حقیقت کے مباحث پر مشتمل ہوتا تھا جسے علم الٰہیات کہتے ہیں اور جس میں خدائے تعالیٰ کی ذات وصفات سے بحث ہوتی ہے۔ یونہی نجات بخش اور ہلاکت آمیز چیزوں کے علم، علم طریقت اور شریعت مطہرہ کے ظاہری علوم بھی اس علم کے دائرے میں آتے تھے" ۱۲۔ ساحل

بعد کے زمانوں میں تمدن کے پھیلاؤ نے جب علم کی شاخوں کو ضرب دینا شروع کیا تو فقہ اور تصوف دونوں نے اپنی الگ الگ ممتاز شناختیں بنالیں لیکن ہزار دوری کے باوجود قدیم رفاقت کا اثر تو رہنا ہی تھا۔ اسی لئے حضرت امام غزالی ایک فقیہ کو تصوف کے رنگ میں ہی رنگا دیکھنا چاہتے ہیں۔ فقیہانہ اوصاف کی یہ غزالی تشریح دیکھئے۔ فرماتے ہیں:

''فقیہ وہ ہے جو دنیا سے دل نہ لگائے اور آخرت کی طرف ہمیشہ راغب رہے، دین میں کامل بصیرت رکھتا ہو، طاعات پر مداومت اپنی عادت بنالے، کسی حال میں بھی مسلمانوں کی حق تلفی برداشت نہ کرے، مسلمانوں کا اجتماعی مفاد ہر وقت اس کے پیش نظر ہو، مال کی طمع نہ رکھے، آفات نفسانی کی باریکیوں کو پہچانتا ہو، عمل کو فاسد کرنے والی چیزوں سے بھی باخبر ہو، راہ آخرت کی گھاٹیوں سے واقف ہو، دنیا کو حقیر سمجھنے کے ساتھ ساتھ اس پر قابو پانے کی قوت بھی اپنے اندر رکھتا ہو، سفر وحضر اور جلوت وخلوت میں ہر وقت دل پر خوف الٰہی کا غلبہ ہو۔'' (احیاء العلوم)

فقہ اور فقیہ کی ان تشریحات کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں تو حضرت ملک العلما قدس سرہٗ ایک ممتاز فقیہ اور پرسوز صوفی نظر آتے ہیں۔ تصوف پر آپ کی کوئی باضابطہ تصنیف تو نہیں ملتی لیکن آپ کی جملہ فقہی اور دینی تصنیفات میں حضرات صوفیہ کی روا داری اور اخلاص کے جذبے رونق افروز ملتے ہیں۔ آپ کی پاکیزہ زندگی کے شب وروز معمولات صوفیہ اور اذکار واشغال سے معمور دکھائی دیتے ہیں۔ تعصب اور تنگ نظری سے کوسوں دور، قلبی پاکیزگی اور طہارت باطن کا نگار خانہ تھی آپ کی ذات گرامی۔ معاند سے بھی کبھی آپ کو سوقیانہ کلام کرتے نہ دیکھا گیا۔ تحریروں کی شائستگی اور جذبوں کی سادگی کہتی ہے کہ یہ کسی مرد خدا کے بول لگتے ہیں۔ زیر نظر مجموعۂ فتاویٰ کے کتاب الحظر والاباحۃ میں کئی صوفیانہ فتاویٰ شامل ہیں۔ حضرت امام غزالی نے ایک فقیہ کے جو اوصاف بیان فرمائے ہیں، وہ سارے اوصاف حضرت ملک العلما کی پاکیزہ، تقویٰ شعار، خداترس اور سراپا اخلاص ذات گرامی میں موجود ملتے ہیں۔

حضرت کی فقیہانہ شان پر کچھ گفتگو کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فقہ وافتا کے تعلق سے بھی کچھ بنیادی معلومات اور ان کے مختلف مراحل کا اجمالی تعارف

پیش کر دیا جائے تا کہ قارئین، کتاب کے مندرجات اور خود صاحب کتاب کی شان کمال کا اندازہ کر سکیں۔

انسان جستجو اور دریافت کا پیکر اور ایک دوسرے کے تعاون کا محتاج ہے۔ اس لئے ابتدائے آفرینش سے ہی اس کی جستجو کا سفر جاری ہے اور اس کے ساتھ متوازی طور پر باہمی مفاہمت کا عمل بھی۔ تحقیق و جستجو اور مفاہمت کے اسی سلسلے کو فقہ (یعنی فہم) و افتا (یعنی باہمی دریافت) کی معزز اصطلاحات سے موسوم کرتے ہیں۔ اس طور سے یہ دونوں چیزیں ابتدائے تخلیق سے چلی آ رہی ہیں۔ قرآن حکیم، احادیث طیبہ میں بھی اس کی واضح ہدایات اور فضیلتیں وارد ہیں۔ قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ "فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (النحل: ٤٣) (تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں) مفتی اور مستفتی دونوں کی اہمیت واضح فرما رہی ہے۔ سارے انبیاء و مرسلین، دعاۃ و مبلغین اپنی امتوں اور ماتحتوں کو اسلامی احکام بتاتے چلے آئے اور ساری امتیں اپنے پیغمبروں اور رہنماؤں سے شرعی احکام دریافت کرتی رہیں، اس لئے عمومی تناظر میں سبھی رہنما فقیہ اور مفتی اور سارے متبعین مستفتی نظر آتے ہیں۔ لیکن ہماری گفتگو امت محمدی کے مخصوص عرفی فقہاء تک محدود ہے، اس لئے ان الفاظ کے وہی معانی بیان ہوں گے جو ان کے معروف اصطلاحی مفہوم کے گرد گھومتے نظر آئیں۔

فقہ و افتا مفہوم کے اعتبار سے قریب قریب مساوی ہیں۔ البتہ افتا فقیہ کی ایک مخصوص اور ممتاز حیثیت ہوتی ہے۔ علامہ زمخشری فقیہ کی تعریف ان لفظوں میں کرتے ہیں:

" الفقیه : العالم الذی یشق الاحکام ویفتش عن حقائقها "

"فقیہ ایسے عالم دین کو کہتے ہیں جو احکام شریعت کی تہیں کھولتا اور ان کے حقائق کی تفتیش کرتا ہے"۔

ابتدائی زمانہ میں یہ لفظ مجتہد مطلق کے تعلق سے استعمال کیا جاتا تھا لیکن اب ایسے ناقل فتویٰ کو مفتی اور فقیہ کہتے ہیں جو فقہائے کرام کے مختلف طبقات پر گہری نظر

رکھتا ہو اور راجح اور مرجوح، مفتیٰ بہ میں امتیاز کی صلاحیت رکھتا ہو۔

حضرت علامہ سید محمد ابن عابدین شامی قدس سرہٗ "رد المحتار علی الدر المختار" میں تحریر فرماتے ہیں:

"المفتی هو المجتهد فاما غیر المجتهد ممن یحفظ اقوال المجتهد فلیس بمفت والواجب علیه إذا سئل أن یذکر قول المجتهد کالامام علیٰ وجه الحکایة فعرف ان ما یکون فی زماننا من فتویٰ الموجودین لیس بفتویٰ بل هو نقل کلام المفتی لیاخذ به المستفتی۔ (رد المحتار ۱/۴۷)

"مفتی تو مجتہد ہوتا ہے۔ جو شخص مجتہد نہ ہو، صرف کسی مجتہد کے اقوال کو یاد رکھتا ہو، وہ مفتی نہیں ہوتا۔ ایسے شخص پر لازم ہے کہ جب اس سے کچھ پوچھا جائے تو کسی مجتہد جیسے حضرت امام اعظم کا قول بطور حکایت بیان کر دے۔ اس وضاحت سے معلوم ہو گیا کہ ہمارے زمانے کے اصحابِ فقہ کے فتاویٰ درحقیقت فتویٰ نہیں ہوتے بلکہ وہ کسی حقیقی مفتی کے اقوال کی نقل ہوتی ہے تاکہ مستفتی اس کی روشنی میں حکم شریعت اخذ کر سکے"۔

اسی لئے لویس معلوف نے المنجد میں مفتی کی موجودہ تشریح یہ بیان کی ہے:

" المفتی: الفقیه الذی یعطی الفتویٰ ویجیب عما ألقی علیه من مسائل المتعلقة بالشریعة "

"مفتی ایسے اسلامی دانشور کو کہتے ہیں کہ جب اس کے سامنے شریعت سے متعلق مسائل پیش کئے جاتے ہیں تو وہ ان کے جواب دیتا ہے اور شرعی فیصلہ صادر کرتا ہے"۔ (المنجد ص ۹۸)

عبقری فقیہ، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ رسالہ مبارکہ "اجلی الاعلام ان الفتویٰ مطلقاً علیٰ قول الامام" (۱۳۳۴ھ) میں چند بنیادی مقدمات بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

" الرابعة : الفتویٰ حقیقیة وعرفیة۔ فالحقیقیة هو الإفتاء عن معرفة الدلیل التفصیلی واولئك الذین یقال لهم اصحاب الفتویٰ ویقال " بهذا افتی الفقیه ابو جعفر والفقیه ابو اللیث واضرابهما رحمهم الله تعالیٰ ۔ والعرفیة: اخبار العالم باقوال الامام جاهلا عنها تقلیدا له من دون تلك المعرفة کما

یقال فتاویٰ ابن نجیم والغزی والطوری والفتاوی الخیریة وهلم تنزلا زمانا ورتبة الی الفتاوی الرضویة جعلها الله تعالیٰ مرضیة مُرضیة۔ امین"۔

''چوتھا مقدمہ: فتویٰ کی دو قسمیں ہیں: عرفی اور حقیقی۔ حقیقی یہ ہے کہ دلیل تفصیلی کی معرفت کے بعد فتویٰ دیا جائے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو اصحاب فتویٰ کہا جاتا ہے۔ کہتے ہیں: یہی فتویٰ دیا ہے فقیہ ابو جعفر، فقیہ ابو اللیث اور ان کے امثال نے۔ اور عرفی فتویٰ یہ ہے کہ عالم لوگوں کو امام کے اقوال بتادے۔ وہ دلیل کو نہ جانتا ہو، محض تقلید کے طور پر ایسا کرے۔ جیسے کہا جاتا ہے: فتاویٰ ابن نجیم، فتاویٰ غزی، فتاویٰ طوری اور فتاویٰ خیریہ وغیرہ اور بعد کے زمانہ میں فتاویٰ رضویہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو پسندیدہ اور راضی کرنے والا بنادے۔ آمین!'' (الفتاویٰ الرضویہ۔ مترجم۔ ۱/۱۰۹)

اس کا ذکر پہلے ہو چکا کہ افتا کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی انسان کی۔ شریعت محمدی کے نزول سے اس کا شاندار اور ممتاز دور شروع ہوتا ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت اور نزول قرآن سے اسلامی تعلیمات کا دائرہ مکمل ہونا شروع ہوا۔ حضرات صحابہ وصحابیات بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اسلامی تعلیمات کا درس لیتے، درپیش آنے والے مسائل دریافت کرتے۔ استفتا اور افتا کا یہ سب سے مستند، قیمتی اور زریں دور ہے جو قیامت تک کے پیش آمدہ مسائل کے حل کے لئے سرچشمۂ فیض کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس دور میں رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات والا صفات ہر مسئلہ کا مکمل، مقدس اور تشفی بخش حل پیش کرتی۔ اس تقدس مآب دور اولین کے بعد اب تک فقہ وافتا کے چار شاندار دور گزر چکے ہیں۔

فقہ وافتا کا دوسرا دور: (۱۰ھ تا ۴۱ھ)

اس جہان رنگ وبو سے خورشید رسالت کا جب ظاہری رخ روپوش ہو گیا تو اکابر صحابہ کرام نے امت کی زمام قیادت سنبھالی۔ حضرات خلفائے راشدین نے اسلامی سلطنت کی سرحدیں وسیع کیں تو عجمی تمدن نے نت نئے مسائل درآمد کئے۔ جن کے اسلامی حل کے لئے گروہ صحابہ کے صاحبان تدبر اور والیان تفقہ نے کتاب وسنت کی روشنی میں اپنے تدبر اور تائید الٰہی کے سہارے فیصلے صادر فرمائے جو بعد کی نسلوں

کے لئے استناد کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس دور میں جو ۱۰ھ سے لے کر ۴۱ھ تک محیط ہے، حضرات خلفائے راشدین، حضرت عبد اللہ بن مسعود (م ۳۲ھ) حضرت ابو موسیٰ اشعری (م ۵۲ھ) حضرت معاذ بن جبل (م ۱۸ھ)، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ (م ۵۷ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہا و عنھم اجمعین کے فقیہانہ فیصلے اور فتاویٰ بہت شہرت رکھتے تھے۔

تیسرا دور : (۴۱ھ تا ۱۰۰ھ)

اکابر صحابہ کی صفیں خالی ہونے کے بعد اصاغر صحابہ کرام اور کبار تابعین نے امت کی قیادت سنبھالی۔ اس دور میں اسلامی سلطنت کی وسعتیں شرق و غرب اور جنوب و شمال کی وسعتوں کو اپنے دامن میں سمیٹ چکی تھیں۔ تمدن کی وسعت، علم کی گرم بازاری، اور عرب و عجم کے اختلاط نے اجتہادی جذبوں میں بڑی تیز گامی پیدا کر دی تھی۔ مدینہ منورہ، مکہ معظمہ، کوفہ، بصرہ، شام، مصر اور یمن میں فقہائے مجتہدین کی کثیر صفیں آراستہ تھیں اور ہر ایک کے درس و افادہ کی اپنی ایک الگ ہی دھوم تھی۔ چند اسمائے گرامی پیش ہوتے ہیں۔

۱- ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (م ۵۷ھ)۔ ۲- حضرت ابو ہریرہ (م ۵۸ھ)۔ ۳- حضرت عبد اللہ بن عمر (م ۷۳ھ)۔ ۴- حضرت سعید بن میسب مخزومی (م ۹۴ھ)۔ ۵- حضرت عروہ بن زبیر بن عوام اسدی (م ۹۴ھ)۔ ۶- حضرت ابو بکر بن عبد الرحمٰن (م ۹۴ھ)۔ ۷- حضرت امام زین العابدین علی بن حسین (م ۹۴ھ)۔ ۸- حضرت قاسم بن محمد بن ابو بکر (م ۱۰۶) ۹- حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمر (م ۱۰۶ھ)۔ ۱۰- حضرت سلیمان بن یسار (م ۱۰۷ھ)۔ ۱۱- حضرت امام محمد باقر محمد بن علی بن حسین (م ۱۱۴ھ)۔ ۱۲- حضرت نافع (م ۱۱۷ھ)۔ ۱۳- حضرت ابن شہاب زہری (م ۱۲۴ھ)۔ ۱۴- حضرت ابو الزناد عبد اللہ بن ذکوان (م ۱۳۱ھ)۔ ۱۵- حضرت امام جعفر بن محمد بن علی بن حسین (م ۱۴۸ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین مدینہ طیبہ میں جلوہ افروز تھے۔

۱۶- حضرت عبد اللہ بن عباس (م ۶۸ھ)۔ ۱۷- حضرت مجاہد بن جبیر

(م۱۰۳ھ)۔ ۱۸- حضرت عکرمہ ابن عباس (م۱۰۷ھ) مکہ معظمہ کے نامور فقیہ تھے۔

۱۹- حضرت علقمہ بن قیس (م۶۲ھ)۔ ۲۰- حضرت مسروق بن اجدع (م۶۳ھ)۔ ۲۱- حضرت عبیدہ بن عمرو سلمانی (م۹۲ھ) ۔ ۲۲- حضرت اسود بن یزید نخعی (م۹۵ھ)۔ ۲۳- حضرت قاضی شریح بن حارث کندی (م۹۵ھ)۔ ۲۴- حضرت سعید بن جبیر (م۹۵ھ)۔ ۲۵- حضرت عمر بن سر بیل (م۱۰۴ھ) کے فقہی افادات کی کوفہ میں دھوم تھی۔

۲۶- حضرت ابو العالیہ رفیع بن مہران (م۹۰ھ)۔ ۲۷- حضرت انس بن مالک (م۹۳ھ)۔ ۲۸- حضرت ابو الشعثاء جابر بن یزید (م۹۳ھ)۔ ۲۹- حضرت قتادہ بن دعامہ (م۱۱۸ھ) ۔ ۳۰- امام التعبیر والرویا حضرت محمد بن سیرین (م ۱۳۱ھ) کے جلوؤں سے بصرہ کی سرزمین جگمگا رہی تھی۔

۳۱- حضرت عبد الرحمٰن بن غنم اشعری (م ۷۸ھ)۔ ۳۲- حضرت ابو ادریس خولانی (م۸۰ھ)۔ ۳۳- حضرت قبیصہ بن ذویب (م۸۱ھ) ۔ ۳۴- حضرت عمر بن عبد العزیز (م۱۰۱ھ)۔ ۳۵- حضرت رجاء بن حیوۃ کندی (م۱۱۲ھ)۔ ملک شام کے نامور فقہاء میں شمار ہوتے تھے۔

۳۶- حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص (م۶۵ھ)۔ ۳۷- حضرت ابو الخیر مرشد بن عبد اللہ (م۹۰ھ) حضرت یزید بن ابی حبیب (م۱۲۸ھ) نے مصر کے علمی ایوانوں میں اجالا کر رکھا تھا۔

۳۹- حضرت طاؤس بن کیسان جندی (م۱۰۶ھ) ۔ ۴۰- حضرت وہب بن منبہ صنعانی (م۱۱۴ھ)۔ ۴۱- حضرت یحییٰ بن کثیر نے یمن کی بزم علم میں برکتیں بکھیر رکھی تھیں۔

اس مختصر ترین فہرست سے ہی اندازہ کیجئے کہ اس دور میں اس فن نے کتنی وسعت اختیار کر لی تھی۔ اس کثیر پھیلاؤ کی باضابطہ شیرازہ بندی ہوتی ہے چوتھے دور میں۔

چوتھا دور :

اس دور کا دائرہ دوسری صدی ہجری کی ابتدا سے لے کر چوتھی صدی ہجری

کے وسط تک پھیلا ہوا ہے۔ اسی دور میں سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی جلیل الشان ذات گرامی معجزۂ سرور کائنات کی صورت میں جلوہ گر ہوئی جنہوں نے اپنے چالیس برگزیدہ تلامذہ کے ساتھ مل کر اس فن کی باضابطہ شاندار تدوین فرمائی جو قیامت تک کے مسائل حیات حل کرنے کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ حضرات محققین نے خوب فرمایا:

''فقہ کی کاشت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمائی، حضرت علقمہ نے اس کی آبیاری کی، حضرت ابراہیم نخعی نے اس کھیتی کو کاٹا، حضرت حماد نے اس کی بھوسی اتاری، حضرت امام اعظم نے اسے باریک پیسا، حضرت امام ابویوسف نے اسے گوندھا اور حضرت امام محمد بن حسن شیبانی نے اس کی روٹیاں پکائیں۔ اب ساری امت ان روٹیوں سے شکم سیر ہو رہی ہے''۔

اس دور میں امام الائمہ، سراج الامۃ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۸۰-۱۵۰ھ) کے علاوہ بہت سارے ائمہ کے فقہی مکاتب کی بنیاد پڑی۔ مدینہ طیبہ میں حضرت امام مالک بن انس (۹۳ھ-۱۷۹ھ)، مصر میں حضرت امام محمد بن ادریس شافعی (۱۵۰ھ-۲۰۴ھ)، بغداد میں حضرت امام احمد بن حنبل (۱۶۴ھ-۲۴۱)، کوفہ میں حضرت سفیان ثوری (م ۱۶۱ھ) مصر میں امام لیث (م ۱۷۵ھ)، بغداد میں امام ابوثور (م ۲۴۰ھ)، اندلس اور دمشق میں امام عبدالرحمٰن بن عمر دمشقی اوزاعی (۸۸ھ-۱۵۷ھ) کے مذاہب پھیلے۔ لیکن چار مشہور فقہی مذاہب حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی کے سوا کسی دوسرے فقہی مکتب کو بقائے دوام نہ مل سکی۔

یہی وہ دور ہے جس میں فقہ کی باضابطہ اصولی تدوین ہوئی، مختلف مذاہب پھیلے، ہر مذہب کی ترجمان کثیر کتابیں لکھی گئیں، فقہی مباحثات کی روش عام ہوئی، یہاں تک کہ عالم میں صرف چار فقہی مذاہب کے اثرات ہی محفوظ رہ سکے۔ ان چاروں مذاہب میں جو عروج اور قبول عام، فقہ حنفی کو نصیب ہوا اسے محض فضل الٰہی، امام الائمہ، سراج الامۃ، کاشف الغمہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طہارت باطن، فکری گہرائی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کی مقبولیت کا ثمرہ ہی کہا جاسکتا ہے۔ امام جلیل حضرت ملا علی قاری حنفی (م ۱۰۱۴ھ) کے بیان کے مطابق

پوری امت کا دو تہائی حصہ حنفی ہے۔ (مرقات ۲/۲۴) ۔ اپنے تو خیر اپنے ٹھہرے، غیروں نے بھی آپ کی عظمت، جلالت اور مقبول بارگاہ الٰہی ہونے کی شہادت دی ہے۔ سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول کافی شہرت رکھتا ہے:

الناس فی الفقه عیال علی ابی حنیفة :لوگ فقہ میں ابوحنیفہ کے دست نگر ہیں۔

بہت ممتاز شافعی ہندی محدث اور فقیہ علامہ محمد طاہر فتنی (م ۹۸۶ھ) صاحب "مجمع البحار" "المغنی" میں بہت سچی بات تحریر فرماتے ہیں:

فلو لم یکن لله سر خفی فیه لما جمع له شطر الاسلام او ما یقاربه علی تقلیده حتی عبد الله بفقهه و عمل برائه الی یومنا ما یقارب اربع مائة و خمسین سنة و فیه اول دلیل علیٰ صحته "۔ (المغنی ص ۸۰)

"اگر اس مذہب حنفی میں اللہ تعالیٰ کی قبولیت کا راز پوشیدہ نہ ہوتا تو نصف یا اس کے قریب مسلمان اس مذہب کے مقلد نہ ہوتے۔ ہمارے زمانے تک، جس کو امام صاحب سے تقریباً ساڑھے چار سو برس کا عرصہ ہوتا ہے، ان کی فقہ کے مطابق اللہ وحدہٗ کی عبادت ہو رہی ہے اور ان کی رائے پر عمل ہو رہا ہے۔ یہ اس مذہب کے عنداللہ مقبول اور صحیح ہونے کی شاندار دلیل ہے۔"

(تاریخ علم فقہ۔ مفتی سید عمیم الاحسان، مطبوعہ مکتبہ برہان، دہلی۔ ص ۷۷)

فقہ حنفی کی ایجاد کو بارہ سو سال سے زائد کا عرصہ بیت چکا ہے۔ اس طویل عرصے میں لاکھوں فقہا اور ارباب فتاویٰ پیدا ہوئے، ان کی لسانی اور قلمی یادگاریں تلامذہ اور تصانیف کی صورت میں منظر عام پر آتی رہیں۔ اسلام بحر و بر کی وسعتوں پر محیط ہو چکا ہے۔ کسے یارا ہے کہ ان کے اجمالی حالات بلکہ صرف اسمائے گرامی ہی شمار کر سکے۔ اس لئے مزید تفصیل میں نہ جا کر فقہائے احناف کے طبقات، فقہ حنفی کی مستند کتابوں کی درجہ بندیاں اور چند ممتاز ترین کتب فتاویٰ کی تفصیل پر اکتفا کی جاتی ہے۔

ماہرین فقہ نے حضرات فقہا کو سات طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ مجتہد فی الشرع / مجتہد مطلق مستقل:

یہ فقہائے اسلام کا وہ طبقہ ہے جنہیں اصولی قواعد کی تاسیس، کتاب و سنت،

اجماع اور قیاس سے فرعی احکام کے استنباط کی ذاتی سطح پر استعداد حاصل ہو اور وہ اصول وفروع میں کسی کی تقلید کے محتاج نہ ہوں۔ جیسے سراج الامۃ امام اعظم ابوحنیفہ (م ۱۵۰ھ)، امام مالک (م ۱۷۹ھ)، امام شافعی (م ۲۰۴ھ)، امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) وغیرہ۔

۲- مجتہد فی المذہب / مجتہد مطلق غیر مستقل:

یہ ایسے فقہاء ہوتے ہیں جن میں مجتہد مطلق کی ساری صلاحتیں موجود ہوتی ہیں لیکن وہ خود کو اصول میں کسی مجتہد مطلق کا تابع رکھتے ہیں اور ان کے بنائے ہوئے اصول کی روشنی میں کتاب وسنت، اجماع اور قیاس سے مسائل کے استخراج کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یعنی اصول میں مقلد ہوتے ہیں اور فروع میں مجتہد۔ جیسے حضرت امام ابو یوسف (م ۱۸۳ھ)، امام محمد (م ۱۸۹ھ)، امام عبداللہ بن مبارک (م ۱۸۱ھ) وغیرہ تلامذۂ امام اعظم قدست اسرارہم۔

۳- مجتہد فی المسائل / مجتہد مقید:

ایسے فقہاء اس زمرے میں آتے ہیں جو اصول وفروع دونوں میں مجتہد مطلق کے تابع ہوں اور ان کے وضع کردہ اصول وفروع کی روشنی میں ایسے مسائل کا استنباط کر سکتے ہوں جن کے بارے میں ائمہ مذہب سے کوئی روایت نہیں ملتی۔ جیسے امام ابو بکر خصاف (م ۲۶۱ھ)، امام ابو جعفر طحاوی (م ۳۳۱ھ)، امام ابوالحسن کرخی (م ۳۴۰ھ)، شمس الائمہ حلوانی (م ۴۵۶ھ)، شمس الائمہ سرخسی (م ۵۰۰ھ)، امام فخر الاسلام بزدوی (م ۴۸۲ھ)، امام فخر الدین قاضی خاں (م ۵۹۳ھ)۔

۴- اصحاب تخریج:

حضرات فقہاء کا یہ طبقہ اجتہاد واستنباط مستقل کی قدرت نہیں رکھتا، البتہ ائمۂ مذہب کے وضع کردہ سارے اصول وفروع پر گہری نگاہ ہوتی ہے، جس کی روشنی میں یہ مجمل کی تشریح، محتمل کی تعیین مثالوں کے حوالے سے کر سکتے ہیں۔ حضرت امام ابو بکر احمد بن علی رازی (م ۳۷۰ھ) اسی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

۵- اصحاب ترجیح:

یہ حضرات اصحاب تخریج سے کمتر فقاہت کے حامل ہوتے ہیں اور ائمۂ مذہب سے منقول روایات میں سے اصول وفروع کی روشنی میں بعض کو بعض پر ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جیسے امام ابوالحسن قدوری (م ۴۲۸ھ)، صاحب ہدایہ امام ابوالحسن علی بن ابی بکر فرغانی مرغینانی (م ۵۹۳ھ) وغیرہ۔

"ھذا اولیٰ، ھذا اصح، ھذا اوضح، ھذا اوفق للقیاس" جیسے اقوال ان کی پہچان ہوتے ہیں۔

۶- اصحاب تمیز :

فقہاء کا یہ گروہ مذہب کے قوی اور ضعیف، مقبول اور مردود اقوال میں تمیز کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ظاہر الروایہ اور نادر روایات کے درمیان امتیاز کی قدرت ان میں موجود ہوتی ہے، جیسے اصحاب متون معتبرہ مثلاً صاحب مختار، صاحب وقایہ، صاحب مجمع وغیرہ۔

۷- مقلد محض :

جن میں مذکورہ بالا کوئی صلاحیت موجود نہ ہو۔ ایسے حضرات کا ذاتی قول قابل عمل نہیں ہوتا۔ بس یہ ائمۂ مذہب کے اقوال نقل کر سکتے ہیں جیسے موجودہ دور کے صاحبان فقہ۔

حنفی فقہاء کی طرح کتب احناف کے بھی طبقات ہیں۔ علماء نے ان کے تین طبقے بیان کئے ہیں۔ ۱- کتب اصول ۔۲- کتب نوادر ۔۳- کتب واقعات۔

۱- کتب اصول:

کتب اصول ہی کو ظاہر الروایہ بھی کہتے ہیں۔ اس طبقے میں وہ کتابیں اور روایات شامل ہیں جو اصحاب مذہب سے منقول ہیں۔ حنفی ائمۂ ثلٰثہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، اور امام محمد کی مرویات اسی ذیل میں آتی ہیں۔ ان میں امام زفر، امام حسن بن زیاد وغیرہ تلامذۂ امام اعظم کی روایات کا بھی شمار ہوتا ہے۔ لیکن عموماً ظاہر الروایہ کا اطلاق حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان چھ تصانیف

مبارکہ پر ہوتا ہے:

۱-مبسوط-۲-جامع صغیر-۳-جامع کبیر-۴-سیر صغیر-۵-سیر کبیر-۶-زیادات- یہ کتابیں ظاہر الروایۃ اس لئے کہلاتی ہیں کہ انہیں تواتر کے ساتھ ثقہ راویوں نے روایت کیا ہے۔موجودہ دور میں مسائل اصول جن کتابوں میں جمع ہیں، ان میں حاکم شہید کی کتاب الکافی اور شمس الائمہ سرخسی کی مبسوط نہایت معتمد ہیں۔

۲- کتب نوادر :

اس کے ذیل میں اصحاب مذہب کی وہ روایات آتی ہیں جو مذکورہ بالا چھ کتابوں میں نہ ہوں جیسے حضرت امام محمد کی کیسانیات، ہارونیات، جرجانیات، رقیات، زیادۃ الزیادات (امالی امام محمد بروایت ابن رستم) کے مسائل اور روایات۔ حضرت امام ابو یوسف کی کتب الامالی، حضرت امام حسن بن زیادہ کی المحرر وغیرہا۔

۳- کتب واقعات :

ان میں وہ مسائل آتے ہیں جنہیں ائمہ ثلثہ کے بعد والے طبقے نے تصنیف یا روایت کیا ہو جیسے فقیہ ابو اللیث سمرقندی کی کتاب النوازل، دیگر حضرات کی مجموع النوازل، واقعات الناطفی، واقعات صدر الشہید۔ واقعات دراصل فتاویٰ یا قضایا کے مجموعے ہوتے ہیں۔اسی صنف سے زیر نظر کتاب کا خاص تعلق ہے۔

موجودہ دور میں فقہ حنفی کی ماخذ کے طور پر استعمال ہونے والی مستند کتابیں یہ ہیں:

۱-اصول بزدوی۔امام علی بن محمد بزدوی (م۴۸۲ھ)۔۲-المبسوط۔شمس الائمہ سرخسی (م۵۰۰ھ)۔۳-بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع شرح تحفۃ الفقہا۔ملک العلما امام ابوبکر بن مسعود بن احمد کاسانی (م۵۸۷ھ)۔۴-فتاویٰ قاضی خاں۔امام فخر الدین حسن بن منصور اوزجندی فرغانی معروف بہ قاضی خاں (م۵۹۲ھ)۔۵-الھدایۃ۔امام ابو الحسن علی بن ابی بکر فرغانی مرغینانی (م۵۹۳ھ)۔۶-البحر الرائق شرح کنز الدقائق، شیخ زین بن ابراہیم معروف بہ ابن نجیم صاحب الاشباہ والنظائر (م۹۷۰ھ)۔۷-درمختار شرح تنویر الابصار۔علامہ محمد علاء الدین بن علی حصکفی (م ۱۰۸۸ھ)۔۸-ردالمحتار علی الدر المختار۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی (م

۱۲۵۲ھ)۔۹-حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار۔علامہ سید احمد طحطاوی (م۱۳۰۲ھ)۔ ۱۰-طحطاوی علی مراقی الفلاح۔علامہ سید احمد طحطاوی۔۱۱-فتاوئ عالمگیری۔مفتی نظام الدین وعلما کا بورڈ۔۱۲-العطایا النبویہ فی الفتاوئ الرضویہ۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی (م۱۳۴۰ھ) قدست اسرارہم۔

متوسطین فقہا نے کتب احناف کی ایک درجہ بندی اور کی ہے یعنی۔۱-متون۔۲-شروح۔اور۳- فتاوئ۔سب سے مقدم اور اہم متون ہیں پھر شروح پھر فتاوئ۔چند مستند متون، شروح اور فتاوئ یہ ہیں :

مستند متون :

۱-مختصر امام طحاوی۔۲-مختصر امام کرخی۔۳-مختصر امام قدوری۔۴-کنز الدقائق۔۵-وافی۔۶-وقایہ۔۷-نقایہ۔۸-اصلاح۔۹-مختار۔۱۰-مجمع البحرین۔۱۱-مواہب الرحمٰن۔۱۲-ملتقیٰ۔

مستند شروح :

۱-مذکورہ بالا مختصرات کی شرحیں۔۲-کتب اصول ستہ (جامع کبیر، جامع صغیر، مبسوط، زیادات، سیر کبیر، سیر صغیر) کی شرحیں۔۳-مبسوط امام سرخسی۔۴-بدائع الصنائع۔۵-تبیین الحقائق۔۶-فتح القدیر۔۷-عنایہ۔۸-بنایہ۔۹-غایۃ البیان۔ ۱۰-درایہ۔۱۱-کفایہ۔۱۲-نہایہ۔۱۳-حلیہ۔۱۴-غنیۃ۔۱۵-البحر الرائق۔۱۶-النہر الفائق۔۱۷-درر احکام۔۱۸-درمختار۔۱۹-جامع المضمرات۔۲۰-جوہرہ نیرہ۔ ۲۱۔ایضاح، وغیرہ۔

امام احمد رضا کے نزدیک انہیں میں محققین کے حواشی بھی داخل ہیں جیسے غنیۂ شرنبلالی، حواشی خیر الدین رملی، رد المحتار، منحۃ الخالق، فتاوئ خیریہ، العقود الدریہ للشامی، الفتاوئ الرضویہ اور اس جیسی دوسری کتابیں۔ المجتبیٰ، جامع الرموز، شرح ابی المکارم، سراج وہاج، شرح ملا مسکین کا شمار شروح میں نہیں۔

مستند فتاوئ :

۱-خانیہ-۲-خلاصہ-۳-بزازیہ-۴-خزانۃ المفتین-۵-جواہر الفتاویٰ-
۶-محیطات (محیط نام کی متعدد کتابیں)-۷-ذخیرہ-۸- واقعات ناطفی-
۹-واقعات صدر الشہید-۱۰-نوازل فقیہ-۱۱-مجموع النوازل-۱۲-ولوالجیہ-۱۳-
ظہیریہ-۱۴-عمدۃ-۱۵-کبریٰ-۱۶-صغریٰ-۱۷-تتمۃ الفتاویٰ-۱۸-صیرفیہ-۱۹-
فصول عمادی-۲۰-فصول استروشنی-۲۱-جامع صغار-۲۲-تاتارخانیہ-۲۳-ہندیہ/
فتاویٰ عالمگیری-۲۴-الاشباہ والنظائر-۲۵-منیہ، وغیرہ-

قنیہ، رحمانیہ، خزانۃ الروایات، مجمع البرکات، برہان کا شمار فتاویٰ میں نہیں-
فتاویٰ طوری، فتاویٰ محقق ابن نجیم نا قابل اعتماد ہیں- (فتاویٰ رضویہ ملخصاً متفرق جلدیں)

اب ایک اجمالی نظر خاص صنف فتاویٰ کی تاریخ پر-

تحفظ اور اطلاع کی راہ سے سب سے پہلا مجموعۂ فتاویٰ حضرت مولائے کائنات کا ہے جس کی نقلیں لوگوں نے محفوظ کیں- یونہی حضرت زید بن ثابت کے فتاویٰ کے تحریری مجموعے کا بھی تذکرہ ملتا ہے (مقدمۂ فتاویٰ مظہریہ ص ۵۲)- عرب اپنی بے پناہ قوت حافظہ کی بنا پر باتیں ضبط تحریر میں لانے کو عار سمجھتے تھے اور اپنی قوت حفظ پر ہی زیادہ انحصار کرتے تھے- اس لئے فقہائے صحابہ کی کثرت کے باوجود ان کے فتاویٰ اور فیصلے ضبط تحریر میں نہ لائے جا سکے یا لائے گئے لیکن ان کی باضابطہ حفاظت اور تدوین کا اہتمام نہ ہو سکا- خود احادیث کریمہ کی باضابطہ تدوین تیسری صدی کے آغاز کی چیز ہے تو پھر فتاویٰ اور قضایا جو وقتی ضرورتیں پوری کرتے ہیں، ان کی تدوین نہ ہو سکی تو یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں- اس ترقی یافتہ دور میں بھی سیکڑوں اصحاب فتاویٰ ایسے ملیں گے جن کے فتاویٰ محفوظ نہیں رہ پاتے اور رہے بھی تو ان کی ترتیب واشاعت کی نوبت نہیں آتی- پھر بھی بعد کی صدیوں میں دوسرے فنون کی کتابوں کی طرح مرتب فتاویٰ کی شرح بھی بڑھتی گئی- تدوین کی راہ میں سب سے پہلا مجموعۂ فتاویٰ حضرت فقیہ ابو اللیث سمرقندی کا ہے ''کتاب النوازل''-

صدی کی ترتیب سے چند مشاہیر فتاویٰ ذکر کئے جاتے ہیں:

۱-فتاویٰ ابی بکر-۲-فتاویٰ ابی القاسم (تیسری صدی ہجری)-۳-فتاویٰ

ابن قطان ۔۴-فتاویٰ ابی اللیث ۔ ۵-فتاویٰ ابن الحداد (چوتھی صدی)۔ ۶- فتاویٰ ابن الصباغ ۔۷-فتاویٰ اسیجابی ۔۸-فتاویٰ خواہرزادہ ۔۹-فتاویٰ خجندی (پانچویں صدی)۔۱۰- فتاویٰ تمر تاشی ۔ ۱۱-فتاویٰ حسام الدین ۔ ۱۲- فتاویٰ سراجیہ ۔۱۳- فتاویٰ ظہیریہ ۔۱۴- فتاویٰ قاضی خاں ۔۱۵- فتاویٰ کبریٰ ۔۱۶- فتاویٰ صغریٰ (چھٹی صدی)۔۱۷- فتاویٰ ابن رزین ۔۱۸- فتاویٰ صوفیہ ۔۱۹- فتاویٰ ولوالجیہ (ساتویں صدی)۔۲۰- فتاویٰ ابن عقیل ۔۲۱- فتاویٰ زرکشی ۔۲۲- فتاویٰ سبکی (آٹھویں صدی)۔ ۲۳-فتاویٰ قاری الہدایہ ۔۲۴- فتاویٰ حمادیہ ۔۲۵- فتاویٰ ابن شلبی ۔ ۲۶-فتاویٰ ابی السعود ۔ ۲۷-فتاویٰ زینیہ (دسویں صدی)۔ ۲۸-الفتاویٰ الخیریہ لنفع البریہ ۔۲۹- العقود الدریہ فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ (تالیف ۱۲۳۸ھ)۔ ۳۰- فتاویٰ جامع البرکات ۔۳۱- فتاویٰ نقشبندیہ ۔ یہ معدودے چند اسمائے فتاویٰ تھے جو کشف الظنون سے انتخاب کیے گئے۔

ہندوستانی فتاویٰ کی تاریخ بھی اتنی ہی پرانی ہے جتنی ہندوستانی اسلام کی۔ ہند کی سرزمین مسلمانوں کے قدم سے عہد فاروقی میں ہی سرفراز ہوچکی تھی۔ جب سلاطین اسلام نے ہندوستان میں قدم جمائے اور اس کفرستان میں اسلام کی پرچم کشائی ہوئی تو اسلامی احکام کے نفاذ اور دریافت کا ایک سلسلہ چل پڑا۔ خود سلاطین اسلام، اسلامی دانشور ہوا کرتے تھے اور فقہی معاملات سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ اس ذیل میں سلطان محمود غزنوی، ظہیر الدین محمد بابر، سلطان عالمگیر اورنگ زیب کے نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ محمود غزنوی نے خود فقہ پر شاندار کتاب تصنیف کی ''التفرید فی الفروع''۔ دیگر سلاطین نے بھی فتاویٰ کے مجموعے مرتب کرائے۔ اس ذیل میں فتاویٰ عالمگیری کو عالمگیر شہرت حاصل ہوئی جس کی تدوین پر اس زمانے میں دولاکھ روپے صرف ہوئے۔ یہ کتاب عجب اخلاص اور دیانت کی پاکیزہ ٹھنڈی چھاؤں میں مرتب ہوئی کہ صدیوں کی گرد بھی اس کی مقبولیت اور افادیت پر ذرہ برابر اثر انداز نہ ہوسکی بلکہ آئے دن اس کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اب تک کئی بین الاقوامی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوچکا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری کے علاوہ ۔۲- فتاویٰ فیروز شاہی ۔۳- فتاویٰ ابراہیم شاہی ۔۴- فتاویٰ اکبر شاہی ۔ ۵- فتاویٰ عادل شاہی۔

۶-فتاویٰ تاتارخانی جیسے مجموعہ ہائے فتاویٰ بھی سلاطین اسلام کے دور کی یادگار ہیں۔

دستور اسلامی کی بنیادی زبان عربی تھی اور سلاطین ہند کی سرکاری زبان فارسی، اس لئے بیشتر فنون کی طرح فتاویٰ کی کتابیں بھی یا تو عربی زبان میں لکھی گئیں یا فارسی زبان میں۔ بارہویں صدی کے اخیر میں جب اس سرزمین پر اردو نے قدم جمائے تو افغانی سلاطین ہند کے قدم اکھڑ رہے تھے اور انگریزوں کے تسلط کا آغاز ہو رہا تھا۔ اس لئے اب عوام انفرادی سطح پر علمائے امت سے مسائل میں رجوع کرنے لگے اور اردو فتاویٰ کے قیمتی مجموعے بھی منظر عام پر آنے لگے۔ ان میں چند اہم مجموعہ ہائے فتاویٰ یہ ہیں:

۱-العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ (۱۳۱۰ھ)۔ عبقری فقیہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ (م ۱۳۴۰)۔ ۲-فتاویٰ ارشادیہ (مطبوعہ ۱۹۵۵ء)۔ علامہ ارشاد حسین رامپوری۔ ۳-فتاویٰ مجوبیہ (مطبوعہ ۱۳۱۶ھ)۔ مولانا احمد حسین خان۔ ۴-فتاویٰ امجدیہ۔ علامہ مفتی حکیم ابو العلا محمد امجد علی قادری رضوی۔ ۵-فتاویٰ مولانا عبد الحی فرنگی محلی۔ ۶-فتاویٰ قیام الملۃ والدین۔ مولانا عبد الباری فرنگی محلی۔ ۷-فتاویٰ نعیمیہ۔ مفتی احمد یار خاں نعیمی۔ ۸-فتاویٰ نظامیہ۔ مفتی رکن الدین۔ مطبوعہ حیدر آباد دکن۔ ۹-فتاویٰ صدارت العالیہ۔ مطبوعہ حیدر آباد دکن (۱۳۵۴ھ)۔ ۱۰-فتاویٰ واحدی۔ علامہ عبد الواحد سیوستانی (مطبوعہ لاہور ۱۳۴۶ھ)۔ ۱۱-فتاویٰ مسعودی۔ علامہ محمد مسعود شاہ نقشبندی۔ ۱۲-مجموعہ فتاویٰ۔ مہر علی شاہ گولڑوی (قلمی) ۱۳-فتاویٰ ملک العلماء۔ ملک العلما مولانا شاہ محمد ظفر الدین قادری برکاتی رضوی، وغیرہ وغیرہ۔

فقہ وافتا کی تاریخ پر اجمالی نگاہ ڈالنے کے بعد آیئے یہ دیکھتے ہیں کہ منصب افتا کے تقاضے کیا ہوتے ہیں؟۔

فقہ اسلامی کا تعلق زندگی کے ہر شعبہ سے ہے۔ سیاست وامارت، قوانین اور جرائم، انفرادیت اور اجتماعیت، عبادات ومعاملات سبھی اس سے جڑے ہوئے ہیں۔ اس لئے مذہب سے لے کر معاشرت تک کے مسائل اور رب سے لے کر بندے تک کے حقوق اس کے دائرہ بحث میں شامل ہیں۔ انفرادی اور شخصی طور پر دیکھئے تو نکاح،

طلاق، نسب، پرورش و پرداخت، نفقہ، میراث، ان سبھی معاملات کے مسائل زیر غور آتے ہیں جن سے عائلی اور خاندانی تنظیم میں مدد ملتی ہے۔ اجتماعی اور تمدنی معاملات میں خرید وفروخت، اجارات، رہن، کفالت، شرکت، قرض، وفائے عہد اور دیگر مسائل پر گفتگو ہوتی ہے۔ حقوق عباد میں والدین، اولاد، اہل خاندان، پاس پڑوس، شہر، ملک، قوم اور ملت کے مفادات کا تحفظ اسلامی نقطۂ نگاہ سے ملحوظ ہونا چاہئے۔ اسی لئے یہ سارے معاملات بھی فقہ اسلامی کے دائرے میں آتے ہیں۔ حقوق اللہ میں جملہ فرائض وواجبات، سنن ومستحبات بھی شامل ہیں۔ غرض دنیا سے لے کر آخرت تک کے مسائل اس فن سے وابستہ ہیں۔ اس لئے فقیہ اور مفتی کا منصب بھی اپنے ساتھ بہت ساری نزاکتیں، ہمہ گیریاں اور اہمیتیں رکھتا ہے، جن کے معیار پر پورا اترنے کے لئے مفتی کے اندر چند ممتاز خصائص کا ہونا ضروری ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ وہ خصائص کیا ہیں؟۔

کسی مفتی اور فقیہ کے اندر ایک عامی سے بالاتر ذاتی اور علمی دونوں سطح پر کچھ امتیازی خصوصیتیں ہونی چاہئیں۔ ذاتی سطح پر وہ ربط خالق، ربط خلق اور ربط نفس تینوں کے تقاضے پورا کرتا ہو۔ وہ ایک خدا ترس، اطاعت شعار بندہ، رسول رحمت کا جاں نثار امتی، دیانت دار، صداقت شعار، روادار، پیکر اخلاص، دردمند طبیعت رکھنے والا فرد امت ہو، حق پسند، حق گو، ہر قسم کی عصبیت سے بالاتر، حلیم اور بردبار، قول کا دھنی، عمل کی دولت سے مالا مال، دینی تصلب سے آراستہ، شرافت وتہذیب کا پیکر اور شائستگی سے بھرپور ایک اچھا انسان ہو۔ جو فقیہ ان اوصاف سے آراستہ ہوگا وہی علم اور دین کے تقاضے پورا کر سکے گا۔

علمی سطح پر اس دور میں مقلد مفتی کے اندر درج ذیل خصوصیتیں ہونی چاہئیں:

(۱) مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ شریعت کے بنیادی مصادر سے واقف ہو خصوصا کتاب وسنت، تفسیر وحدیث کے موجودہ ذخیرے پر وسیع نگاہ ہونی چاہئے تا کہ وہ پوری بصیرت کے ساتھ اپنے ائمۂ مذہب کے اقوال کی تفہیم اور تلقین کی ذمہ داری ادا کر سکے اور نت نئے مسائل کے جوابات کتاب وسنت کی جاں بخش ضیاؤں میں اصول ائمہ مذہب سے استفادہ کرتے ہوئے مدلل طریقے سے پیش کر سکے۔

(۲) مفتی جس امام کی تقلید کرتا ہے، اس مذہب کی کتابوں اور فقہاء کے علمی

مراتب اور طبقات سے پوری طرح واقفیت رکھتا ہوتا کہ اس ناقل مفتی کو اقوال ائمہ کی نقل وروایت میں دشواری پیش نہ آئے اور نہ وہ اس راہ میں تسامح کا شکار ہو بلکہ پوری بصیرت کے ساتھ افتا کی منصبی ذمہ داری پوری کر سکے۔

(۳) مفتی کو راجح اور مرجوح اقوال کا علم ہونا چاہئے تا کہ کہیں بے علمی میں قول مرجوح پر فتویٰ نہ دے بیٹھے جب کہ قول مرجوح پر فتویٰ دینا باطل ہے۔

(۴) مذہب احناف کی کتابوں کی متاخرین نے بالترتیب تین درجہ بندیاں کی ہیں۔۱-متون۔۲-شروح۔۳-فتاویٰ۔ ہر ایک درجے میں معتمد اور غیر معتمد دونوں طرح کی کتابیں موجود ہیں۔ مفتی کو اس کی واقفیت ہونی چاہئے کہ کون سے کتاب کس خانے میں آتی ہے اور آیا وہ معتمد ہے بھی یا نہیں؟۔

(۵) معتمد اور متداول کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ ہونا چاہئے اور ائمۂ مذہب کے اختلاف کی صورت میں رسم المفتی اور آداب الافتا کی دفعات کی پابندی کرنی چاہئے، یعنی روایت، درایت، ترجیح، تصحیح کے اعتبار سے مضبوط پہلو پر عمل ہو۔

(۶) مفتی کے لئے حالات زمانہ سے واقفیت اور حتی الوسع رعایت ضروری ہے ورنہ زبردست فساد کا اندیشہ ہے۔ "من لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل" (جو حالات زمانہ سے واقف نہیں، وہ نادان ہے) مشہور فقیہانہ مقولہ ہے۔

(۷) فقہی اصطلاحات، مستند کتابوں کے انداز بیان اور مصنفین کے ترتیبی مزاج سے واقفیت بھی ضروری ہے تا کہ اقوال اخذ کرنے میں غلطی نہ ہونے پائے۔ بعض ائمہ سب سے پہلے قوی قول بیان کرتے ہیں پھر ضعیف، بعض کا انداز اس سے مختلف ہوتا ہے۔

(۸) حنفی مفتی کو کسی دوسرے امام کے مذہب پر فتویٰ دینا جائز نہیں۔ حنفی مطلقاً امام اعظم کے مذہب پر عمل کرے گا اور حنفی مفتی ہمیشہ حضرت امام اعظم کے قول پر فتویٰ دے گا۔ اسی مستحکم اتباع کے سبب تو اسے حنفی کہتے ہیں۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

(ترجمہ) "طبع سلیم کے لئے قابل قبول انصاف کی بات یہ ہے کہ ہمارے زمانے کے مفتی کا کام یہی ہے کہ مشائخ نے جو فتویٰ دیا ہے، اسے نقل کردے۔ اسی بات پر علامہ ابن شلبی اپنے فتاویٰ میں گامزن ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

''اصل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول پر عمل کیا جائے۔ اسی لئے مشائخ اکثر انہی کی دلیل کو ان کے مخالف اصحاب کی دلیل پر ترجیح دیتے ہیں اور مخالف کے استدلال کا جواب بھی پیش کرتے ہیں۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ عمل قول امام پر ہوگا اگر چہ ایسی جگہ حضرات مشائخ نے یہ صراحت نہ فرمائی ہو کہ فتویٰ قول امام پر ہے۔ اس لئے کہ ترجیح خود صراحتاً تصحیح کا حکم رکھتی ہے کیونکہ مرجوح راجح کے مقابلے میں بے ثبات ہوتا ہے''۔

جب معاملہ یہ ہے تو قاضی اور مفتی کو قول امام سے انحراف کی گنجائش نہیں مگر اس صورت میں جب کہ مشائخ میں سے کسی نے یہ صراحت فرمائی ہو کہ فتویٰ امام کے سوا کسی اور کے قول پر ہے۔'' (فتاویٰ رضویہ، مترجم جلد اول ص ۱۰۰-۱۰۱)

لیکن کسی بھی امام کا قول دو طرح کا ہوتا ہے۔ ۱-قول صوری۔ ۲-قول ضروری۔

اس کی توضیح عبقری الشرق، بے مثل حنفی فقیہ، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے قلم سے ملاحظہ کیجئے۔ آپ اپنے جلیل الشان رسالہ "اجلی الاعلام ان الفتویٰ مطلقا علی قوم الامام" میں تحریر فرماتے ہیں:

" الخامسة " اقول وباللہ التوفیق: " القول قولان۔ صوری وضروری۔ فالصوری ھو المقول المنقول والضروری مالم یقلہ القائل نصا بالخصوص لکنہ قائل بہ فی ضمن العموم الحاکم ضرورۃ بان لو تکلم فی ھذا الخصوص لتکلم کذا وربما یخالف الحکم الضروری الحکم الصوری وح یقضی علیہ الضروری حتی ان الاخذ بالصوری یعد مخالفۃ للقائل والعدول عنہ الی الضروری موافقۃ او اتباعا لہ کأن کان زید صالحا فامر عمرو خدامہ باکرامہ نصا جھارا و کرر ذلک علیھم مرارا وقد کان قال لھم " ایاکم ان تکرموا فاسقا ابدا"۔ فبعد زمان فسق زید علانیۃ فان اکرمہ بعدہ خدامہ عملا بنصہ المکرر المقرر لکانوا عاصین وان ترکوا اکرامہ کانوا مطیعین ومثل ذلک یقع فی اقوال الائمۃ ۔ (الفتاویٰ الرضویۃ ۱/۱۰۹ لاھور)

'' پانچواں مقدمہ'' میں اللہ کی توفیق کے سہارے عرض کرتا ہوں کہ قول کی دو قسمیں ہوتی ہیں: ۱-قول صوری اور ۲-قول ضروری۔

قول صوری وہ ہے جو کسی نے صراحتاً کہا اور اس سے نقل ہوا۔ اور قول ضروری وہ قول ہے جسے قائل نے صراحتاً اور خاص طور پر نہ کہا ہو مگر وہ کسی ایسے عموم کے ضمن میں اس کا قائل ہو جس سے ضروری طور پر یہ حکم برآمد ہوتا ہے کہ اگر وہ اس خصوص میں کلام کرتا تو اس کا کلام ایسا ہی ہوتا۔

کبھی حکم ضروری، حکم صوری کے خلاف بھی ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں حکم صوری کے خلاف حکم ضروری راجح اور فیصلہ کن ہوتا ہے، یہاں تک کہ اب قول صوری پر عمل کرنا قائل کی مخالفت شمار ہوتا ہے اور حکم صوری کو چھوڑ کر حکم ضروری کی طرف رجوع کو قائل کی موافقت یا اس کی پیروی کہا جاتا ہے۔ مثلاً زید نیک اور صالح انسان تھا۔ اس لئے عمرو نے اپنے خادموں کو کھلے لفظوں میں صراحتاً حکم دیا کہ وہ زید کی تعظیم کیا کریں۔ اس نے اس حکم کا بار بار اعادہ کیا لیکن اس سے پہلے وہ خدام کو یہ حکم عام بھی دے چکا تھا کہ کسی فاسق کی تعظیم ہر گز نہ کریں۔ اتفاق ایسا ہوا کہ زید فاسق معلن ہو گیا۔ اب اگر عمرو کے خدام اس کے مکرر ثابت شدہ صریح حکم پر عمل کرتے ہوئے زید کی تعظیم کریں تو عمرو کے نافرمان شمار ہوں گے اور اگر اس کی تعظیم ترک کر دیں تو اطاعت گذار ٹھہریں گے۔ ایسا ہی معاملہ اقوال ائمہ میں بھی پایا جاتا ہے''۔

اس توضیح کی روشنی میں یہ بات واضح ہو گئی ہو گی کہ ائمۂ احناف بعض اوقات حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کے قول ظاہر سے انحراف کرتے ہوئے دیگر پہلو پر کیوں عمل کرتے ہیں اور اس کے باوجود حنفی کیوں کہلاتے ہیں؟ لیکن قول امام سے عدول ہر جگہ روا نہیں بلکہ مخصوص حالات میں خاص اسباب کے تحت اس کی اجازت ہوتی ہے۔ وہ خاص اسباب کون سے ہوتے ہیں، اس کی وضاحت کرتے ہوئے امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا حنفی قادری برکاتی قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں:

(ترجمہ) ''ائمہ مذہب کے قول صوری کے خلاف حکم ضروری پر عمل ہوتا ہے۔ اس کے درج ذیل چھ اسباب ہوتے ہیں:

۱۔ ضرورت۔ ۲۔ حرج۔ ۳۔ عرف۔ ۴۔ تعامل۔ ۵۔ کوئی اہم مصلحت جس کی تحصیل مطلوب ہو۔ ۶۔ کوئی بڑا مفسدہ جس کا ازالہ مطلوب ہو۔

ان اسباب کی بنا پر قول ضروری پر عمل اس لئے ہوتا ہے کہ ضرورتوں کا

استثناء، حرج کا دفعیہ، ایسی دینی مصلحتوں کی پاسداری جو اپنے سے زیادہ فساد سے خالی ہوں، مفاسد کو دور کرنا، عرف کا لحاظ کرنا اور تعامل پر کاربند ہونا، یہ سب ایسے قواعد کلیہ ہیں جو شریعت سے معلوم ہیں۔ سارے ائمہ ان کی جانب مائل، ان کی پاسداری کے قائل اور ان پر اعتماد کرتے ہیں۔ اب اگر کسی مسئلے میں امام کا کوئی صریح حکم موجود ہو پھر حکم تبدیل کرنے والے مذکورہ امور میں سے کوئی ایک پیدا ہو تو ہمیں یہ قطعی یقین ہوگا کہ اگر یہ صورت حال خود ائمہ مذہب کے زمانے میں پیدا ہوتی تو ان کا قول اس کے تقاضے کے مطابق ہوتا۔ ان حالات سے آنکھیں موند کر اس کے برعکس وہ ائمہ بھی حکم نہ دیتے۔ ایسی صورت میں ان ائمہ سے غیر منقول قول ضروری پر عمل کرنا ہی در اصل ان کے قول پر عمل ہے۔ اب ان کے سابقہ منقول اقوال صوری پر جم جانا، ان کی پیروی نہ کہلائے گی"۔ (فتاویٰ رضویہ ۱/۱۱۰)

اس کی بہت سی نظیریں فقہائے احناف نے پیش کی ہیں بلکہ خود نص شارع میں اس کی واضح مثال مساجد میں عورتوں کی حاضری ہے جو زمانۂ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں روا تھی بلکہ خود حدیث میں اس کا حکم ہے لیکن بعد میں خود حضرات صحابہ نے عورتوں کو مساجد میں آنے سے سختی سے روک دیا۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ قول خود مسند امام احمد اور صحیحین میں منقول ہے:

"لو ان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه سلم راى من النساء ما راينا لمنعهن من المسجد كما منعت بنو اسرائيل نسائها"

"اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عورتوں کی موجودہ حالت ملاحظہ فرماتے تو انہیں مسجد میں آنے سے روک دیتے جس طرح بنی اسرائیل نے اپنی عورتوں کو مسجد کی حاضری سے روک دیا"۔

(۸) اصحاب ترجیح فقہا نے جس قول کو ترجیح دے دی، مفتی کو اس کے خلاف فتویٰ دینا ہرگز روا نہیں۔ اگر کسی مسئلے میں مختلف اقوال مصحح پائے جائیں تو ان میں سے جو زیادہ موکد اور راجح ہوں، اسی پر فتویٰ دیا جائے۔

اس ترجیح کے لازم العمل اسباب، عبقری فقیہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ نے بیان فرمائے ہیں۔ میں اس کا خلاصہ ذیل میں درج کرتا ہوں:

۱- تصحیح کا زیادہ موکد ہونا۔ ۲- تصحیح کا متون میں اور دوسرے کا شروح میں ہونا۔
۳- تصحیح کا شروح میں اور دوسرے کا فتاوئی میں ہونا۔ ۴- فقہانے اس تصحیح کی علت بیان فرمائی اور دوسرے کی کوئی علت اور دلیل نہ پیش کی۔ ۵- تصحیح کا استحسان ہونا۔ ٦- ظاہر الروایۃ ہونا۔ ۷- وقف کے لئے زیادہ نفع بخش ہونا۔ ۸- قول اکثر ہونا۔ ۹- اہل زمانہ کے لئے زیادہ سازگار اور موافق ہونا۔ ۱۰- اوجہ اور دلیل کے لحاظ سے زیادہ واضح ہونا۔
۱۱- احوط ہونا۔ ۱۲- ارفق (زیادہ سہل العمل) ہونا۔ ۱۳- معمول بہ ہونا۔ ۱۴- مذہب امام ہونا۔
(مترجم فتاوئی رضویہ ملخصا جلد اول ص ۱٦۹ تا ۱۷۱)

(۹) مفتی کو جواب دینے میں احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ جواب معلوم ہونے کے باوجود غور وخوض، تلاش وجستجو سے جب جواب کی صحت کا یقین حاصل ہو جائے تب جا کر جواب سپرد قلم کرے۔ ورنہ بسا اوقات سوال کی جزئیات کے مختلف ہونے سے جواب کی نوعیت بھی بدلتی رہتی ہے۔ اگر باریک بینی اور غور وخوض سے کام نہیں لیا گیا تو معاملہ کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔

(۱۰) خوف خدا کے سائے میں جواب صاف ستھرے اسلوب میں وضاحت کے ساتھ تحریر کرے۔ شق درشق کی پیچ داریوں سے خود بھی بچے اور سائل کو بھی اس میں الجھنے سے بچائے۔ اگر صورت جواب مختلف النوع ہو تو سائل سے سوال قائم کر کے اس کی نوعیت متعین کرلے پھر متعین رخ پر تحقیقی جواب تحریر کرے۔ لفاظی اور صناعی سے بالکل احتراز کرے، دوٹوک لفظوں میں جواب دے۔ ہاں سلاست اسلوب کی روش مستحسن رہے گی۔

فقہ وافتا اور ان کے لوازمات کے اس قدرے تفصیلی جائزے کے بعد جب ہم حضرت ملک العلما کی فقہی نگارشات کا مطالعہ کرتے ہیں تو آپ ایک ممتاز فقیہ، تبحر مفتی اور تجربہ کار اسلامی دانشور نظر آتے ہیں۔ آپ نے چون سال تک افتا نگاری کی، کثیر فقہی موضوعات پر رسالے تحریر فرمائے اور نجی محفلوں میں ہزاروں لاکھوں مسائل بیان کئے۔
۱- مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس (۱۳۲۳ھ)۔ ۲- اعلام الساجد بصرف جلود الأضحیۃ فی المساجد (۱۳۲۵ھ)۔ ۳- التعلیق علی القدوری (۱۳۲۵ھ)۔ ۴-

بسط الراحۃ فی الحظر والاباحۃ (۱۳۲۶ھ)۔ ۵- الفیض الرضوی فی تکمیل الحموی (۱۳۲۶ھ)۔ ۶- رفع الخلاف من بین الاحناف (۱۳۳۲ھ)۔ ۷- القول الاظہر فی الاذان بین یدی المنبر (۱۳۳۳ھ)۔ ۸- تحفۃ الاحباب فی فتح الکوۃ والباب (۱۳۳۶ھ)۔ ۹- نہایۃ المنتہی فی شرح ہدایۃ المبتدی (۱۳۴۳ھ)۔ ۱۰- تسہیل الوصول الیٰ علم الاصول (۱۳۴۸ھ)۔ ۱۱- نافع البشر فی فتاویٰ ظفر (۱۳۴۹ھ)۔ ۱۲- نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب (۱۳۵۴ھ)۔ ۱۳- جامع الاقوال فی رویۃ الہلال (۱۳۵۷ھ)۔ ۱۴- عید کا چاند (۱۳۷۰ھ)۔ ۱۵- تنویر المصباح للقیام عند حی علی الفلاح (۱۳۷۱ھ) بیسیوں آپ کی قیمتی تحریریں فقہ وافتا کے موضوع سے ہی تعلق رکھتی ہیں۔

مفتی اور فقیہ کا جو معیار حضرت امام غزالی نے پیش کیا تھا، اس کی روشنی میں احقر نے منصب افتا کے ذمہ دار کے لئے خصائص کے دو خانے ذکر کئے تھے جن میں سے ایک کا تعلق اس کی ذاتی سطح سے تھا اور دوسرے کا علمی سطح سے۔ دونوں سطحوں کا معیار، ان کے لوازمات اور تقاضوں پر گذشتہ اوراق میں گفتگو ہو چکی۔ ان کے تناظر میں ہم جب حضرت ملک العلما کے اوراق حیات کا مطالعہ کرتے ہیں تو آپ ان دونوں معیار پر کھرے اترتے دکھائی دیتے ہیں۔

آپ کا اخلاقی معیار اتنا روشن ہے کہ بس دیکھا کیجئے۔ احقر نے حضرت کی خود نوشت یادداشتیں، قلمی سرمائے، خطوط کے ذخیرے اور مختلف گرانقدر اوراق کی زیارت کی ہے۔ کسی مبالغہ اور تردد کے بغیر عرض کرتا ہوں کہ آپ مجھے ہر قدم پر مخلص مصلح امت، ملت، پرسوز داعی، خدا ترس، بندۂ طاعت شعار، دردمند طبیعت اور سوز دروں سے لبریز ایک اچھے انسان نظر آئے۔ آپ کے یہاں حرص و آز کا گذر نہیں، قناعت پسندی شیوۂ فطرت تھی، تنگ دستی کے باوجود ہر کار خیر میں سبقت فرماتے۔ کثیر مدارس، خانقاہوں اور مکتبوں کی اپنی جیب خاص سے مدد کرتے۔ ملت کے مفادات پر ذاتی مفاد کو بے دریغ قربان کر دیتے، ہر آڑے وقت پر کام آتے۔ آپ کے ساتھ جس نے بھی احسان کیا، اسے ہمیشہ یاد رکھا بلکہ اس کا حق احسان ادا کرنے کی کوشش کی۔ فتنوں سے بے زار اور ہمدردیوں سے ہمیشہ قریب رہے۔ ان باتوں کی قدرے تائید دیکھنی ہو تو آپ کے مجموعۂ فتاویٰ میں شامل رسالہ مبارکہ ''تحفۃ الاحباب فی فتح

الکوۃ والباب'' کا مطالعہ کیجئے۔ اسی طرح ''ہادی الھداۃ لترک الموالات (۱۳۳۹ھ) اور ''سد الفرار لمہاجری بہار'' (۱۳۶۶ھ) جیسی تحریروں میں بھی آپ نے بہت سوز دل کے ساتھ ملت کی صحیح راہنمائی کا فریضہ انجام دیا ہے۔

میں یہاں کتاب السیر کے ایک فتوے کا اقتباس پیش کرتا ہوں جس سے حضرت کے سوز دروں اور خیر خواہی امت کا قدرے اندازہ ہو جائے گا۔ ہنود کی دل آزاری کے پیش نظر گائے کی قربانی ترک کرنے پر تنبیہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''لَایَالُوْنَکُمْ خَبَالًا'' کی تصدیق دیکھئے کہ ہاتھ ملاتے ہی قربانی پر نظر شفقت پھیری۔ بظاہر ترک اضحیہ بقر کی خواستگاری ہے مگر اہل اسلام کی مذہبی حالت، احکام خدا کی تعمیل میں توانی (سستی) و مساہلت، ہر ایک کے پیش نظر ہے۔ آج جب روپے، ڈیڑھ روپے میں واجب اضحیہ ادا ہو جاتا ہے، جب تو یہ حالت ہے کہ سیکڑے تیس، جن پر قربانی واجب ہے، نہیں کرتے۔ پھر جب چھ سات روپے صرف ہونے لگیں گے، سیکڑے ستر اسی اس ثواب سے محروم رہا کریں گے۔ بقیہ کا کرنا بھی اس صورت پر موقوف ہے کہ برادران وطن سچے دل سے اس کی اجازت دیں۔ ورنہ دل آزاری کا وہ نایاب نسخہ ہاتھ لگا ہے کہ نہ صرف قربانی بلکہ اذان، تکبیر، جمعہ، جماعت، وعظ، نصیحت، جس کام کو چاہیں گے، بند کرا دیں گے اور پھر دوست کے دوست۔

مسٹر گاندھی وغیرہ لیڈران ہنود کا مسلمانوں سے اتفاق و اتحاد ظاہر کرنا، خلافت خلافت چلانا، صرف اپنا الو سیدھا کرنے، گاؤ کشی ترک کرانے کے لئے ہے۔ اخباروں کے کالم ان واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔ اخبار حقیقت لکھنؤ ۳۰ جنوری ۱۹۲۰ء کا مضمون جس کی سرخی ''انسداد گاؤ کشی پر مسلمانوں کا شکوہ'' ہے، ملاحظہ کرنے سے یہ امر اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے۔ انسداد گاؤ کشی میں مسٹر گاندھی نے سب سے پہلے ابتدا کی ہے۔ انہوں نے اپنی دلی محبت سے مسلمانوں سے اتحاد عمل کر لیا ہے اور اس طرح وہ گایوں کی جانوں کو بچانے میں کامیاب ہو گئے۔ غرض ان کی چکنی چپڑی باتوں میں آنا اور ابتدائے اسلام سے اس وقت تک مسلمانوں پر جو جو مظالم ہوتے آئے ہیں، خصوصا حال کے واقعات شاہ آباد و کٹار پور وغیرہ کو اس قدر جلد بھلا دینا، مسلمانوں کی سخت نادانی اور غلطی ہے۔''

علمی رخ پر حضرت ملک العلما کی جامعیت کا ایک زمانہ شاہد ہے۔ رائج دینی

علوم کا کون سے ایسا گوشہ ہے جو آپ کی نگاہ میں نہ تھا۔ اس وسیع النظری پر قدرے گفتگو پہلے بھی ہو چکی ہے۔ فقہی زاویے سے چند شواہد یہاں بھی پیش ہوتے ہیں۔

(فتاویٰ ملک العلما، ص ۲۲۵، ۲۲۶)

وسعت نگاہ:

حضرت ملک العلما جملہ اسلامی اور فلکیاتی علوم میں اتھارٹی تھے۔ ان کی تصانیف کی فہرست سے ہی ان کی علمی وسعت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ زیر نظر مختصر مجموعۂ فتاویٰ میں بھی آپ کی علمی گہرائی اور فکری گیرائی کے شواہد بکھرے پڑے ہیں۔ میں یہاں اس کے چند اشارے دیتا ہوں۔

[؟]قر نے جب حضرت ملک العلما کے موجودہ فتاویٰ کے ماٰخذ کتب کی فہرست [؟]ر کی تو یہ کتابیں تین سو سے اوپر جا پہنچیں۔ ان میں تقریباً تیس کتابیں فن تفسیر [؟]ق ہیں، ستّر سے زائد کتب حدیث اور تقریباً ڈیڑھ سو فقہی کتابیں ہیں۔

فتاویٰ کے دوران جب آپ تفسیر وحدیث اور فقہی کتابوں کے حوالے پیش کرنے پر آتے ہیں تو مستند حوالوں کے انبار لگا دیتے ہیں۔ کتاب الصوم کے آغاز میں آیت کریمہ "فَمَنۡ شَهِدَ مِنۡكُمُ الشَّهۡرَ" کی تفسیر پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"فَمَنۡ شَهِدَ مِنۡكُمُ الشَّهۡرَ فَلۡيَصُمۡهُ" کی تفسیر میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ چند اقوال جو اس وقت نظر فقیر میں ہیں، قلمبند ہوتے ہیں۔

(۱) تفسیر بیضاوی، جلالین، مدارک، تفسیر خازن، ابن جریر طبری، تفسیر نیشاپوری، درمنثور، تفسیر واحدی، تفسیر حسینی، معالم التنزیل، تنویر المقیاس، روح المعانی، بحر المحیط، النہر، تفسیر کبیر، تفسیر کشاف، تفسیر ابن کثیر، فتح البیان قنوجی، میں ہے: واللفظ للاول "فمن حضر فی الشهر ولم یکن مسافرا فلیصمه" یعنی جو شخص رمضان کا مہینہ اپنے گھر میں پائے اور مسافر نہ ہو تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔

(۲) تفسیر بیضاوی، تفسیر حسینی، روح البیان، بحر المحیط میں ہے: واللفظ للبیضاوی "فمن شهد منکم هلال شهر فلیصمه" یعنی جو شخص تم میں سے رمضان کا چاند پائے تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔

روح المعانی میں اتنا اور بڑھایا" ویتیقن بہ" یعنی رمضان کا چاند پائے اور اسے تیقن ہو تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔ بحرالمحیط میں یہ معنی لکھ کر محاورہ کے اعتبار سے اس معنی کو ضعیف کہا کہ محاورہ شھدت الھلال نہیں کہتے بلکہ شاھدت۔ (ایضاً ص ۱۵۴)

کتب حدیث اور طرق حدیث کے ذخیروں پر بھی وسیع نگاہ تھی۔ ستر سے زائد کتابوں کے حوالے تو اسی مجموعے میں ملتے ہیں۔ ایک مضمون کی دسیوں حدیث پیش کر دیتے ہیں۔ ایک حدیث کے دسیوں طرُق بیان کر جاتے ہیں۔ تعمیر مسجد کے فضائل پر مختلف رواۃ کی چودہ حدیثیں بیان فرمائیں۔ اسی ذیل کی دوسری حدیث بیان فرمائی تو گیارہ ائمہ حدیث کی نو صحابہ کرام سے مرویات بیان کر دیں اور لطف یہ کہ متن کے مختلف اضافے بھی ذکر فرمائے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

"دوسری حدیث میں ہے: من بنی لله مسجدا جو شخص خدا کے لئے مسجد بنائے وفی روایة ولو کمفحص قطاة اگرچہ قطاۃ کے گھونسلے جیسی وفی روایة او اصغر یا اس سے بھی چھوٹی وفی روایة یذکر الله عز وجل فیه تاکہ اس میں ذکر خدا ہوئے (نہ کہ مسجد ضرار کہ تفریق بین المسلمین و تقلیل جماعت کی غرض سے بنائی جائے) بنی الله له بیتا فی الجنة اللہ اس کے لئے گھر جنت میں بنائے گا فی روایة من درر ویاقوت موتی اور یاقوت کے رواہ ابن ماجه وابن حبان وسیدنا ابو حنیفة وابن خزیمة والبزار فی مسنده والطبرانی فی الصغیر والترمذی وھو فی الکبیر والاوسط وابن عدی والنسائی عن سیدنا عثمان وعمرو جابر بن عبد الله وابی ذر وانس بن مالك وابی امامة وابی ھریرة واسماء بنت الصدیق وعمرو بن عبسة رضی الله تعالیٰ عنھم اجمعین"۔ (ایضاً ص ۲۷۹)

حضرت ملک العلما کے فتاویٰ میں فقہی مراجع بھی کثرت سے استعمال ہوئے ہیں جو آپ کے علم اور مطالعہ کی وسعت کا روشن ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ اس مجموعۂ فتاویٰ میں شامل فقہی رسالے "تنویر المصباح" "نصرة الاصحاب" "اعلام الساجد" میں کثیر در کثیر فقہی کتب کے حوالے دیکھے جا سکتے ہیں۔ جمعہ کی اذان ثانی کے بارے میں ایک مختصر سے فتوے میں بائیس کتابوں کے حوالے موجود ہیں۔

تفسیر، حدیث اور فقہی مراجع کی اس قدر کثرت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا

قادری برکاتی قدس سرہٗ کے علمی فیضان کی برکت ہی کہی جا سکتی ہے۔ فتاویٰ رضویہ اس تنوع، کثرت اور ہمہ جہتی میں بہت ممتاز ہے۔

آداب افتا کی رعایت :

مفتی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ فقہا اور کتب فقہ کے مراتب اور رسم المفتی سے مکمل واقفیت رکھتا ہو اور اس کی روشنی میں فتویٰ دیتا ہو۔ حضرت ملک العلما آداب افتا پر بصیرانہ عبور رکھتے تھے اور اپنے فتاویٰ میں ان کا پورا پورا خیال رکھتے بلکہ اوروں کو جب ان کی حدود پھلانگتے دیکھتے تو ان کا بھرپور تعاقب کرتے اور انہیں ان کی ذمہ داریاں یاد دلاتے۔ اس کی بہت سی نظیریں اس مجموعے میں مل جائیں گی۔ میں یہاں صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں۔

سوال تھا: امام کی جائے قیام عام مقتدیوں کی جگہ سے پانچ انگل بلند ہے یا امام دہلیز میں کھڑا ہے تو نماز میں کچھ قباحت تو نہیں؟۔ امام احمد رضا نے جواب مرحمت فرمایا: ''یہ صورت مکروہ ہے'' حوالے پیش فرمائے، وجہ بتائی پھر اس کا مناسب حل پیش فرمایا۔ یہی استفتا ایک اور صاحب افتا کے پاس بھیجا گیا، ان کا جواب تھا: ''پانچ انگل بلند ہو تو کچھ حرج نہیں'' انہوں نے بھی حوالے پیش کئے، علت بیان کی۔

مستفتی نے وہ سوال اور یہ دونوں جوابات حضرت ملک العلما کی خدمت میں پیش کئے۔ حضرت ملک العلما نے آداب افتا سے غافل مفتی کا بھرپور تعاقب کیا۔ میں حوالوں کی عبارات حذف کر کے اس جواب کا خلاصہ پیش کرتا ہوں۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

''جواب سید مولوی ابراہیم رشیدی محض غلط ہے اور دعویٰ محض بے دلیل... فتاوی عالمگیریہ سے مقدار ارتفاع قامہ اور ذراع جو لکھا ہے، یہ دونوں بوجہ مخالفت ظاہر الروایۃ غیر معتبر ہیں۔ ظاہر الروایۃ (جس پر عمل وافتا متعین اور اس کے خلاف پر فتویٰ دینا جہل وخرق اجماع ہے) وہی ہے جو حضرت مجیب اول متع اللہ المسلمین بطول بقائہ نے اختیار فرمائی ہے....

شرح عقود بلکہ باوجود وضوح وشیوع اس کے آپ جیسے تیز فہم کے لئے علمانے تصریح فرمادی کہ جب کبھی فتویٰ لکھنے بیٹھنا تو ظاہر الروایۃ پر عمل کرنا۔ کیونکہ اس کے

خلاف پر افتا جہالت و نادانی و خرق اجماع ہے۔

ثانیاً: یہ امر مسلم ہے کہ اتباع اس روایت کا کیا جائے گا جس کے موافق درایت ہو اور احادیث ابی داؤد و حاکم و ابن حبان وغیرہم کی اس باب میں مطلق ہیں اور ظاہر الروایۃ قدر ممتاز ہے۔ پھر اس سے عدول فقاہت سے دور بلکہ کار جہول ہے۔

ثالثاً: تصحیح اور فتویٰ جب مختلف ہو تو عمل میں اعتبار، موافقت اطلاق متون کا ہوتا ہے۔ اور متون سارے کے سارے یک زبان یہی کہہ رہے ہیں: یکرہ ان یقوم فی مکان اعلیٰ من مقام القوم اذا لم یکن بعض القوم معہ۔ تو اس سے عدول محض جہالت و نادانی ہے۔

رابعاً: بحر الرائق میں ثابت کہ مخالف ظاہر الروایۃ کا، مرجوع عنہ ہوتا ہے اور وہ مجتہد کا قول نہیں رہتا پھر باوجود ایماء حنفیت امام کے خلاف فتویٰ دینا، سواء مستثنیات خاصہ مصرحہ فتح و شامی وغیرہما کے، خلاف دیانت و عقل ہے۔

خامساً: آپ کا فرمانا اذا تعارضا امامان الخ۔ محرر صاحب! اولاً تو یہ مسئلہ ہی اختلافی ہے۔ جس درمختار سے آپ سند لائے، اس میں ہی مرقوم ہے:......

''یعنی علامہ خیر الدین رملی نے اپنے فتاوی خیریہ لنفع البریہ میں فرمایا کہ علامات افتا کے بعض الفاظ بعض سے اقویٰ ہوتے ہیں جیسے اصح کہ اقویٰ ہے صحیح سے، تو یہ صحیح پر مقدم کیا جائے گا''۔

سادساً: ذرا یہ تو ارشاد ہو کہ یہاں صحیح اور اصح میں اختلاف کہاں؟ بلکہ اسی روایت کو بعض علماء نے اوجہ لکھا کما فی الدر۔ محقق علی الاطلاق ابن ہمام نے فتح القدیر میں وجیہ فرمایا، فافہم۔ صاحب! یہاں تو ظاہر الروایۃ اور غیر ظاہر الروایۃ میں اختلاف ہے۔ جہاں ظاہر الروایۃ ہی پر افتا متعین، جسے آپ نے پس پشت ڈال کر یا اپنے پرانے کی نقل بنا کر جہل اور خرق اجماع کی راہ لی و لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

جب آپ اعتقادیات میں اہل سنت کیا بلکہ اہل اسلام کے مخالف ہیں۔ اس شخص کے، جس کے گلے میں علماء عرب و عجم نے تکفیر کی طوق ڈالی ہو، مرید مستفید تو پھر آپ کو ان مسائل میں جو فقہیہ ہیں، جو مابین ہمارے علماء کے مختلف فیہ ہو، قیل وقال کی کس عقلمند نے راہ بتائی؟ اگر اپنے زعم میں فقیہ ہو، کچھ تحریر کرنا چاہتے ہو، تو چشم ما روشن

دل ما شاد۔ کلمہ پڑھو، علمائے حرمین محترمین کے موافق اپنے عقاید بناؤ، تب ان باتوں میں پڑنا ورنہ ایسی ہی خرافات پر جمے رہو۔ ان اختلافی فرعیات میں بحث کرنا تو احمق نمبر ۲ بنتا ہے۔ جیسے کوئی قادیانی یا ہندو کسی سنی حنفی سے مناظر ہو اور کہے کہ آمین بالجہر کہنا چاہئے یا بالاخفاء؟ تو ہر ادنیٰ عقل والا بھی کہے گا کہ ارے او مسخرے! پہلے اسلام لا، سنی بن پھر ان باتوں میں منھ کھولنا۔ اللہ تعالیٰ اصدق الصادقین کی تکذیب کریں، حضور اقدس افضل الناس واعلم الناس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کریں، ابلیس لعین کے علم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ بتائیں اور فقہیات میں خامہ فرسائی کریں؟ اپنے کو پانچویں سواروں میں بتلائیں؟۔ ع شرم بادت از خدا و از رسول

ایسے جاہل مطلق جو آداب مفتی سے محض جاہل اور اس پر طرہ تحریر کا شوق کرے، تو اس سے فتاویٰ عالمگیریہ، اذا تعارض امامان، در المختار، حررہ العبد محمد ابراهیم سنی حنفی چشتی رشیدی، لکھنے کی کیا شکایت؟ ان سب میں الف تو ہضم ہوا ہی تھا لام تو ٹیڑھی کھیر تھا مگر حافظ جی اسے بھی چٹ کر بیٹھے۔ بالجملہ جواب اول صحیح ہے اور تحریر ثانی غلط صریح، جہل قبیح ہے''۔ (فتاویٰ ملک العلما، ص ۱۰۸ تا ۱۱۰)

یہ اقتباس جہاں حضرت کی آداب افتا سے پوری واقفیت، تفقہ اور دقیقہ رسی کو واضح کر رہا ہے، وہیں آپ کی ظرافت ملیح اور تیکھی تنقید کے دلچسپ اسلوب کا بھی آئینہ دار ہے۔

تفقہ:

مقامات دین کے فہم اور اصول دین کی بصیرت کو تفقہ کہتے ہیں۔ یہ ملک العلما کے مربی اور مرشد، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا خاص رنگ تھا جو ان کے پورے علمی وجود پر چھایا ہوا تھا۔ حضرت ملک العلما نے بھی اس بارگاہ فیض سے حصہ لیا ہے، اس لئے آپ کے یہاں بھی گہری فقاہت ملتی ہے۔ گو آپ کو شہرت ایک محدث، ایک مصنف، ایک مناظر، ہیئت و توقیت کے ماہر اور جفاکش مدرس کی حیثیت سے ملی لیکن ان سب کے ساتھ ساتھ آپ کے یہاں فقاہت کا جوہر بھی اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ موجود ہے۔

ملک العلما کی فقاہت کی اس سے بڑی شہادت اور کیا ہوگی کہ عبقری فقیہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ نے ان کی ژرف نگاہی اور فقاہت کی شہادت زمانہ

طالب علمی میں ہی دے دی تھی۔ ملک العلما نے اعلیٰ حضرت سے وضو کے بارے میں یہ سوال کیا: ''وضو میں کتنے فرائض اعتقادی اور کتنے فرض عملی اور گے واجب اعتقادی اور گے واجب عملی ہیں اور ہر ایک کی تعریف کیا ہے؟ مدلل ارشاد ہو۔

اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت نے رسالہ مبارکہ ''الجود الحلو فی ارکان الوضو'' (۱۳۲۴ھ) تحریر فرمایا۔ اس کے آغاز میں تحریر فرماتے ہیں:

اللھم لك الحمد فرضا لازما صل علی افضل ارکان الایمان وسلم دائما۔ ایھا السائل الفاضل رزقك الله علما نافعا۔ ھذا سوال لایھتدی الیہ الا من وفقه الله و الله یختص برحمته من یشاء والله ذو الفضل العظیم

(فتاویٰ رضویہ جدید، ۱/۱۸۰)

یہ سوال کرنے والے فاضل! اللہ تعالیٰ تمہیں فائدہ مند علم عطا فرمائے۔ ایسا سوال وہی کر سکتا ہے جو اللہ کی توفیق سے سرفراز ہو۔ اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص فرمالیتا ہے اور وہ بہت عظیم فضل والا ہے۔

اس دعوے کی تصدیق کے لئے اسی مجموعے سے اخذ کر کے چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

سنی حنفی المذہب کی بنائی ہوئی مسجد میں ایک غیر مقلد صاحب امامت کا شوق رکھتے ہیں۔ مسئلہ پیش ہوتا ہے ملک العلما کی بارگاہ میں۔ یہ سوال تو دستیاب نہ ہو سکا لیکن جواب کی تفصیلات بتاتی ہیں کہ سوال میں بہت ساری جزئیات تھیں۔ جواب میں حضرت ملک العلما نے جس جزئیات نگاری، ژرف نگاہی اور دقیقہ رسی سے کام لیا ہے، وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ بارہ صفحات پر پھیلا ہوا یہ فتویٰ حضرت کی فقاہت کا منھ بولتا ثبوت ہے۔ پورا لطف تو اصل فتوے کے مطالعہ سے ہی اٹھایا جا سکتا ہے۔ میں یہاں اکیس نکات پر پھیلے اس فتوے کے خاص خاص گوشوں کا خلاصہ پیش کرتا ہوں۔

ابتدا ہوتی ہے: غیر مقلد کا استحقاق امامت کا دعویٰ باطل محض ہے کیونکہ بانی اور مصلی سب سنی ہیں اور اہل محلہ بھی جسے چاہیں گے، وہی امام ہوگا۔ غیر مقلدین بد مذہب ہیں اور بد مذہب کی توقیر حرام۔ اس لئے امامت کا اعزاز اسے نہیں دیا جا سکتا۔ بد مذہب حدیث اہل نجران کو سند میں نہیں پیش کر سکتے کہ دیکھو وہ کافر مستامن تھے، حضور نے انہیں مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی اجازت دی تو بھلا ایک کلمہ گو کو مسجد سے کیسے روکا جا سکتا

ہے؟۔ حضرت نے مختلف حوالوں سے اپنا موقف مستند بنانے کے بعد اخیر میں خوب فرمایا:

"غیر مقلدین اگر حدیث نجران سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو پہلے اپنی کلمہ گوئی سے انکار کریں اور یہ ہی کافی نہیں بلکہ اپنے کافر اصلی ہونے کا ثبوت دیں۔ پھر سلطنت اسلام میں امان لے کر آ جائیں۔ سلطان اگر مناسب جانے گا تو انہیں بھی کفار نجران کی طرح چند روز امان دے گا اور اتنے دنوں اپنی مسجدوں میں نماز سے نہ روکے گا"۔

غیر مقلد امام نے وقف کے استحقاق عام سے فائدہ اٹھانا چاہا تو حضرت نے ترکی بہ ترکی جواب سے اس کی بولتی بند کر دی:

"غیر مقلدین کے نزدیک اگر وقف کا استحقاق ایسا عام ہے تو کیا وہ نوشتہ دے سکتے ہیں کہ ان کی مسجدوں میں ہنود و نصاریٰ و یہود و مجوس و روافض وغیرہم جو فرقہ چاہے جائے اور اپنے طور پر عبادت کرے۔ ناقوس پھونکیں، گھنٹے بجائیں، آگ جلائیں، چلیپا قائم کریں، انہیں کچھ انکار نہ ہوگا؟"

گفتگو آگے بڑھتی ہے اور غیر مقلدین کی دراندازی کی ممانعت مختلف وجوہ سے ثابت کی جاتی ہے۔ "ان کی آمد سے سنیوں کی دل آزاری ہوتی ہے، فتنے اٹھتے ہیں، عوام بدکتی ہے اور وحشتیں، فتنے، دل آزاریاں مسجد سے دور رکھی جائیں گی"۔ آگے چل کر اچھوتی توجیہ یہ پیش کرتے ہیں کہ ان کی مداخلت سے مسجدیں ویران ہوتی ہیں۔ رقم طراز ہیں:

"غیر مقلدین اگر حنفیہ کی مسجدوں میں نہ آئیں تو یہ مساجد ویران نہ ہوں گی کہ ان کے بانی، ان کے نمازی سنی حنفی، ان کے آباد کرنے والے کثیر و وافر ہیں لیکن انہیں اگر حنفیہ کی مساجد پر قبضہ دیا جائے تو رعایا و ملک کے بڑے حصے کو دو سخت ضرروں میں سے ایک ضرر ضرور پہنچے گا:

۱- یا تو وہ اپنی نہ چھوڑیں اور غیر مقلدین کی مداخلت و اقوال و افعال دل شکنی کے باعث فتنے اٹھیں اور مسجدیں ویران ہو کر جیل آباد ہوں۔

۲- یا حنفیہ اپنی عزت، اپنی عافیت عزیز رکھ کر اپنی مسجدیں چھوڑ بیٹھیں۔ ہر طرح غیر مقلدین کا قبضہ ان مساجد کی ویرانی کا سبب ہے اور بحکم قرآن عظیم جس کے آنے سے مسجدیں ویران ہوں، وہی ظالم ہے۔ اس کو مسجد میں آنے کی اجازت نہیں"۔

اس سے نرالی توجیہ ایک ہندوستانی قانون کی روشنی میں ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:

"شارع عام اور اسی طرح سرِ راہ افتادہ غیر مملوک زمینوں میں قانوناً تمام رعایا کا حق بلا تفاوت یکساں ہے۔ سڑکیں، راہیں یا وہ زمینیں ہنود کی بنائی ہوئی ہیں، نہ مسلمانوں کی، نہ ان میں کوئی ان کا مالک یا کسی وجہ سے زیادہ حقدار ہے۔ بایں ہمہ قانوناً مسلمانوں کو وہاں قربانی کی ممانعت ہے۔ یہ قانون غیر مقلدین کو ہماری مسجدوں میں سے ممانعت کی ایک اعلیٰ نظیر قائم کرتا ہے۔ غیر مقلدوں کی نماز اگر ان کا امر مذہبی ہے، تو قربانی کیا ہمارا امر مذہبی نہیں؟ بفرضِ غلط اگر غیر مقلدین حنفیہ کی مساجد میں آ کر فتنہ نہیں اٹھاتے بلکہ حنفیہ ہی کو اشتعال طبع ہو کر فتنہ پیدا ہوتا ہے تو مسلمان بھی سڑکوں پر قربانی کر نے میں ہر گز خود لڑائی کی ابتدا نہ کریں گے بلکہ ہنود ہی کو اشتعال طبع ہو کر فساد ہوگا۔ مسلمانوں کو اگر شارع عام پر قربانی کرنا ضرور نہیں بلکہ اپنے گھروں یا قرار دادہ مذبحوں میں ادا کر سکتے ہیں تو غیر مقلدین کو بھی شرعاً حنفیہ کی مساجد ہی میں نماز پڑھنا ضرور نہیں۔ اپنی مسجد میں بلا تکلف پڑھ سکتے ہیں۔ پھر کیا وجہ کہ مسلمان شارع عام سے منع کئے جائیں، جس میں وہ حق مساوی رکھتے ہیں اور غیر مقلدین، حنفیہ کی مساجد سے نہ روکے جائیں، جن میں انہیں ہر گز حق مساوی بھی نہیں۔ بلکہ شارع عام درکنار مسلمان ایسے گھروں، اپنی خاص مملوک زمینوں میں قربانی سے باز رکھے جائیں، معدود مواضع مقرر کر دیئے جائیں، حالانکہ گھروں میں قربانی ہنود کے پیش نظر بھی نہ ہوگی۔ ایک قوم کا اشتعال طبع کہ سُنی کی بناء پر فرض کر لیا جائے، دوسری قوم کو اپنا امر مذہبی خاص اپنے ملک میں بجالانے سے باز رکھے اور غیر مقلدین کے آنے سے اشتعال طبع کہ خاص نظر کے سامنے اور وہ بھی ان مساجد میں جو حنفیہ کی بنائی ہوئی ہیں اور انہیں کا حق ان میں مقدم ہے، غیر مقلدوں کو ان مساجد سے منع نہ کرے؟ یہ انصاف سے بہت دور ہے"۔

اخیر میں دو اور عقلی ردّ ار کھتے ہوئے جواب مکمل فرماتے ہیں۔ چونکہ یہ دونوں شقیں بھی خالص منطقی ہیں اور تفقہ کی چاشنی سے لبریز۔ اس لئے ان کے اقتباسات ذرا طویل ہونے کے باوجود پیش کرتا ہوں۔ حضرت ملک العلماء رقم طراز ہیں:

☆ "ان کی کتابیں شاہد ہیں کہ وہ ہمیں مشرک جانتے ہیں اور مشرکوں کی بنائی ہوئی مسجدیں شرعاً مسجد نہیں۔ .... تو غیر مقلدین حقیقۃً ہماری مسجدوں کو مسجد ہی نہیں

جانتے۔ دھوکا دینے کے لئے اسے مسجد کہنا اور یہ ادعائی اسلام، اپنا حق ان میں مساوی ہونے کا دعویٰ کرنا، خود ان کے اپنے مذہب کے خلاف اور محض ایذا دہی وآزار رسانی وبدنیتی ہے۔ کوئی استحقاق، کوئی دعویٰ انہیں ہماری مساجد پر نہیں ہوسکتا۔ یہ بعینہ ایسا ہے کہ چند ہنود ہماری مساجد پر دعویٰ کریں کہ یہ ہمارے مذہب کے مقدس تیرتھ ہیں۔ ہمیں ان میں پوجا پاٹ کی اجازت ملے۔ حالانکہ یہ دعویٰ صراحۃً فریب اور خود ان کے برخلاف مذہب ہوگا۔ مذہبی معاملے میں خود اپنے مذہب کے خلاف ایک بات کا دعویٰ دوسروں کے حق پر قبضہ پانے کے لئے کرنا، سوائے بدنیتی وآزار رسانی کے کیا ہوسکتا ہے؟ ایسے ناجائز وفاسد المبنیٰ دعویٰ قابل سماعت نہیں ہوتے۔ لہذا حنفیہ کی مساجد کو فریق مخالف کے دست تعرض سے محفوظ رکھنا ہی قرین انصاف ہے۔

☆ اس سے تنزل کرتے ہیں کہ غیر مقلدین مبتدع نہیں، مگر اس قدر تو یقیناً معلوم، جس سے کسی فریق کو انکار کی گنجائش نہیں کہ ہمارا ان کا اختلاف عقائد میں ایسا ہے کہ دونوں فریق سے ایک ضرور بدمذہب وگمراہ ہے۔...... اس کے ثبوت کے لئے فریقین کی بکثرت کتابیں کہ چھپ کر شائع ہوچکیں، کافی ہیں۔ بلکہ کسی ثبوت کی حاجت نہیں تم ہمیں گمراہ کہتے ہو اور ہم تمہیں۔ اور اگر تم اس وقت مصلحۃً نہ کہو تو ہمارا فریق تو ضرور تمہیں گمراہ وبددین کہتا اور لکھتا اور چھاپتا ہے۔ اب دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو تم فی الواقع گمراہ ہو تو مطلب حاصل۔ یا واقع میں تم ہدایت پر ہو؟ تو جو فریق ہدایت کو ضلالت جانے، وہ گمراہ ہے۔ اب یا تو تم ہمیں، ہمارے جمیع اعتقادیات میں حق پر جانتے ہو یا نہیں؟ اگر نہیں تو معلوم ہوا کہ ہمارے بعض اعتقاد تمہارے نزدیک حق نہیں۔ اور اگر ہاں، تو ہمارے اعتقادیات سے ایک یہ بھی ہے کہ تم گمراہ وبددین ہو، یہ بھی حق ہوا۔ بہر حال دونوں تقدیر پر ایک ضرور گمراہی پر ہے۔ اور شرع مطہر کا اہل حق کو حکم ہے کہ گمراہوں سے میل جول نہ کریں۔ ان سے دور بھاگیں، ان کی نماز میں نہ شریک ہوں، اور وہ بیمار پڑیں تو عیادت کو نہ جائیں، وہ مرجائیں تو جنازے کی نماز نہ پڑھیں۔ اب اگر معاذ اللہ ہم گمراہ ہیں تو تم کو حکم ہے کہ ہم سے دور رہو، ہماری نماز میں شرکت نہ کرو۔ اور اگر تم اہل بدعت ہو تو ہم کو حکم ہے کہ ہم اپنی نماز میں تمہیں شریک نہ ہونے دیں۔ (فتاویٰ ملک العلما ملخصا، ص ۱۱۹ تا ۱۲۶)

ان اقتباسات سے حضرت کے ذہن عالی کی براقی اور جزئیات نگاری پر

گرفت پوری طرح نمایاں ہے۔ اسی طرح کتاب النکاح میں ایک فتوے کی تردید اور اصلاح میں آپ کی جودت طبع اور روشن دماغ نے جو جولانی دکھائی ہے، وہ دیکھنے کی چیز ہے۔ آپ نے جواب اول کی فاش غلطیاں ایسی ورق آشکار کی ہیں کہ بخیئے ادھیڑ دیئے ہیں۔ (پورا فتویٰ ص ۱۹۴ تا ۲۰۲ پر موجود ہے) یونہی ''کھڑکی کا فیصلہ'' میں آپ نے جس دیدہ ریزی سے فیصلے کی پوری مسل کا فقیہانہ جائزہ لے کر اس کی خامیاں طشت از بام کی ہیں اور درست شرعی فیصلے کی جانب جیسی مدبرانہ راہنمائی فرمائی ہے، وہ آپ کی تدبر آشنا فکر اور فقیہانہ بصیرت کا کھلا ثبوت ہے۔ (پورا رسالہ کتاب القضا میں دیکھئے)

حضرت کا رسالہ مبارکہ ''اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیۃ فی المساجد'' میں بالکل امام احمد رضا کا فقہی رنگ دمکتا نظر آتا ہے۔ وہی جزئیات نگاری، وہی دقیقہ رسی، وہی کثیر در کثیر حوالجات، وہی استنباطی رنگ۔ مکمل رسالہ ص ۲۷۹ تا ۲۸۹ پر ملاحظہ فرمائیں۔ میں یہاں صرف ایک اقتباس پیش کرتا ہوں۔

سوال تھا: قربانی کی کھال بیچ کر اس کی رقم سے مسجد کی تعمیر کی جاسکتی ہے یا نہیں؟۔

جواب اثبات میں ہے۔ عالمگیری کی ایک عبارت پیش کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

''عبارت ہذا، تحریر بالا کی روشن دلیل ہے۔ اور اس سے ہر ذکی، متفطن، سلیم الطبع، جزئیات مسائل متعلقہ پوست اضحیہ، ادنیٰ تامل سے نکال سکتا ہے۔ مگر تعمیم نفع کے لئے ایک ضابطہ وقاعدہ کلیہ لکھا جاتا ہے جو قلب فقیر پر ارواح طیبہ اساتذہ کرام ومشائخ عظام خصھم اللہ العلام باللطف العام سے فائض ہوا۔ جس سے ہر عاقل فہیم تمام جزئیات بہ آسانی نکال سکتا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ وھو حسبی ونعم الوکیل۔

ظاہر ہے کہ پوست، گوشت اضحیہ دونوں منتفع بہ ہیں اور شریعت مطہرہ نے بعد اراقت دم اس سے انتفاع کا حکم دیا۔ کما قدمنا عن الھندیۃ عن المحیط۔ اور انتفاع دو حال سے خالی نہیں۔ دینی ہوگا یا دنیاوی۔ اول ہر طرح جائز ہے عین سے ہو یا بدل سے۔ لما مر من قولہ ویتصدق بجلدھا وقولہ ولو باعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز لانہ قربۃ کالتصدق۔

ثانی بھی دو حال سے خالی نہیں۔ یا بعینہ ہوگا یا بدلہ۔ اول مطلقاً جائز ہے۔ لما فی غرر الاحکام ''او یجعلہ آلۃ کجراب وخفّ وفرو'' اھ وفی الخانیۃ:

"ولا باس بان يتخذ من جلد الاضحية فروا او بساطا او متكئا يجلس عليه" اه وفی الکافی والہدایۃ:" او يعمل منه آلة تستعمل فی البيت كالنطع والجراب والغربال ونحوها" اه كالدلو والسفرة والقرب عيني۔

ثانی بھی دو حال سے خالی نہیں یا بدل ثمن ہوگا یا نہیں۔اول ناجائز ہے۔تکملہ بحر الرائق وتبیین وخلاصہ میں ہے:"ولا يبيعه بالدراهم لينفق الدراهم على نفسه وعياله"

ثانی یعنی بدل ثمن نہ ہو بلکہ مثمن ہو وہ بھی دو حال سے خالی نہیں، یا مستہلک ہوگا یا غیر مستہلک، اول ناجائز ہے۔لما فی الهداية والتبيين والكافی والطحاوی وخزانة المفتيين:"ولا يشترى به مالا ينتفع به الا بعد استهلاكه كالخل والابازير اعتبارا بالبيع بالدراهم والمعنى فيه انه تصرف على قصد التمول۔

ثانی جائز ہے۔لما فی الهداية وشرح الكنز لملا مسكين والكافی والتبيين والطحاوی وخزانة المفتيين:"ولا باس بان يشترى به ما ينتفع بعينه فی البيت مع بقائه استحسانا"۔

یا یوں خیال کیا جائے کہ قربانی کرنے والا گوشت اضحیہ کو اپنے صرف میں لائے گا یا غیر کے۔عام ازیں کہ کوئی شخص معین ہو یا غیر معین جیسے رفاہ عام۔ثانی ہر طرح جائز ہے۔اور اپنے صرف میں لانے کی چار صورتیں ہیں۔دو جائز، دو ناجائز (۱) اس کی کوئی چیز بنائے (۲) اس سے کوئی غیر مستہلک چیز بدلے تو جائز ہے اور (۳) اگر روپیوں سے بیچا (۴) کوئی مستہلک چیز خریدی تو ناجائز وممنوع۔وقد مضت الادلة آنفاً۔"

(فتاویٰ ملک العلماص ۲۸۳ تا ۲۸۴)

تصوف:

حضرت ملک العلما خشک فقیہ نہیں تھے بلکہ سوز عشق اور نفس سوختہ سے معمور ایک خوش طبع درویش فقیہ تھے۔یہی سبب ہے کہ آپ کی تحریروں میں ملّانہ خشکی نہیں ملتی بلکہ صوفیانہ لطافت پیرتی محسوس ہوتی ہے۔دل آزاری سے گریز، تنقید میں بھی شائستگی کا برتاؤ، سوقیانہ پن سے اجتناب، اخلاص کی خوشبو، ہمدردانہ جذبے، غمگسارانہ لہجے کیا ہیں؟۔صوفیانہ خصائل ہی تو ہیں جن کا رچاؤ ہر جگہ نظر آتا ہے، لیکن عام صوفیانہ روش سے

ہٹ کر خاص صوفیانہ مسائل پر بھی آپ نے خامہ فرسائی کی ہے۔ کتاب الحظر والاباحۃ میں اس طرز کے کئی ایک فتاویٰ شامل ہیں۔

ص ۳۰۴ پر سوال ہے کہ کیا زید اپنے والد کی مرضی کے بغیر اشغال صوفیہ میں منہمک ہوسکتا ہے؟۔ اس کا جواب بہت ژرف نگاہی کے ساتھ دیا گیا۔ اطاعت والدین کے فضائل پر مشتمل کثیر احادیث کریمہ بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

''پس صورت مستفسرہ میں جب کہ باپ اس کا شیخ کے یہاں جانے، حلقے میں شامل ہونے سے روکتا اور کہتا ہے کہ اس میں میری سخت ناراضگی ہوگی، ہرگز اس شخص کو اجازت نہیں کہ والدین کو ناراض کر کے حلقہ میں شامل ہو۔

(حدیث مبارک ذکر کر کے) جب بے اجازت والدین جہاد کی اجازت نہ ہوئی .... تو باپ کو ناراض کر کے حلقہ میں شامل ہونے کی کیوں کر اجازت دی جائے گی؟ اس شخص کو چاہئے کہ شیطان کے دھوکہ سے باز آئے، والد کی فرمانبرداری کرے، ان کو ایذا نہ دے، عاق نہ بنے، والدین کی رضا بہت بڑی نعمت ہے، اس کی قدر کرے۔

(دوسری جانب باپ کو تلقین کرتے ہیں) اگر اس کا باپ اسے روکنے میں کوئی مصلحت شرعیہ دیکھتا ہے یا اسے اپنے ایذا کا خیال ہے کہ اسے تنہا چھوڑ کر وہ اپنا کام نہ کر سکے گا، تو کوئی حرج نہیں۔ اگر اس کا کوئی حرج نہیں تو ذکر وفکر، شغل واذکار سے وہ اپنے بیٹے کو نہ روکے، کیونکہ اس کو اجازت نہیں کہ وہ کام کرے جو اللہ اور رسول کی رضا کے خلاف ہو''۔ (فتاویٰ ملک العلما، ص ۳۰۹)

توجہ تشبیہی کے جواز کو بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''توجہ لینا اپنے پیر و مرشد سے اور مرشدوں کا اپنے مریدین کو توجہ دینا جائز اور فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے ثابت ہے۔ کتاب الترغیب والترھیب حافظ ذکی الدین عبد العظیم منذری مطبع فاروقی دہلی ص ۳۰۱ س ۹ پر ہے: وعن یعلیٰ ابن شداد قال حدثنی ابی شداد ابن اویس وعبادة بن الصامت حاضر یصدّقه قال کنا عند النبی صلی الله علیه وسلم فقط فقال هل فیکم غریب یعنی اهل الکتاب قلنا لا یا رسول الله! فامر بغلق الباب وقال ارفعوا ایدیکم وقولوا لا اله الا الله۔ فرفعنا ایدینا ساعة ثم قال

الحمد لله اللهم انك بعثتني بهذه الكلمة و وعدتني عليها الجنة وانت لا تخلف الميعاد ثم قال ابشروا فان الله قد غفر لكم ۔

یعنی مروی ہے یعلیٰ بن شداد سے، کہا مجھ سے بیان فرمایا میرے باپ حضرت شداد بن اوس نے اور حضرت عبادۃ بن صامت تشریف رکھتے تھے اور میرے باپ کی تصدیق فرماتے تھے۔ کہا، تھے ہم نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: کیا تم میں کوئی اجنبی یعنی یہودی یا نصرانی ہے؟ ہم نے عرض کی نہیں یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم۔ پس حضور نے دروازہ بند کرنے کا حکم فرمایا اور ارشاد ہوا کہ تم اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر لا الہ الا اللہ کہو تو ایک ساعت تک ہم لوگوں نے ہاتھوں کو اٹھایا۔ پھر حضور نے دعا فرمائی کہ سب خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ ابھی تو نے مجھے اس کلمہ کے ساتھ بھیجا اور اس پر مجھے جنت کا وعدہ فرمایا اور تو وعدہ خلاف نہیں فرماتا۔ پھر فرمایا کہ خوش ہو کہ عزوجل نے تم کو بخش دیا۔ رواہ الامام احمد باسناد حسن والطبرانی وغیرھما

یہ خاص توجہ لینے اور دینے کا جزئیہ ہے ورنہ لاالہ الا اللہ کی تعلیم کو تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام جہان کی طرف بھیجے گئے۔ پھر اس پوچھنے کے کیا معنی تھے کہ ھل فیکم غریب تم میں کوئی اجنبی تو نہیں؟ پس اس پوچھنے ہی پر بس نہ فرمایا بلکہ دروازہ بند کرنے کا حکم دیا کہ غیر کا دخل نہ ہو؟ تو معلوم ہوا کہ یہ کوئی خاص تلقین لا الہ الا اللہ تھی جس میں خاص ہی خاص حضرات کا حصہ ہے۔ اور یہ وہی توجہ ہے کہ مشائخ کرام اپنے مریدین کو دیتے ہیں۔ وللہ الحمد واللہ تعالیٰ اعلم۔" (ایضاً ص ۳۱۲، ۳۱۳)

حضرت کے اس استدلال نے یہ معاملہ بھی طے فرمادیا کہ حضرات صوفیہ کے معمولات، کتاب وسنت کے اسرار باطنی سے ماخوذ ہیں، یونانیوں اور ویدوں کی تعلیمات کا ملغوبہ نہیں۔

بیعت کی شرائط بیان کرتے ہوئے خالص صوفیانہ طرز کا جواب سپرد قلم کرتے ہیں:

"پیر میں تین باتوں کا ہونا ضروری ہے۔

اول یہ کہ وہ صاحب اجازت، خلیفہ اپنے شیخ کا ہو اور وہ اپنے شیخ کا وعلیٰ ھذا القیاس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک سلسلہ اس کا مسلسل ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ مسائل شرعیہ ضروریہ سے واقف اور اس کا عامل ہو اور

ادائے حقوق شرع میں قاصر و متہاون نہ ہو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ عقیدۂ اہل سنت والجماعت ہو، بدمذہب نہ ہو۔ جاہل سے بیعت درست نہیں کہ ؎ بے علم نتواں خدارا شناخت

جو شخص خود خدا کو نہیں پہچانتا دوسرے کو کیا پہچنوائے گا

او خویشتن گم ست کرا رہبری کند۔ مشہور مقولہ ہے "جاہل پیر شیطان کا ٹٹو ہے"

ابریز میں ہے: اذا لم یکن علم لدیہ بظاھر ولا باطن فاضرب بہ لجج البحرقال الشیخ رضی اللہ عنہ مرادہ بعلم الظاھر علم الفقہ والتوحید ای القدر الواجب منھما علیٰ المکلف و مرادہ بعلم الباطن معرفۃ اللہ تعالیٰ۔

مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ پیر کے لئے ضروری ہے کہ کسی مدرسہ سے دستار فضیلت پائے ہوئے ہو بلکہ اس کو علم باللہ اور علم باحکام اللہ ہو۔ مسائل اعتقادیہ وعملیہ فقہ وقلبیہ تصوف سے بے بہرہ و بے علم نہ ہو۔ حضرات سادات کرام کی فضیلت سید ہونے کی وجہ سے سر اور آنکھوں پر ہے۔ مگر یہاں نسبی بزرگی کی ضرورت نہیں بلکہ مرید ایسے شخص سے ہونا چاہئے جس کے متعلق اس کا یہ اعتقاد ہو کہ اس زمانہ میں تمام لوگوں سے تربیت مرید کے لئے اعلیٰ وافضل ہے، ورنہ اس کو بیعت نہ کرنی چاہئے۔

ابریز فی علم سیدنا عبدالعزیز میں ہے:

لا تقدمن قبل اعتقادك انہ مربّ ولا اولی بھا منہ فی العصر (ای) ولا تقدمن علی شیخ بقصد الدخول فی صحبتہ حتٰی تعتقد انہ من اھل التربیۃ وانہ لا احق منہ بھا فی زمنہ۔

"یعنی مرید ہونے کے لئے کسی کی خدمت میں اقدام نہ کرو اور اس کی صحبت میں داخل ہونے کا ارادہ نہ کرو جب تک یہ اعتقاد نہ کرلو کہ یہ شخص تربیت کا اہل ہے اور اس زمانہ میں اس سے زیادہ کوئی شخص اس کام کے قابل نہیں"۔

تو اگر کسی غیر سید کے ساتھ اس کو اس طرح وابستگی ہے تو اسی کے ہاتھ پر مرید ہونا چاہئے اور سید صاحب کے ساتھ ہے تو اس کے ہاتھ پر ہو۔ غرض یہ معاملہ معشوق بنانے کا ہے۔ کسی عاشق سے پوچھئے کہ سید پر عاشق ہونا چاہئے یا غیر سید پر؟ جو جواب اس کا ہے، وہی جواب اس کا سمجھئے۔

ہمہ شہر پر ز خوباں، منم وخیال ماہے　　　　　چہ کنم کہ چشم بد خونہ کند بکس نگاہے
(فتاویٰ ملک العلما، ص ۳۱۹-۳۲۰)

تنقید :

حضرت ملک العلما کو نقد ونظر کی بھی ایک خاص قسم کی استعداد عطا کی گئی تھی۔ آپ حریف کو اسی کے ہتھیار سے زیر کرنے کے قائل تھے۔ اس طرز کی تحریریں آپ کے مناظراتی رسائل میں خاص طور سے ملتی ہیں۔ زیر نظر مجموعۂ فتاویٰ میں بھی بہت سارے تنقیدی جوابات ملتے ہیں جن میں طرز انشا کی خوشگوار تیکھی تنقید اور دلچسپ ہجو ملیح کے نمونے بھی دیکھنے کو مل جاتے ہیں۔ میں یہاں آپ کے ایک مفصل فتوے کے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں۔

فاتحہ کے جواز اور عدم جواز کے سلسلے میں تحریری معرکہ آرائی چل رہی تھی۔ نقد و نظر کے لئے فریقین کی تحریریں استفتا کی صورت میں ملک العلما کے حضور پیش کی گئیں۔ آپ نے ان تحریروں کا بڑا فاضلانہ محاسبہ کیا اور تنقید کا حق ادا کر دیا۔ یہ پورا فتویٰ بارہ صفحات پر پھیلا ہوا ہے (دیکھئے ص ۴۵۴ تا ۴۶۳)۔ میں اس کے چند دلچسپ اقتباس پیش کرتا ہوں جو ہیں تو قدرے طویل لیکن افادیت سے لبریز ہیں۔ آپ رقم طراز ہیں :

''علمائے اہل سنت کی تصریحات کے تو دریا امڈ رہے ہیں۔ کہاں تک کوئی لکھے۔ اب دو فتویٰ وہابیہ حال کے معتمد الکل فی الکل مولوی رشید احمد گنگوہی کے فتاویٰ رشیدیہ سے نقل کیا جاتا ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوگا کہ ان لوگوں کے نزدیک بھی اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ اگر چہ وہ وسعتِ علم وفسحتِ ذکاء وفہم سے اپنی تحریر کو بھی نہ سمجھیں اور اصل اشیاء میں اباحت ہونے کو پرانا مغالطہ اور دھوکے کی ٹٹی کہتے جائیں۔

چوتیسویں سوال ''رنگین کپڑے پہننا، نیلا تہبند باندھنا، موٹی تسبیح رکھنا، بال سر کے بڑھانا اس خیال سے کہ اگلے پیشواؤں کا معمول ہے تو اس میں بھی کوئی قباحت ہے یا نہیں؟'' کے جواب میں ہے ''ان مباحات میں کوئی معصیت نہیں۔ بری نیت سے برا، بھلی نیت سے بھلا ہے۔ فقط''۔ یہ جواب پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ جب تو بے کھٹکے بول اٹھے کہ کوئی معصیت نہیں۔ مولوی اصغر حسین صاحب

دیوبندی کی طرح (جیسے انہوں نے فاتحہ کے لئے کہا) یہ نہ کہا کہ ''فقہ کی کتاب میں ان ہیئات کا کہیں نام ونشان نہیں۔ لہٰذا امام ابوحنیفہ کے نزدیک بے اصل ہے''۔ نہ محشی صاحب کی طرح یہ کہا کہ ''بہت سے حنفیہ کا یہ قول ہے کہ اصل اشیاء میں حظر یعنی ممانعت ہے۔ تو جب تک اس کا جواز ادلۂ فقہیہ سے نہ ثابت ہو ممنوع وناجائز رہے گا''۔ نہ مجتہد صاحب کی طرح یہ کہا کہ ''اصل اشیاء میں اباحت پرانا مغالطہ ہے اور اگر بالفرض مان بھی لیں، یہ تمام اشیاء بانفراد ہا جائز ہیں تو جو امور بانفرادہا جائز ہوں ان کو مجموعہ کرکے یہ ہیئت بنالینا، دھوکے کی ٹٹی ہے''۔ نہ ٹکے کی پانچ والی دو ورقی کے مشتہر کی طرح یہ لکھا کہ ''یہ فعل حضرت اور ان کے صحابہ اور تابعین اور ائمۂ مجتہدین سے منقول نہیں (ص ۳ س ۲۶) اور جو غیر منقول ہو اور حضرت کی تعلیم سے زیادہ ہو، بدعت جانیں۔ (ص ا س ۱۱) نہ یہ کہا کہ ''یہ ہیئت کسی کتاب میں منقول نہیں تو جب تک ان ہیئات کا منقول ہونا یا اس کو کسی مجتہد کا نیک گمان کرنا ثابت نہ کریں گے، تب تک یہ ہیئات بدعتِ سیئہ رہیں گے اور جو برائی بدعتیوں کی اوپر قریب ہی بیان ہوئی یعنی جس نے اس کی توقیر کی گویا اس نے مدد کی اسلام کے ڈھانے پر یا ایسے شخص اور جو اسے جگہ دے، اس پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور آدمیوں کی، سب کی اور قبول نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کے نفل اور نہ فرض وغیرہ ذلک من الاحکام، وہ سب اس ہیئت والے پر ثابت ہوگی'' ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم''۔

رہا محشی روداد اور ''صاحبِ فاتحہ مروجہ کا فیصلہ'' کا عبارتِ درمختار سے دھوکا کھانا اور اصل اشیاء میں توقف بتانا، اباحت کو رائے معتزلہ کہنا، اصل اشیاء میں اباحت کے قائل کو معتزلیت کا مقر بتانا محض ''بادرہوا'' اور ''رودرقفا'' اور بناء فاسد علی الفاسد ہے۔ جس کا کشف بعونہٖ عزوجل فقیر نے اپنے رسالہ ''مواہب ارواح القدس'' میں بروجہ تام ومالا کلام کردیا ہے فلتطالع۔ صاحب ''دافع التلبیسات'' نے اسی مضمون کے متعلق زیرِ قول دوم وسوم، صادق مجیب تحریر محمد عبدالرحیم کو لکھا: ''ناقل کی اعلیٰ درجہ کی حماقت وجہالت ظاہر ہوتی ہے۔ بندہ خدا عبارت کا ترجمہ بھی نہ سمجھا، حق تحریف خوب ادا کیا وغیر ذلک''۔

راقم الحروف ان پاکیزہ الفاظ کے جواب میں صرف المرء یقیس علی نفسہ کی شہرت پر اکتفا کرکے اس بات کا جواب دینا مناسب جانتا ہے کہ فرماتے ہیں: الاصل فی الاشیاء الاباحۃ حنفیہ کا متفق علیہ قاعدہ نہیں الخ، عقلمند عالم! عبارت سمجھنے والے! تحریر

میں یہ رقم ہے کہ جمہور حنفیہ کا مختار یہ ہے۔ اس میں کیا حماقت و جہالت ہوئی؟ عبارتِ تحریر ابن ہمام والی یہ ہے "المختار الاباحة عند جمهور الحنفية والشافعية" اس عبارت کا ترجمہ آپ کے نزدیک کیا ہے؟ تو مجیب یہ سمجھا سکے۔ انصاف سے کہئے! یہ تینوں گرامی اوصاف آپ کے ہوئے یا مجیب کے؟ ع چھائی جاتی ہے یہ دیکھو تو سراپا کس پر

مزید آگے لکھتے ہیں:

مصباح الضحیٰ میں لکھا کہ "معانقہ غیر قدوم سفر کا باجماع حنفیہ و شافعیہ کے مکروہ ہے"۔ حالانکہ ان کے اقراری امام، محقق و فقیہ و محدث جلیل شیخ محقق قدس سرہٗ شرح سفر السعادۃ میں فرماتے ہیں: "فقہاء را در جواز معانقہ و کراہتِ آں اختلافے و تفصیلے ست و صحیح جوازِ اوست اگر چہ در غیر قدوم سفر نیز باشد"۔ نہ معلوم ڈپٹی صاحب کے نزدیک اجماع کس چڑیا کا نام ہے؟ اعظم گڑھی صاحب! تحریف اسے کہتے ہیں مصنف کچھ فرمائے، آپ کچھ اس کے سر تھوپ رہے ہیں۔ تحریف اسے کہتے ہیں کہ صرف اپنے مطلب کے دو لفظ لے لئے، باقی سے آنکھیں میچ لیں۔ تحریف اسے کہتے ہیں کہ دعویٰ بے دلیل کر دیا، جو منھ میں آیا کہہ بیٹھے۔ دیکھئے اعظم گڑھی صاحب! تحریف اسے کہتے ہیں جو مولوی بشیر قنوجی نے کی۔ "تفہیم المسائل" ص ۲۷ پر انکارِ استمداد کے لئے "مطالب المومنین" سے نقل کیا "یکرہ الانتفاع بالقبر" اور اس کا مطلب یہ لکھا کہ "قبور سے مدد مانگنا جائز نہیں"۔ حالانکہ اصل عبارت اس کی یہ ہے: "یکرہ التمتع بالمقبرة وان لم یبق آثاره" قبرستان سے فائدہ لینا مکروہ ہے اگر چہ اس کے آثار باقی نہ رہیں۔

آپ کے اتنا بھی عربی پڑھا سمجھ سکتا ہے کہ یہاں زمین مقبرہ سے تمتع اور اسے اپنے تصرف میں لانے کا ذکر ہے۔ اسی لئے "اگر چہ" کہہ کر ترقی کرتے ہیں کہ قبر کا نشان نہ رہنے کے بعد جوازِ انتفاع کا گمان ہو، لہذا تصریح کر دی کہ گو اثر نہ رہے تاہم انتفاع روا نہیں۔ قنوجی صاحب! وہ لفظ جو بالکل ان کے خلاف مطلب بلکہ صریح رد تھا، اڑا گئے اور براہِ دانشمندی مقبرہ کو قبر بنا لیا؟ کہئے یہ تحریف ہوئی یا نہیں؟ کہو ہوئی!"

(فتاویٰ ملک العلما، ص ۴۵۶ تا ۴۶۲)

ایسی ہی ظریفانہ اور شستہ نثر سے آپ کی ساری تنقیدی تحریریں آراستہ و پیراستہ نظر آتی ہیں۔

ملک العلما کی ایک تصنیف
''اسلامی نظریۂ موت''

حضرت ملک العلما (ولادت ۱۰ر محرم الحرام ۱۳۰۳ھ/ ۱۹ر اکتوبر ۱۸۸۰ء) امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے منظور نگاہ تلمیذ اور پروردہ خاص تھے۔

قصبہ میجرہ سے یہ نور بداماں ذرہ اٹھا اور موضع بین، پٹنہ، کانپور، پیلی بھیت ہوتا ہوا بریلی شریف آفتاب فضل وکمال امام احمد رضا کی بارگاہ میں پہنچا اور پھر وہیں کا ہو کر رہ گیا۔ تحصیل علم کے بعد پچپن سال تک امتیازی شان سے مسلسل تدریسی خدمات انجام دیں اور نادرۂ روزگار افراد پیدا کئے۔ مادر علمی منظر اسلام بریلی شریف، مدرسہ حنفیہ آرہ، خانقاہ کبیریہ شہسرام، مدرسہ شمس الھدیٰ پٹنہ اور جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار میں صدارت علمی کی شہ نشین پر متمکن رہے۔ ان مقامات کے علاوہ اپنے مرشد ومربی کے ارشاد پر شملہ بھی تشریف لئے گئے۔ انجمن نعمانیہ لاہور میں بھی آپ کی طلب تھی جس کے جواب میں امام احمد رضا اس انجمن کے ناظم تاج الدین احمد صاحب کو یہ مکتوب گرامی تحریر فرمایا جو ص ۱۹۰ پر گزر چکا ہے۔

تدریسی مصروفیت کے ساتھ ساتھ افتا، تصنیف، خطابت، امامت اور مناظرہ کا سلسلہ بھی چلتا رہا۔ اس طور سے آپ کی پوری زندگی متنوع دینی خدمات سے لبریز رہی۔

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے
اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں (امام احمد رضا)

امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنے طویل قصیدہ ''الاستمداد'' میں جہاں اپنے خصوصی احباب خلفا اور تلامذہ کا ذکر کیا ہے وہاں خلف اکبر حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں اور عید الاسلام مولانا عبد السلام جبلپوری کے بعد آپ نے اپنے اسی ''ولد عزیز'' حضرت ملک العلما کا تذکرہ فرمایا ہے جسے کبھی ''حبیبی و ولدی وقرۃ عینی'' سے یاد فرماتے تو کبھی ''ولدی الاعز حامی السنن ماحی الفتن'' لکھتے اور کبھی ''جان پدر بلکہ از جان بہتر'' سے خطاب فرماتے۔

حضرت ملک العلما اپنے اسی شفیق مربی، محسن استاذ اور ہادی مرشد کے سب سے

زیادہ منت کش رہے۔ ۱۳۲۱ھ میں بارگاہ رضا میں رسائی ہوئی۔ اپنے اصرار اور پر شوق آرزو سے ۱۳۲۲ھ میں دار العلوم منظر اسلام کی امام احمد رضا کے مبارک ہاتھوں تاسیس کرائی اور امام احمد رضا کے فیضان سے عالم اسلام کو فیض یاب ہونے کا زریں موقع عطا کیا۔ متعدد علوم خصوصاً حدیث، فقہ، اصول، تصوف، ہیئت، توقیت، ریاضی، جفر، تکسیر کا امام احمد رضا سے درس لیا اور افتا کی تربیت بھی حاصل کی۔ امام احمد رضا قدس سرہ کی سنتوں بھری نورانی پر کیف زندگی اور مستفقانہ طرز تربیت آپ کو اتنا بھا گیا کہ ایک سال بعد ہی ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے پھر تا زندگی اس عظیم مربی ومحسن کے گن گاتے رہے، ان کے انداز تربیت کا فیض تقسیم کرتے رہے، ان کے عشق رسول کی برکتیں بانٹتے رہے، ان کے چھوڑے ہوئے مشن کو آگے بڑھاتے رہے۔

سب سے پہلے امام احمد رضا کی مفصل سوانح ''حیات اعلی حضرت'' کے نام سے چار جلدوں میں آپ ہی کے قلم سے وجود میں آئی۔ اعلی حضرت کے رسائل کی سب سے پہلی فہرست ''المجمل المعدد لتالیفات المجدد'' کے نام سے آپ نے مرتب فرمائی۔ اعلی حضرت کے وصال کے بعد حضرت مفتی اعظم کے اصرار پر غالباً ۱۹۴۴ء میں ملک العلما بریلی شریف تشریف لے گئے اور تین مہینہ شب وروز کی جانفشانی کے بعد درجنوں سے زائد رسائل رضویہ کے منتشر مسودات ترتیب دیئے، اپنے قلم سے ان کے مبیضے تیار کیے پھر کئی رسائل کی اپنی نگرانی میں کتابت کرائی۔

امام احمد رضا نے بھی اپنے اس جاں نثار کو خوب نوازا۔ فراغت کے سال ۱۳۲۵ھ ہی میں اپنی سند قرآن حدیث وفقہ، قرات کے ساتھ جملہ سلاسل بیعت کی اجازت اپنے قلم خاص سے تحریر فرما کر عطا کی۔ درسیات کی تکمیل کے بعد اپنے ہی سایہ کرم میں جگہ عنایت فرمائی، ''ملک العلما'' اور ''فاضل بہار'' کا شاندار لقب عطا فرمایا، ہر مشکل میں دستگیری کی، ہر موڑ پر رہنمائی کی، ہر شفقت سے نوازا۔ ملک العلما جب اپنی تصانیف بغرض اصلاح اعلی حضرت قدس سرہ کی بارگاہ میں بھیجتے تو بے پناہ مصروفیات اور ضعف وعلالت کے باوجود بھر پور توجہ کے ساتھ اعلی حضرت اسے ملاحظہ کرتے، اپنی گرانقدر اصلاحات سے نوازتے۔ مختصر یہ کہ حضرت ملک العلما اپنے مشفق مربی کے فیضان کرم سے ہمہ دم سرفراز رہے۔

حضرت ملک العلما جید عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے بااوقات مخلص

تھے۔ ضعیفی میں بھی رات گئے تک تصنیف وتالیف اور مطالعہ میں مصروف رہتے۔ اسی توجہ اور انہماک کا اثر تھا کہ درس وافتا، وعظ وتذکیر، درس قرآن، امامت وبیعت، اسفار کی کثرت جیسے اہم مشاغل کے باوجود آپ سے ستر سے زائد تصانیف یادگار ہیں۔ تصنیف و تالیف کا یہ سلسلہ آپ کی شب رحلت (دوشنبہ ۱۹ر جمادی الاخری/ ۱۸ر نومبر ۱۹۶۲ء) تک جاری رہا۔

☆سرور القلب المحزون فی الصبر عن نور العیون:

زندگی کیا ہے، عناصر میں ظہور ترکیب
موت کیا ہے، انہیں اجزا کا پریشاں ہونا

اس رسالہ میں حضرت ملک العلما نے موت کی چشم کشا اسلامی حقیقت اور دنیا کی بے ثبات رنگینیوں کے آلام روزگار کے ساتھ تصادم کا جواثر خیز نقشہ کھینچا ہے وہ موت کی غیر مرئی حقیقت کو تھوڑی دیر کے وساطے پیکر محسوس میں لا کھڑا کرتا ہے۔

حضرت ملک العلما ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۶ء میں شہسرام مدرسہ خانقاہ کبیریہ میں صدر مدرس کی حیثیت سے تشریف لے گئے جہاں ۱۳۳۹ھ تک آپ کا قیام رہا۔ حضرت نے حسب سابق دیگر دینی اور علمی مشاغل کی طرح تصنیف وتالیف کا سلسلہ یہاں بھی جاری رکھا۔ تقریباً چھ سالہ قیام کی اس مختصر مدت میں۔ ۱۔ گنجینۂ مناظرہ۔ ۲۔ کشف الستور عن مناظرۃ رامپور۔ ۳۔ موذن الاوقات۔ ۴۔ بدر السلام لمیقات کل الصلوۃ والصیام۔ ۵۔ عافیہ۔ ۶۔ وافیہ۔ ۷۔ تقریب۔ ۸۔ تذہیب۔ ۹۔ القصر المبنی علی بناء المغنی۔ ۱۰۔ نظم المبانی فی حروف المعانی۔ ۱۱۔ تحفۃ الاحباب فی فتح الکوۃ والباب۔ ۱۲۔ تحفۃ الاحبار فی احوال الاخیار۔ ۱۳۔ الاکسیر فی علم التکسیر اور۔ ۱۴۔ سرور القلب المحزون فی الصبر عن نور العیون جیسی گرانقدر تصانیف آپ کے قلم سے وجود میں آئیں بلکہ صحیح البہاری المعروف بہ جامع الرضوی کی تصنیفی ابتدا بھی شہسرام ہی میں ہوئی۔

پیش نظر کتاب "سرور القلب المحزون" ایک المناک حادثہ کی یادگار ہے۔ مصنف علیہ الرحمہ اس سلسہ میں خود کتاب کے آغاز میں رقم طراز ہیں:

"جب ۲۹ر ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ روز یکشنبہ مطابق ۱۵ر اگست ۱۹۲۰ء کو میری چھوٹی لڑکی، ولیہ خاتون بعمر ۵ر سال ۳ر ماہ ۴ر یوم بعارضہ فصلی ۱۱ر گھنٹے کی علالت میں اس

دنیا کو خیر آباد کہہ کر اپنے حقیقی مکان کو سدھاری تو اس کی جدائی کا ہمارے دل پر سخت صدمہ ہوا اور زمانہ تک اس کی گوری صورت، اس کی پیاری باتیں یاد آ آ کر دل کو بے چین اور پریشان کرتی رہیں۔ میں اگرچہ طرح طرح سے اپنے دل کو سمجھاتا مگر اس کا صدمہ کبھی کم نہ ہوتا تھا۔ ایک دن مجھے خیال ہوا کہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب مستطاب ”شرح الصدور بشرح حال الموتی و القبور“ دیکھنا چاہیے۔ اس میں ایسی حدیثیں اور واقعات ضرور درج ہوں گے جس سے دل غمگین کو صبر اور تسلی ہو۔ چنانچہ میں نے اس کا مطالعہ شروع کیا، اس کتاب کی برکت سے میرا غم نصف دور ہو گیا۔ اس لئے محض رفاہ عام کے لئے اس کی ان احادیث کا ترجمہ جن سے غمگین دل کو صبر اور تسلی ہو، میں نے لکھ کر اس کا نام سرور القلب المحزون فی الصبر عن نور العیون رکھا۔“

اس کتاب میں بیشتر روایات و واقعات امام جلال الدین سیوطی قدس سرہ کی تصنیف ”شرح الصدور“ کے حوالے سے ذکر ہیں۔ مصنف علیہ الرحمہ نے اپنے مطالعہ میں آنے والی مزید دیگر کتابوں کے افادات بھی پیش کیے ہیں پھر اخیر میں بعض احباب کی خواہش پر چند سال کے بعد تکفین و تدفین سے متعلق فقہی احکام و مسائل کا بھی اضافہ فرمایا۔ اس طور سے دلوں کو نرم اور بارگاہ کریم کی جانب متوجہ کرنے والی یہ کتاب جہاں حضرت مصنف کی علمی اور دینی یادگار ہے، وہیں اپنے داخلی جذب و اثر اور عمدہ طرز تعبیر کی اثر انگیز خوبیاں بھی رکھتی ہے۔ یہ اس قابل ہے کہ ہر نگاہ مومن اس کا مطالعہ کرے اور ہر دینی گھر اس کی برکتوں سے مستفید ہو۔

راقم ارشاد احمد رضوی ۱۹۹۹ء میں مقالات شارح بخاری کی ترتیب کے دوران مختلف لائبریریوں کو دیکھ رہا تھا۔ اسی دوران مادر علمی دار العلوم خیریہ نظامیہ شہسرام کے نظامی دار المطالعہ میں ماہنامہ المیزان کچھوچھہ شریف کی فائل نظر سے گزری۔ اس میں یہ پوری کتاب قسطوں میں چھپی دیکھی۔ بارگاہ رضا کی غلامانہ نسبت کی وجہ سے اس دربار سے وابستہ ہر ذرے سے راقم کو والہانہ انسیت ہے، حضرت ملک العلما تو اعلیٰ حضرت کے اعزار شدرو حانی چشم و چراغ ٹھہرے، پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ صرف نظر کرتے ہوئے گذر جاتا۔ شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کے کچھ مقالات کے ساتھ ساتھ ان تمام قسطوں کی زیراکس بھی اپنے ساتھ مبارک پور لیتا آیا۔ ارادہ تھا کہ کبھی اسے

ترتیب دے کر شائع کروں گا۔

حسن اتفاق کہ گرامی قدر مولانا انور علی نظامی مصباحی زید مجدہم فقہی سیمنار میں شرکت کی غرض سے اشرفیہ تشریف لائے۔ ان سے گفتگو کے دوران اس کتاب کا تذکرہ بھی نکل آیا۔ انہوں نے ازخود فوراً اپنے اشاعتی مکتبہ المجمع العلمی ہزاریباغ کے زیر اہتمام اس کی اشاعت وطباعت کی پیش کش کر دی اور تصحیح ومقابلہ اور پروف ریڈنگ وغیرہ کے معاملات میرے سپرد کیے۔ ان کی پیش کش سے راقم کو حوصلہ ہوا۔ اب ساری قسطوں کو بغور پڑھنا شروع کیا۔ بعض قسطوں میں بے ترتیبی اور بے ربطی محسوس ہوئی، دوسری الجھن یہ ہوئی کہ المیزان کے ہر صفحہ پر سن اور مہینہ کی طباعت کا اہتمام نہ تھا صرف پہلے صفحہ پر اس کا ذکر تھا۔ عجلت میں ہر قسط پر لکھ نہ سکا کہ یہ کس سن اور کس کے ماہ کے شمارے میں شائع ہوئی، اس لئے قسطوں کی ترتیب بھی مبہم تھی۔ میں اس کی باضابطہ ترتیب کے لئے کچھوچھہ شریف گیا۔ حسن اتفاق کہ احمد اشرف ہال کی مختار اشرف لائبریری میں المیزان کی مطلوبہ فائل منتشر حالت میں مل گئی۔ میں نے ذرا سی محنت کے بعد اپنے مطلوبہ شمارے نکال لئے۔ ان سے قسطوں کی ترتیب بھی ہوگی اور ایک قسط کی زیراکس رہ گئی تھی، وہ بھی حاصل کر لی۔ اس طور سے پوری کتاب حاصل ہوگئی۔

اپریل ۲۰۰۰ء کے اواخر میں اپنی بعض علمی ضروریات کے لئے علی گڑھ کا سفر ہوا، جہاں حضرت ملک العلما کے صاحبزادے ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب رہتے ہیں۔ یہ مکمل قسطیں بھی اپنے ساتھ لیتا گیا۔ سوچا کہ ان کے سامنے پیش کر دوں، ہوسکتا ہے وہ کچھ مفید راہنمائی فرمائیں جبکہ خود ڈاکٹر صاحب بھی ان قسطوں کے متلاشی تھے اور اس سلسلہ میں راقم کو خط بھی لکھ چکے تھے۔ اسے محض تائید ایزدی ہی کہا جائے گا کہ جب ڈاکٹر صاحب نے قسطیں ملاحظہ کیں تو جہاں مفید مشوروں سے نوازا، وہیں اس کے دو خطی نسخے بھی اپنے ذخیرۂ کتب سے نکال کر دیئے۔ میرے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ اس کا مخطوطہ بھی ہاتھ آ جائے گا۔ اس کرم فرمائی پر میں نے ڈاکٹر صاحب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا۔

ان مخطوطوں میں پہلا نسخہ خود حضرت ملک العلما قدس سرہ کے دست مبارک کا تحریر کردہ ہے، دوسرا ان کے کسی نیاز مند شاگرد کا۔ دونوں سے میں نے زیراکس کا مقابلہ کیا۔ بہت سی کمیاں پوری ہوئیں، خامیوں کی اصلاح ہوئی، بعض اقتباسات رہ گئے تھے ان

کا اضافہ ہوا۔ ان مراحل سے گزر کر یہ مبارک کتاب اب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اس مبارک تصنیف کو عصر حاضر کے ذوق مطالعہ سے قریب کرنے کی خاطر راقم نے حسب ذیل تصرفات بھی کئے ہیں:

☆ دونوں نسخے طرز قدیم کے مطابق مسلسل لکھے ہوئے تھے، راقم نے اپنی صواب دید کے مطابق اس کی پیراگرافنگ کی۔

☆ ایسے الفاظ جن کا رسم الخط اب متروک ہو چکا ہے، اسے عصری اسلوب میں لکھوایا مثلاً اوس کو اس، اون کو ان، ملکر کو مل کر وغیرہ۔

☆ صحابہ کرام کے اسمائے گرامی کے ساتھ ''رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' اور دیگر صلحائے امت کے اسما کے ساتھ علیہ الرحمہ، قدس سرہ کا التزام رکھا۔ حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے بھی خطی نسخہ میں اکثر مقامات پر اس کا اہتمام فرمایا ہے گو قسط وار اشاعت میں اس کا التزام نہیں۔

☆ یہ اس کتاب کی تیسری اشاعت ہے۔ پہلی اشاعت ماہنامہ المیزان کچھوچھ شریف کے ستمبر ۱۹۷۲ تا مئی ۱۹۷۳ء کے شماروں میں آٹھ قسطوں میں مکمل ہوئی۔

ادارہ المیزان اس کی تقریب اشاعت میں لکھتا ہے:

''مولانا سید محمد مدنی اشرفی جیلانی اپنے دورہ تبلیغ کے سلسلے میں شہر پٹنہ (بہار) پہونچے تو انہیں معلوم ہوا کہ حضرت ملک العلما مولانا محمد ظفر الدین صاحب رضوی رحمتہ اللہ علیہ کی ایک غیر مطبوعہ نادر تالیف ہے جس کا نام ''سرور القلب المحزون فی الصبر عن نور العیون'' ہے۔ مولانا مدنی نے مذکورہ کتاب کی اشاعت و بقا کے لئے حضرت ملک العلما کی صاحبزادی اور ان کے داماد جناب محی الدین صاحب دونوں کو پیغام بھیجا اور یہ بات طے پا گئی کہ اس کی اشاعت ماہنامہ المیزان میں بالاقساط ہوتی رہے گی۔ ادارہ المیزان جناب محی الدین صاحب کا ممنون کرم ہے کہ انہوں نے ہمیں اشاعت کی اجازت بھی مرحمت کی اور کتاب کا اصل نسخہ بھی...... ہم نے زمانہ کی موجودہ علمی پر آشوبی کے پیش نظر اس کتاب کا نام ''اسلامی نظریہ موت'' تجویز کیا ہے، تاکہ عام سطح کے لوگ بھی معنوی طور پر اس سے بہرہ مند ہو سکیں''۔

(ماہنامہ المیزان، کچھوچھ شریف، ستمبر ۱۹۷۲ء، ص ۵۰، ۵۱)

یہ رسالہ دوسری بار ۱۴۰۳ھ میں پٹنہ سے کتابی شکل میں شائع ہوا۔ ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب لکھتے ہیں:

"سرور القلب المحزون فی الصبر عن نور العیون" علامہ جلال الدین سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) کی "شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور" کا اردو زبان میں ترجمہ جو اواخر ۱۳۳۸ھ میں تمام ہوا۔ رجب ۱۳۴۶ھ میں مصنف کے دوستوں مولوی نعیم الحق ساکن منیر شریف ضلع پٹنہ اور حکیم محمد ہاشم کی فرمائش پر چند ضروری مسائل کا بطور تتمہ اضافہ کیا گیا۔ تاریخ تکمیل ۲۵ رجب المرجب ۱۳۴۶ھ صفحات ۹۷ بخط مصنف محفوظ دوسرا نسخہ مع اضافہ، صفحات ۱۱۱ بھی کتب خانے میں محفوظ ہے۔

یہ رسالہ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کے بعد ان کے جاں نثار معتقد و مسترشد حافظ عبدالحفیظ اشرفی صاحب صدر مدرس ادارہ شرعیہ پٹنہ نے ربیع الاول شریف ۱۴۰۳ھ میں پٹنہ سے شائع کر دیا ہے۔ لیکن وجہ تالیف و ترجمہ پر مشتمل اوراق جو ضروری تھے، حذف کر دیئے گئے ہیں"۔ (حیات ملک العلما، ص ۲۴، ۲۵)

ادارۂ المیز ان کا تجویز کردہ نام عصر حاضر کے مطابق ہے اور موضوع پر بھر پور روشنی بھی ڈالتا ہے، اس لئے راقم بھی اسی کو برقرار رکھتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے روایات کے حوالوں کی تخریج کا بھی مشورہ دیا تھا لیکن اسے دو وجہ سے دانستہ چھوڑ دیا گیا۔ اولاً یہ کام کافی محنت طلب تھا اور عام قاری کے مطلب کا بھی نہیں۔ ثانیاً اس کی اکثر مرویات اپنے حوالوں کے ساتھ شرح الصدور کے عربی نسخہ میں موجود ہیں۔ اہل ذوق اس سے رجوع کر سکتے ہیں۔

کتاب کی افادیت اور اہمیت تبصرہ سے بالاتر ہے۔ قاری زبان و بیان، حسن ترتیب اور ذوق انتخاب کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اخیر میں مسائل میت کا اضافہ بھی خوب ہے۔ اس سے کتاب کی افادیت دو چند ہو جاتی ہے۔ اب یہ صرف تذکیری کتاب نہیں رہ جاتی بلکہ دلوں میں لرزش اور آخرت کی تڑپ پیدا کرنے والی روایات اور اہم ترین گرانقدر مسائل کے خوبصورت گلدستے کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ مولا تعالیٰ اس کے افادات عام فرمائے۔ مرتب کے لئے مصنف علیہ الرحمہ کے فیوض و برکات کی توجہ کا ذریعہ بنائے اور المجمع العلمی کے جملہ اراکین کو جزائے خیر سے نوازے آمین بجاہ النبی الامین علیہ اکرم الصلوٰۃ وافضل التسلیم!

☆☆☆

پروفیسر مختار الدین احمد - ایک باذوق ادیب

پروفیسر مختار الدین احمد ایک محقق ادیب کی حیثیت سے بین الاقوامی شہرت رکھتے ہیں۔ ملک العلما کے یہ نامور صاحبزادے ۱۳۳۶ھ میں شہسرام میں پیدا ہوئے، اس وقت ملک العلما خانقاہ کبیریہ شہسرام کے مدرس اول تھے۔ ان کی والدہ ماجدہ صابرہ اور زاہدہ خاتون تھیں۔ جب یہ چار سال کے ہوئے تو دیندار بزرگ حافظ شرف الدین احمد نے آپ کی بسملہ خوانی کی رسم ادا کی۔ ابتدائی تعلیم والدہ ماجدہ سے حاصل کی اور قرآن حکیم کے چند پارے اپنے نانا منشی محمد واعظ الحق سے پڑھے پھر مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ چلے آئے جہاں ملک العلما کے زیر سایہ وہاں کے اساتذہ سے فضیلت تک کی کتابیں پڑھیں۔ فاضل دینیات کے امتحان میں وہ بہار اڑیسہ کے طلبہ میں اول آئے اور فاضل حدیث کے امتحان میں بہار میں اول رہے۔ اس کے اعزاز میں انہیں سر فخر الدین گولڈ میڈل اور سید عبدالعزیز گولڈ میڈل انعام میں ملے۔ یہ دونوں شخصیتیں بہار کی وزیر تعلیم تھیں۔

دینی درسگاہ کے بعد عصری دانشگاہ کا رخ کیا۔ ۱۹۴۱ء میں مسلم ہائی اسکول پٹنہ میں داخلہ لے لیا اور اچھے نمبروں سے میٹریکولیشن میں پاس ہوئے۔ ۱۹۴۳ء میں علی گڑھ آگئے اور یہیں سے انٹر، بی اے اور ایم اے عربی کیا۔ ۱۹۵۲ء میں عبدالعزیز میمنی کی نگرانی میں پی ایچ ڈی مکمل کی۔ ۱۹۵۳ء میں شعبۂ عربی میں لکچرر ہوئے۔ اسی سال انہیں شرق اوسط اور انگلستان میں ریسرچ اور اعلیٰ تعلیم کے لئے روکیفلر فاؤنڈیشن کی فیلوشپ پیش ہوئی۔ انہوں نے عراق، لبنان، مصر، ترکی، فرانس، جرمنی کے علمی سفر کئے۔ ہالینڈ میں تین چار ماہ لائیڈن یونیورسٹی لائبریری میں کام کرتے رہے۔ انگلستان اور اسکاٹ لینڈ کی شاید ہی کوئی یونیورسٹی اور لائبریری ہو، جہاں وہ اپنے علمی مقالے کے سلسلے میں معلومات جمع کرنے نہ گئے ہوں۔ آپ پروفیسر ہملٹن گب کے ممتاز شاگردوں میں ہیں۔ انہیں کی نگرانی میں کام کرکے آکسفرڈ یونیورسٹی سے ڈی فل کی ڈگری حاصل کی۔

آپ ۱۹۵۸ء میں ادارہ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ریڈر اور بعد کو

اس کے ڈائریکٹر مقرر ہوئے۔ ۱۹۶۸ء میں شعبۂ عربی کے پروفیسر اور صدر مقرر ہوئے۔ ۱۹۷۵ء میں آرٹس فیکلٹی کے ڈین بنے۔ آپ اکزیکیٹو کونسل اور مسلم یونیورسٹی کورٹ کے رکن بھی رہے ہیں۔ مجلہ علوم اسلامیہ کی تاسیس آپ ہی کا کارنامہ ہے جو بارہ سال تک آپ کی ادارت میں شائع ہوتا رہا۔ ۱۹۷۶ء میں انہوں نے ایک بین الاقوامی ادارہ المجمع العلمی الہندی کی بنیاد ڈالی جہاں سے بین الاقوامی شہرت کا ایک اعلیٰ تحقیقی رسالہ مرتب کر کے شائع کرتے رہے۔ شرق اوسط کی بیشتر علمی اکیڈمیوں نے انہیں اپنا رکن نامزد کیا، جن میں دمشق کی مجمع اللغۃ العربیہ، عمان کی مجمع اللغۃ العربیہ الاردنیہ، قاہرہ کی الجمعیۃ العالمیۃ لاحیاء التراث العربی، شرق اردن کی المجمع الملکی لبحوث الحضارۃ الاسلامیۃ اور عمان کی موسستہ آل البیت للفکر الاسلامی قابل ذکر ہیں۔ دمشق کے المجمع العلمی کے یہ چوتھے ہندوستانی مستقل رکن ہیں۔ (مختار نامہ) ۱۹۷۹ء میں صدر جمہوریہ ہند نے عربی زبان وادب میں علمی اور تحقیقی کاموں کی بدولت انہیں سرٹی فکیٹ آف آنر سے نوازا۔ آپ کی متعدد عربی کتابیں اور مضامین ہندوستان، پاکستان اور لبنان سے شائع ہو چکی ہیں۔

پروفیسر مختار الدین احمد اپنی ذات میں ایک انجمن ہیں۔ اضافی شرف کے ساتھ ذاتی خوبیوں کے بھی پیکر جمیل، خلیق، متواضع، ادب دوست، ادب آشنا، شفیق و مہربان، اہل علم کے رہنما، اہل ذوق کے دلدادہ، ہنس مکھ اور ظریف، متین اور بردبار، فہیم اور باوقار، رواں دواں دلچسپ انداز گفتگو کے مالک ایک علمی بزرگ ہیں۔ آپ کے علمی گوشوارے میں سب سے حاوی گوشہ ادب کا ہے اس لئے آپ کے تعارف کے لئے میں نے اسے ہی منتخب کیا۔

ادب اور ذوق ہمیشہ ایک دوسرے سے بغلگیر رہتے ہیں اور دونوں چیزیں پروفیسر مختار الدین احمد کا اعلامیہ کہی جا سکتی ہیں۔ علم وفن سے لے کر طرز رہائش تک ہر جگہ وہ ادب نواز اور ذوق آشنا نظر آتے ہیں۔ کتابوں اور خوبصورت چیزوں سے سجا سجا ڈرائنگ روم آپ کے باذوق، نفیس اور ادب آشنا طرز زندگی کا خوبصورت ثبوت ہے۔ طرز تحریر سے لے کر مطالعہ جاتی شغف کا ستھرا طور اور مرتب انداز زندگی تک کے سارے مناظر آپ کے اندر ایک انفرادی جمالیات کو روشن کرتے ہیں۔ آپ کی ظریفانہ ادبی گفتگو اور مین شائستہ لب ولہجہ بھی آپ کی زندگی کے اس رخ کو متعین کرتا نظر آتا ہے۔ قدرت کی انہیں وہبی

خوبیوں کی وجہ سے آپ کے سارے علمی کارنامے اسی رنگ میں ڈوبے نظر آتے ہیں۔ نثر و نظم میں سہ لسانی (اردو، عربی، انگریزی) ادبی شاہکار آپ کے جمالیاتی ذوق کی دلکش یادگار ہیں۔

پروفیسر مختار الدین احمد کے ادبی سفر کا آغاز شعر و سخن سے ہوتا ہے پھر افسانے اور ڈرامے کی رنگین دنیا نے آپ کی توجہ اپنی جانب مبذول کی اس کے بعد رفتہ رفتہ باضابطہ علمی اور تحقیقی ادب کی جانب متوجہ ہوئے۔

پروفیسر مختار الدینؒ کے ادبی جذبوں نے جب پہلے پہل شعر کے پیکر میں ڈھلنا شروع کیا تو عظیم آباد کے ادبی ماحول نے اس ذوق شعری کو اور جلا بخشی۔ مدرسہ شمس الہدیٰ کے ایک سینئر طالب علم عبدالحکیم حسرت/ارمان کی صحبت کے زیر اثر آپ کی شعر گوئی کا آغاز ہوا۔ سب سے پہلی غزل سائنس کالج کی ''بزم سخن'' میں سنائی پھر شغف بڑھتا گیا اور آپ مشاعروں کی رونق بڑھاتے رہے۔ تخلص ابتداء قیس عظیم آبادی پھر ضیا عظیم آبادی اس کے بعد آرزو کے رنگ اختیار کرتا رہا۔ علی گڑھ آنے کے بعد بھی مشق سخن جاری تھی۔ ایک دن اپنے استاد علامہ عبدالعزیز میمنی سے انہوں نے کہا کہ رات میں نے ایک غزل کہی ہے۔ میمنی صاحب نے کہا: اگر آپ یہ کہتے کہ رات میں نے ایک مضمون لکھا ہے تو مجھے زیادہ خوشی ہوتی۔ مختار صاحب کے ذہن نے اس خوشگوار تنبیہ کے مفید اثرات محسوس کئے۔ انہیں نثر کا افادی دائرہ اور مطالعہ جاتی کینوس زیادہ وسیع نظر آیا، اس لئے انہوں نے اس صنف سخن کو مکمل طور سے خیر آباد کہنے کا فیصلہ کرلیا۔ اب وہ اپنے تخلص ''آرزو'' سے بھی دستبردار ہوگئے ہیں اور ''مختار الدین احمد'' ہی ان کی شناخت ہوگئی ہے۔ لیکن شعور کے اس ابتدائی دور میں بھی آپ کی سنہری اور خوشگوار فکر نے ادب کے جو نکھرے نقش و نگار ابھارے ہیں، وہ آپ کے شعری ذوق کا ادبی رخ متعین کرنے کے لئے کافی ہیں۔ آپ کے بیشتر شعری سرمائے گردش ایام کی نذر ہوگئے لیکن مالک رام نے ''نذر مختار'' میں آپ کے حاصل شدہ کلام محفوظ کردیئے ہیں۔ میں اسی ''نذر مختار'' سے ''شعر آرزو'' کا انتخاب پیش کرتا ہوں۔

جب کیا باز نظر چشم تماشائی نے
وسعتیں اپنی بڑھادیں تری رعنائی نے

تاب نظارہ کی کرتے ہیں طلب کیوں جلوے

ساری پونجی ہی لٹا دی ہے تماشائی نے
لب ساحل ہے خود غرضوں کا میلہ میں نہ جاؤں گا
تباہی چاہتی ہے کشتی عمر رواں میری

پھول توڑے ہیں بہت باغ سے گلچیں نے مگر
فصل گل وسعت دامن کی دعا دیتی ہے

مری نگاہ کو بے امتیاز رہنے دے
حقیقتوں میں ہی پنہاں مجاز رہنے دے

مجھے ڈر ہے صدا دونوں کی آپس میں نہ ٹکرائے
ادھر ہیں شیخ کے نعرے ادھر آواز قلقل ہے

عمل کے دو چار پھینک پانسے ہو ختم بازی تو راستہ لے
کہاں ٹھہرنا، قیام کیسا، ہے سارا عالم قمار خانہ

تیری محفل ہے کہ مقتل ہے نظر بازوں کا
کوئی مجروح نظر، بسمل مژگاں کوئی

اتنی ہی مشق تصور کی بڑھی جاتی ہے
جتنا آنکھوں سے ہوا جاتا ہے پنہاں کوئی

گل رویوں سے الفت کرنی تھی، تقدیر میں رسوا ہونا تھا
ہر دل میں کھٹکنا تھا مجھ کو، ہر آنکھ میں کانٹا ہونا تھا

مجنوں کی دعا میں کم سے کم یارب اثر اتنا ہونا تھا
ہر ذرے کو محمل ہونا تھا، ہر جلوے کو لیلا ہونا تھا

تفریق حقیقت بے معنی، ہے جزو ہی کل کا آئینہ
ہر ذرے کو صحرا ہونا تھا، ہر قطرے کو دریا ہونا تھا

جلوے سے چمن کے بڑھتی ہے مجنوں نظروں کے بےباکی
جو پھول کھلے ہیں گلشن میں ان کو بس صحرا ہونا تھا

محروم نشیمن بلبل کی قسمت میں کہاں ہے جلوۂ گل
گھٹ گھٹ کے قفس میں مرنا تھا یا سوکھ کے کانٹا ہونا تھا

ان شعروں میں شاعر کی فکری لطافت، ادبی رچاؤ اور ذوقی حسن کا نکھرا نکھرا رنگ لفظ لفظ میں بسا ہوا نظر آتا ہے۔ سبک لفظوں کی تراش خراش، جلوۂ معنی کی سحر طرازی، تغزل کا بہار یہ رنگ اور عشق و سرمستی کی دھن ہر لفظ کے ساز پر بجتی سنائی دیتی ہے۔ یہ غزل تو بڑی بہار یہ رنگ اور ادبی ترنگ کی ہے:

مری بیتابیِ دل ڈھونڈ لے گی خود ہی منزل کو
تو اے سعیِ عمل، نذر سکونِ کارواں کیوں ہو

ہنسیں گر بجلیاں، ان کی خطا کیا ہے وہ بیگانہ
مرا جلتا نشیمن دیکھ کر خوش باغباں کیوں ہو

پٹک کے سر کو مر جاؤں، جبیں کو گھس کے مٹ جاؤں
مگر ہر ہر قدم پر اک فریبِ آستاں کیوں ہو

تلاشِ یار میں پائے سبک سے کام لیتا ہوں
مری وحشت خرامی دشت پر بارِ گراں کیوں ہو

تحمل کا سبق لیتا رہے انساں اگر غم سے
خوشی حد سے گذر کر وجہ مرگِ ناگہاں کیوں ہو

پڑی ہے رات بھر باقی، سحر کو توبہ کر لینا
ابھی سے آرزوئے بادہ کش خوفِ اذاں کیوں ہو

تحقیق و جستجو کی خشک وادیوں کی آبلہ پائی عموماً لطافتِ طبع اور حسنِ ذوق کی خوشگوار حس کو منجمد کر کے رکھ دیتی ہے یا پھر مجروح کر کے کھردرا بنا دیتی ہے۔ اسی لئے محققین کی عمومی تحریریں خشک اور بے لطف ہوتی ہیں لیکن جنہیں حسن ازل سے لطیف جذبے ملے ہیں، وہ خارزاروں سے الجھنے اور ٹھوکروں سے کھیلنے کے باوجود دھڑکتے دل کی ترنگیں اور حسن آشنا لطیف جذبے رکھتے ہیں۔ اس لئے ان کی زندگی کا ہر لمحہ حسن فطرت کی رنگینیوں سے جگمگاتا نظر آتا ہے اور اس کا دلکش عکس ان کے شب و روز کے آئینے میں جھلملاتا محسوس ہوتا ہے۔ خوش طبعی، ظرافت، ہنستے مسکراتے لمحے اور کھلکھلاتے بول بھی انہیں جگمگاتی رنگینیوں کا حصہ ہیں۔ پروفیسر مختار الدین کا ذوق بھی حسن ازل کی اس رنگینی

سے آباد ہے۔ دلچسپ لب و لہجے کے مالک پروفیسر مختار الدین احمد اپنی مجلسی گفتگو میں بھی شگفتگیِ طبع سے پھول کھلاتے رہتے ہیں اور ان کی تحریروں میں بھی ظرافت، متین پیرائے میں اپنی زعفران زاریاں قدم قدم پر تقسیم کرتی چلی جاتی ہے۔

آکسفورڈ کی ایک بھیگی ہوئی شام کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"طے یہ ہوا کہ کمرے میں ہی کچھ کیا جائے۔ بریانی اور بہت زوردار مرغا پکا۔ یہ سب عزیز صاحب کی نگرانی میں ہوا ورنہ بیشتر اس فن شریف سے اسی قدر واقف تھے جس قدر عام امریکی ہندوستان سے اور ٹنڈن جی علی گڑھ سے" (پھول کھلے ہیں گلشن گلشن ص ۱۸۱)

اپنے علی گڑھ کے دوست محمد علی صاحب کا جو کلکتہ میوزیم کے انچارج تھے، ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"محمد علی ہم لوگوں کو اپنے خاص شعبے میں لے گئے اور ہزاروں سال پہلے کے ایک مفقود النسل جانور کے عظیم الشان اور ہیبت ناک ڈھانچے کے سائے میں کھڑا ہو کر انہوں نے مرحوم کے اوصاف و خصائل اور شجرۂ نسب تک اس روانی سے سنا دیا جیسے ان کا مرحوم سے برسوں کا دوستانہ رہا ہو۔" (یادوں کے چراغ ص ۷۹)

آپ کے آکسفرڈ کے سفر کی ڈائری میں، جو "زہے روانی عمرے کہ درسفر گذرد" کے نام سے "نقوش لاہور" میں شائع ہوئی۔ اس طرح کے بہت سے زعفران زار قطعے نظر آتے ہیں۔ چند سے آپ بھی لطف اندوز ہوں۔ مختار الدین احمد صاحب آکسفورڈ سے کیمبرج جا رہے ہیں۔ وہ لندن کی ٹرین کے مناظر کس انداز میں بیان کرتے ہیں۔ آپ بھی دیکھئے:

"میں نے ٹکٹ تھرڈ کلاس کا لیا ہے (یہاں دو ہی درجے ہوتے ہیں فرسٹ اور تھرڈ) لیکن ڈبے ایسے آرام دہ اور پرتکلف کہ پتہ ہی نہیں چلتا، کون تھرڈ ہے کون فرسٹ، یہاں ڈبے چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ انگریز زندگی کی ساری عادات و خصائل میں ڈھکا چھپا رہتا ہے۔ اس کی ہر چیز ڈھکی چھپی ہونی چاہیے۔ لمبے ڈبوں میں پرائیویسی نہیں ہوتی اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہم بازار میں بیٹھے ہیں۔ ہندوستان کے تھرڈ کلاس کے ڈبے یاد کیجئے۔ لوگوں کا ایک ہجوم ہے، بھانت بھانت کے لوگ جمع ہیں، کوئی اونگھ رہا ہے، کوئی سو رہا ہے، ایک صاحب کھانا تناول فرما رہے ہیں، دوسری طرف پان لگ رہے ہیں، ایک گوشے

میں تاش کھیلا جا رہا ہے تو دوسری طرف سیاسیات پر زور و شور سے گفتگو ہو رہی ہے، کوئی ہانپ رہا ہے، کوئی جماہیاں لے رہا ہے، آپ کسی لڑکی کو دیکھ رہے ہیں، لڑکی والا آپ کا سوٹ کیس تاک رہا ہے۔ اب بتایئے پرائیویسی کہاں رہی۔ عشق کرنے اور شعر سوچنے کا بھی موقع نہیں ملتا۔" (زہے روانی عمرے کہ در سفر گذرد۔ نقوش۔ لاہور ص ۶۲)

"ایک صاحب ابھی ٹکٹ دیکھ گئے۔ خواہ مخواہ زحمت فرمائی۔ پوری ٹرین میں ایک شخص بھی بغیر ٹکٹ کے نہ ہوگا۔ ہندوستان کے .T.C یہاں آ جائیں تو بڑی مایوسی ہو۔ سارے ذرائع آمدنی یکلخت بند۔ دوسرے صاحب ابھی چائے کو پوچھ گئے تھے۔ منٹوں میں لے آئے۔ میں نے چائے پیالے میں انڈیلی اور ایک سگریٹ سلگالی۔ ریسٹران اسسٹنٹ جب بل لے کے آیا تو اس نے مجھے دیکھا، پیسے لئے اور شکریہ ادا کر کے چلا گیا، بولا کچھ نہیں لیکن مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کہیں کوئی بات ایسی ہوئی ہے جو ہونی نہیں چاہیے تھی۔ اتفاق سے دریچے پر نگاہ پڑی تو معلوم ہوا یہ ڈبہ Non-Smokers کا تھا، سگریٹ پینے والوں کے لئے علیحدہ کمپارٹمنٹ ہوتے ہیں۔ میں یہاں بیٹھا تھا تو مجھے سگریٹ نہ پینی چاہیے تھی۔ بیرا تو کیا کہتا لیکن میرے نوجوان رفیق سفر نے بھی میری آزادی میں مخل ہونا پسند نہ کیا اور خاموش رہے۔ یہاں فرد اور اس کی خواہشوں کا احترام کرنا سکھایا جاتا ہے۔"

(زہے روانی عمرے کے در سفر گزرد۔ نقوش ص ٦)

ایسی زعفران زار فکر جب علمی اور ادبی نثر کی جانب متوجہ ہوتی ہے تو اس میں بھی اپنا اچھوتا پن برقرار رکھتی ہے۔ ابتدا میں صرف نگارش سے تعلق خاطر رہا، اشاعت کی جانب توجہ نہ ہوئی۔ پہلا مطبوعہ مضمون تاثراتی ہے جو دہلی کے روزنامہ انصاری مئی ۱۹۳٦ء میں شائع ہوا۔ یہ ڈاکٹر مختار احمد انصاری کی وفات پر تحریری تاثرات تھے۔ آپ کا پہلا ادبی مطبوعہ مضمون "خالق باری کے طرز کے بہاری مخطوطات ۱۹۴۰ء کے آس پاس" مولوی عبدالحق کے رسالہ "اردو" میں شائع ہوا۔ اس کے بعد تحریر و نگارش کا ایک سلسلہ چل نکلا جو تاہنوز مسلسل جاری ہے۔ آپ کے گرانقدر تحقیقی اسلوب میں ترشے ہوئے ادبی مضامین اردو ادب، معاصر، معارف، برہان، علی گڑھ میگزین، تحریر، آجکل، غالب نامہ، ادبی دنیا، ہمایوں، ادب لطیف، عالمگیر، مخزن، نقوش، ماہ نو، اوراق، صحیفہ، جامعہ، اورینٹل کالج میگزین میں اشاعت پذیر ہوتے رہے۔ علی گڑھ کے مختلف رسائل مجلہ علوم اسلامیہ، فکر و نظر

علی گڑھ میگزین، تہذیب الاخلاق، مجلتہ المجمع العلمی الہندی تو آپ کی خاص تحریری جولانگاہ رہے۔ ان نثری تحریروں میں جو بیشتر تحقیق کے گوشے سے متعلق ہیں، آپ نے جو دلچسپ اور لطیف اسلوب اپنایا ہے، اس سے تحقیقی ادب عموماً محروم رہتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ آپ کی تحریروں میں خشکی کا احساس نہیں ہوتا بلکہ ہر جگہ روانی اور لطافت کا ایک بہاؤ ملتا ہے جس سے قاری کی طبیعت مانوس ہوتی چلی جاتی ہے۔

آپ کی نثری نگارشات نے عربی اور اردو دونوں زبانوں کے ادب میں گرانقدر اضافے کئے ہیں۔ "مجلتہ المجمع العلمی الہندی" میں آپ کے بہت سارے عربی نثر کے شہ پارے بکھرے پڑے ہیں۔ عرب کی علمی دنیا سے آپ کے وسیع رابطے ہیں۔ مشاہیر عرب کے نام آپ نے جو خطوط لکھے ہیں، ان کے مطالعے سے بھی آپ کی عربی ادب پر گرفت محسوس کی جاسکتی ہے۔ آپ کی تحقیقی نثر میں بھی سہل ممتنع کا انداز، خوبصورت روانی، اچھوتی دلکشی اور دلوں کو موہ لینے والا انداز پایا جاتا ہے۔ میں اپنے ان تاثرات کو آپ کی عربی اور اردو نثر کے چند اقتباسات سے اعتبار دیتا ہوں۔

مشہور اسلامی فلسفی ابو یوسف کندی کے حالات زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ولاشك ان بدء حياة الكندى مع ترعرع علم الكلام الناشى و ازدهاره وسط حركة فكرية قوية و عناية بالعلم ـ وضعت امهات كتب الفكر الفلسفى تحت نظر المسلمين وقد اتاح للكندى تحصيل معارف واسعة، فيها كثير من العناصر الممتازة و كان عقله يتغذى من قراءة الكتب المنقولة علىٰ اختلافها و من الصلة المباشرة بكبار المترجمين الاولين، ومن المشاركة فى المناظرات والابحاث الكلامية و الفلسفية المتنوعة التى لم تكن تخلو منها مجالس الخلفاء و تدل مولفات الكندى علىٰ تبحر فى انواع العلوم وعلى شمول لكل ما كان يعنى مفكرى عصره من علوم كلامية او فلسفية بالمعنى الواسع ......والحقيقته ان استعراض اسماء كتبه يدل على شمول لميادين المعرفته منقطع النظير، وعلى انواع من الاهتمام بكل الا تجاهات و التيارات الفكرية فى عصره لا تتهيأ الا للعقول الكبيرة ـ"

(مجلته المجمع العلمی الهندی ۔۱۹۷۸م ص ۲۵۹)

عربی کی اس بلیغ عبارت کا لطف اہل زبان ہی اٹھا سکتے ہیں۔ اردو زبان کے دلچسپ اقتباسات میں سے کچھ پیش ہو چکے۔ اب یہاں دو تین تحقیقی لطیف اور بہار یہ رنگ کی نثر کے اقتباسات پیش کرتا ہوں۔ غالب سیریز کے مرتبات نقد غالب، احوال غالب اور گنجینۂ غالب میں آپ کے کئی مضامین درج ہیں۔ "مسز غالب در حدیث دیگراں" میں "سیر دہلی" کے مصنف شیخ محمد ریاض الدین امجد کا تعارف کراتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"مصنف کے متعلق زیادہ اطلاع نہ مل سکی۔ اس سفرنامہ سے جو کچھ معلوم ہو سکا وہ یہ ہے: پورا نام ریاض الدین امجد ہے۔ معلوم نہیں امجد تخلص ہے یا کیا، غزلوں میں تو ریاض تخلص ملتا ہے۔ ممکن ہے دونوں تخلص ہوں۔ اصلی وطن سندیلہ تھا۔ قیام متھرا میں تھا۔ ان کے چھوٹے بھائی مولوی نیاز علی دہلی کے سررشتہ تعلیم میں سب انسپکٹر تھے پھر ۱۸۶۰ء میں مدرس مدرسہ تعلیم المعلمین مقرر ہوئے۔ کتاب کی نثر میں بڑی شوخی اور رنگینی ہے۔ خوبصورت لڑکیوں، طوائفوں، کسبیوں کا ذکر بڑے خلوص، گہرے ذوق وشوق اور بے حد دلچسپی سے کرتے ہیں اور صفحے کا صفحہ اس "ذکر انور" پر خرچ کر دیتے ہیں۔ اس سفرنامے سے بہت اچھی روشنی اس بات پر پڑتی ہے کہ ۱۸۶۰ء میں دہلی میں مشہور طوائفیں کون سی تھیں اور ان کا رنگ ڈھنگ، طور طریقہ، پوشاک اور وضع قطع کیا تھی۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط نہ ہوگا کہ سفرنامہ کی ترتیب کے وقت مصنف شباب کی مستیوں سے سرشار تھا اور عبارت کی رنگینی اور شوخی کی اصلی وجہ یہی ہے۔" (احوال غالب ص ۵۱)

کیمبرج کے "کورپس کرسٹی کالج" کے "باذوق" لائبریرین صاحب کے ذوق کا ایک تماشہ دکھاتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آپ جانتے ہیں کہ جو اپنے فن کے ماہر ہوتے ہیں، وہ کسی نہ کسی حد تک کھوئے رہتے ہیں اور سنک سے معلوم ہوتے ہیں۔ یہی حال ان حضرت کا تھا۔ وہ زبان ومکان سے بے نیاز ہو کر لوگوں کو کتابیں دکھا رہے تھے۔ ایک خاندان کہیں باہر سے کیمبرج آیا ہوا تھا۔ وہ کسی طرح ان کی زد میں آ گیا۔ یہ خاندان بوڑھے تھکے ہارے افراد پر مشتمل تھا۔ ایک بوڑھا مرد، تین بوڑھی عورتیں۔ ان حضرات نے معلومات کا دریا بہانا شروع کر دیا۔ وہ حوالہ پر حوالہ دیئے جا رہے تھے اور کتابوں پر کتابیں سامنے رکھے جا رہے تھے۔ یہی

نہیں انہوں نے ان لوگوں سے پڑھوانا شروع کیا۔ اس لئے کہ بدقسمتی سے ان کی نظر کمزور تھی اور عینک (ان کے بقول) ان کی بیوی کے پاس رہ گئی تھی۔ آدھ صفحہ ایک صفحہ تک تو خیر مضائقہ نہ تھا لیکن اس سے زیادہ کے لئے وہ تیار نہ تھے۔ بوڑھی عورتیں، دیر تک ان سے کھڑا رہنا مشکل تھا۔ عینک لگا کر لاطینی عبارتیں پڑھنا تو بڑا مشکل کام تھا۔ ایک نے بدقسمتی سے کسی مصنف کا نام لیا کہ میں جانتی ہوں، اس نے بھی یہ لکھا ہے۔ ارے صاحب! یہ تو ان کی طبع کے لئے ایک تازیانہ ہوا، وہ فوراً اس کتاب کو بھی لے آئے اور اس کی عبارتیں پڑھوانی شروع کیں۔ اسی اثنا میں ایک فرانسیسی ترجمے کا ذکر آیا۔ وہ بڑھے ایک الماری کی طرف، خواتین نے بہت کہا کہ رہنے دیجئے لیکن وہ بھلا کہاں ماننے والے تھے۔ لمحوں میں اس کو لے کر پھر ان پر مسلط۔ اب وہ ہیں کہ بار بار کہہ رہی ہیں کہ مجھے اب چائے پر جانا ہے۔ ہاں پروفیسر! یہ کتاب واقعی بہت دلچسپ ہے، میں پھر کبھی آؤں گی اور واقعی بڑا افسوس ہے کہ وقت بہت کم رہ گیا ہے لیکن وہ کسی طرح راضی نہ ہوتے تھے اور اس بات پر مصر تھے کہ زیر بحث مصنف کے خیالات جن جن اطالوی اور فرانسیسی مصنفین نے لئے ہیں، وہ ساری کتابیں ان خواتین کو دیکھ کر جانا چاہیے۔ خواتین کی عجیب حالت تھی۔ انہیں نوادر دیکھنے کا شوق ضرور تھا لیکن کچھ اس قسم کا جس طرح آزادی کے بعد لٹن لائبریری علی گڑھ میں کسی گاؤں کے کچھ مکھیا اور مہنت قسم کے لوگ لائبریری دیکھنے آئے۔ وسط ہال میں کھڑے ہو کر انہوں نے ادھر ادھر دیکھا اور بولے: "یہاں تو بڑی پستکیں ہیں" اور پھر وہ واپس ہو گئے۔ تو حضرت ان کا بھی معاملہ کچھ اسی قسم کا ہونے والا تھا لیکن یہ ہمارے پروفیسر کے چکر میں آ گئیں۔ ایک ان میں سے زیادہ سوجھ بوجھ کی تھیں۔ انہیں اب یاد آیا کہ ان کی ٹرین چھوٹنے میں اب صرف آدھ گھنٹہ رہ گیا ہے، اس لئے کم از کم پروفیسر تو اجازت ہی دیں۔ ایک کمسن سی امریکی لڑکی ان سبھوں سے زیادہ ثابت قدم اور علم کی شوقین نکلی وہ بھی کسی طرح ہال میں ان لوگوں کے ساتھ گئی تھی اور یہاں پروفیسر کا مفت لکچر دیکھ کر اس قافلے میں شریک ہو گئی تھی۔ ان لوگوں کے جانے کے بعد بھی وہ بدستور ان کی کتابوں میں دلچسپی لیتی رہی۔

اب شام ہو چلی تھی اور لائبریری بند ہونے کا وقت ہو گیا تھا۔ وہ میرے پاس آئے اور بولے مجھے افسوس ہے کہ آپ سے بالکل باتیں نہ کر سکا۔ میں نے کہا، یہ میری کم

نصیبی ہے لیکن یقین فرمایئے میں آپ کے ارشادات سے برابر مستفید ہوتا رہا ہوں۔ (وہ میری میز کے دوسرے کنارے ہی پر کھڑے ہوکر سارے کرتب دکھا رہے تھے، گویا میرے سر پر ہی کھڑے ہوکر تقریر فرما رہے تھے) بولے، یہ کچھ نہیں۔ آپ چائے اس وقت ہمارے ساتھ پی رہے ہیں۔ میں کچھ کہنے والا ہی تھا کہ بولے: میں نے بیوی کو فون کر دیا ہے اور وہ ہم لوگوں کی اب منتظر ہوں گی اور دیکھئے (اس امریکی لڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) میں نے انہیں بھی مدعو کرلیا ہے، یہ بھی ہمارے ساتھ چل رہی ہیں۔ یہ شخص بڑا تجربہ کار معلوم ہوتا تھا اور اپنے فنکار پر سارے اسلحہ آزما لینے کا قائل تھا۔ چند منٹ میں ہم لوگ ان کے فلیٹ میں تھے۔ ان کی بیوی بڑی مذہبی اور خداترس تھیں۔ یہ بھی کچھ کم خدا ترس نہ تھے۔ فرق یہ تھا کہ یہ خدا کے ساتھ ساتھ اپنی بیوی سے بھی بے حد ڈرتے تھے۔"

(زہے روانی عمرے کہ در سفر گذرد۔ نقوش ص ۶۶،۶۷)

۱۲رمئی ۱۹۵۴ء کی آکسفورڈ ڈائری میں اس کے دلکش مناظر کی تصویر کشی کس بہار یہ انداز میں کرتے ہیں:

"یہاں کے میدان کس قدر شاداب، سبزہ کیسا خوبصورت اور پھول کتنے حسین ہیں۔ درختوں میں پھول ہی پھول ہیں، ہر طرح کے پھول، سفید پھول، سرخ پھول، گلابی پھول، زرد پھول۔ کیاریوں میں جو بیل بوٹے ہیں ان کا حسن اور بھی جاذب نظر ہے۔ میرے کالج سے سو قدم کے فاصلے پر کرائسٹ چرچ کا عظیم الشان کالج ہے اور وہاں کے پھول اس موسم میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ میں یہاں سے بیٹھا ہوا دیکھ رہا ہوں اور محظوظ ہو رہا ہوں۔ یہ پھول کیسے چمک رہے ہیں، کس طرح دمک رہے ہیں، کس قدر لطافت اور حسن رکھتے ہیں اور کیسا سرور اور تازگی بخش رہے ہیں۔ لوگ زندگی سے تھک کر، حالات سے عاجز آکر، ناکامیوں سے مایوس ہوکر خودکشی کیوں کرلیتے ہیں۔ اس موسم میں فطرت کا حسن کیوں نہیں دیکھتے۔ سورج کی چمک، رات کے سکون، دن کے اجالے اور شب ماہ تاب سے لطف اندوز کیوں نہیں ہوتے۔ آکسفرڈ آکر Isis اور Cherwell میں کشتی رانی کے مناظر سے محظوظ کیوں نہیں ہوتے، ان سبزوں کے دونوں طرف بیٹھنے والوں اور زندگی سے لطف اندوز ہونے والوں کو ایک نظر کیوں نہیں دیکھتے اور خودکشی سے پہلے کرائسٹ چرچ کے سبزہ زاروں اور ان گنت رنگوں کے حسین ترین لہلہاتے پھولوں کی سیر

کیوں نہیں کر لیتے، آئسیس خوبصورت جھیل میں حسین سفید بطوں کے پروں، ماڈلین کے ڈیر پارک میں ہرنوں کے قافلوں، ٹرنٹی کے شاداب میدانوں اور کرائسٹ چرچ کے سبزہ زار اور دلکش پھولوں کو دیکھ کر دل میں زندہ رہنے کی خواہش، کام کرنے کا شوق اور مناظر فطرت سے شادکام ہونے کی امنگ اور حوصلہ کس درجہ بڑھ جاتا ہے۔''

(زہے روانی عمرے کے در سفر گذرد۔ نقوش ۱۹۵۶ء ص ۶۱)

اب اخیر میں ایک گدگداتی ہوئی نثر سے بھی سرور حاصل کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں: ''شاہ صاحب ریڈیو بھی سناتے، خواص کی پان الائچی سے ضیافت بھی کرتے اور ساتھ ساتھ باتیں بھی کئے جاتے۔ ان کی باتیں صبر کا پیمانہ لبریز کرنے کے لئے کافی ہوتیں، وہ خبریں سنتے جاتے اور ساتھ ہی اپنی عقل وفہم کے مطابق تبصرہ بھی کرتے جاتے۔ تبصرے کچھ ایسے ہوتے تھے کہ خبریں سننے کا سارا لطف کرکرا ہو جاتا۔ ایک دوسری کمزوری ان صاحب میں یہ تھی کہ اعلیٰ قسم کی کوئی تقریر ہو رہی ہے یا بہترین نظم سنائی جا رہی ہو، ہٹلر بول رہا ہو، چرچل کی تقریر ہو رہی ہو۔ انہیں اگر یاد آ گیا کہ اس وقت کسی دوسری جگہ طمنچہ جان کہیں گا رہی ہیں بس فوراً ریڈیو کی سوئی گھما دیں گے۔ یہاں لوگوں کا یہ حال کہ ذوق وشوق سے آنکھیں بند کئے پورے انہماک سے کانگریس کے مطالبات کے سلسلے میں مسٹر ایمری وزیر ہند کی تقریر کے اقتباسات سن رہے ہیں اور اس طرف ریڈیو سیٹ پر لہریں بدلنے کی آواز پھٹ پھٹائی اور نغمہ بلند ہوا ''دلبر، دل آرا تیرے ناز نے، انداز نے گھائل کیا۔'' (نقوش ۱۹۵۸ء)

پروفیسر مختارالدین احمد کے نثری شہ پاروں سے لطف اندوز ہونے کے بعد ان کی ادبی کاوشوں کا بھی ایک سرسری جائزہ لیتے چلتے ہیں جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ آپ نے اپنے دلکش قلم کی روشنائی سے علم وادب کے کن کن ایوانوں میں اجالا کیا ہے۔ آپ کی مصنفات، مرتبات اور مقالات کی تعداد خاصی ہے جن کی تفصیلات ''مختار نامہ'' مرتبہ عطا خورشید اور مہر الٰہی ندیم میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ میں یہاں صرف ان کا شماریاتی جائزہ پیش کرتا ہوں۔ آپ نے درج ذیل عربی، اردو مصنفات اور مرتبات سپرد قلم کیں:

(عربی) ۱۔ دیوان شعر الامین اسامہ بن منقذ الکنانی الشیزری۔ ۲۔ المختار من شعر ابن الدُّمَیْنَة۔ ۳۔ الحماسة البصریة لصدر الدین علی بن ابی

الفرج البصری ـ ٤ ـ رسالة المبرد النحوی ـ ٥ ـ القصیدة الدالیة للاعشیٰ الکبیر مع شرح الشیزری ـ ٦ ـ کتاب مجالس المیمنی

(اردو) ـ ۱ ـ خطوط اکبر الہ آبادی ـ ۲ ـ ذاکر صاحب کے خط جلد سوم و چہارم ـ ۳ ـ احوال غالب ـ ۴ ـ نقد غالب ـ ۵ ـ تذکرہ شعرائے خیرآباد (تاریخ فرخ آباد کا چوتھا باب ـ از مفتی سید محمد ولی اللہ خیرآبادی) ـ ۶ ـ سیر دہلی ـ ۷ ـ ریاض الدین امجد ـ ۸ ـ کربل کتھا ـ ۹ ـ گلشن ہند ـ ۱۰ ـ حیدر بخش حیدری ـ (۲۸۹ رشعرائے اردو کا تذکرہ) ـ ۱۱ ـ تذکرہ آرزو ـ ۱۲ ـ دیوان حضور (شیخ غلام یحییٰ حضور عظیم آبادی) ـ ۱۳ ـ عبدالحق

ان مصنفات ومرتبات کے علاوہ عربی، اردو دونوں زبانوں میں آپ نے ادبی اور شخصی موضوعات پر بڑے گرانقدر اور وقیع مقالات قلم بند کئے ـ عربی مقالات کا موضوعاتی اشاریہ دیکھئے ـ ۱ ـ ابویوسف الکندی ورسالته فی الشعاعات ـ ۲ ـ احمدبن یوسف الکاتب المعروف بابن الدابته ـ ۳ ـ الاستاد آصف علی اصغر فیضی ـ ٤ ـ استاد محمد کرد علی و الهند ـ ٥ ـ عض المکتوبات النادرة ـ ٦ ـ تحیة من العلامتہ محمود شاکر ـ ۷ ـ ترجمته اسامته بن منقذ فی تاریخ الاسلام للذهبی ـ ۸ ـ جمال الدین محمود بن علی الاستادار ـ ۹ ـ حول ابن میمون البغدادی ـ ۱۰ ـ حیلة المیمنی کما رواهابنفسه ـ ۱۱ ـ الدکتور سمویل استرن ـ ۱۲ ـ الدکتور السید احمد ـ ۱۳ ـ الدکتور السید محمد یوسف ـ ۱٤ ـ الدکتور عبد الکریم جر مانوس ـ ۱٥ ـ الدکتور عبدالمعید خان ـ ۱٦ ـ الدکتور میشیل الخوری ـ ۱۷ ـ دیوان شعر بشاربن برد ـ ۱۸ ـ رسائل الاستاذ للمیمنی و الیه ـ ۱۹ ـ الشیخ محمد طیب المکی الرامبوری ـ ۲۰ ـ الشیخ محمد یوسف البنوری ـ ۲۱ ـ قصید تان الا ستاذ المیمنی ـ ۲۲ ـ قصیدة الا عشیٰ الکبیر فی مدح النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ـ ۲۳ ـ کلمة الاستاذ الدکتور مختار الدین احمد ـ ۲٤ ـ مشارکة اللغته الاردیة فی الحضارة الا سلامیة ـ ۲٥ ـ المقریزی و کتاب المقفیٰ ـ ۲٦ ـ نسخته تاریخیة لمجمل اللغته لابن فارس ـ ۲۷ ـ نور القبس المختصر من المقتبس ـ ۲۸ ـ وثیقته علمیة تاریخیته ـ

ادبی اور شخصی موضوعات پر آپ نے درج ذیل مقالات تحریر کیے:

۱۔آبرو کے دو مخمس ۔۲۔آثار غالب ۔۳۔آکسفورڈ سے ۔۴۔ابو العتاہیہ کی زہدیہ شاعری ۔۵۔ابو العتاہیہ کے کچھ غیر مطبوعہ اشعار۔۶۔احمد بن یوسف الکاتب المعروف بہ ابن الدایہ۔۷۔اردو ادب کی رفتار ترقی ۔۸۔اردو کا ایک قدیم رقعہ۔۹۔اسامہ بن منقذ کی کتاب الاعتبار اور دوسری تصانیف۔۱۰۔اسامہ بن منقذ کے حالات کا ایک اہم ماخذ۔۱۱۔ شعار ذوق (آثار ادبیہ) ۔۱۲۔اشعار میر پر ایک نظر ۔۱۳۔اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور ان کے ملفوظات ۔۱۴۔امام احمد رضا کا شخصیتی جائزہ۔۱۵۔اقبال کا ایک نو دریافت خط کے بارے میں ۔۱۶۔المقریزی کی ایک نادر غیر مطبوعہ تصنیف ۔۱۷۔انتخاب دیوان حاتم دہلوی مرتبہ سید امین اشرف ۔۱۸۔ان سے ملئے قیوم قائد۔۱۹۔۱۹۴۷ء کے علی گڑھ میگزین کے بارے میں ۲۰۔بابائے اردو مولوی عبد الحق ۔۲۱۔بالمکند بے صبر (غیر معروف شعراء) ۔۲۲۔بدیہہ گوئی۔۲۳۔پھولے کھلے ہیں گلشن گلشن ۔۲۴۔تذکرہ یادگار ضیغم ۔۲۵۔تفتہ کی تضمین گلستاں۔۲۶۔تلامذہ مصحفی ۔۲۷۔جان گلکرسٹ کے عہد کی ایک گمنام بہاری کتاب ۔۲۸۔جمیل الدین عالی ۔ کچھ ادیں کچھ باتیں۔۲۹۔ جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے۔۳۰۔ جہانگیر کے کتاب خانے کی دو کتابیں۔۳۱۔ حالی کی چند کمیاب تصانیف ۔۳۲۔چند دکنی مثنویاں اور ان کے نمونے ۔۳۳۔حالی کی دو کمیاب تحریریں۔۳۴۔حضرت غوث علی شاہ کی رند بلانوش سے ملاقات۔۳۵۔حمیدہ آپا۔۳۶۔حیات ملک العلماء۔۳۷۔ خالق باری کی طرز کے تین بہاری مخطوطات۔۳۸۔خواجہ غلام خوث بے خبر۔۳۹۔خورشید احمد فارق۔۴۰۔خیراتی خاں دلسوز۔۴۱۔در مدح غالب می گوید (بے صبر کی مثنوی لخت جگر کے ۴۸ شعر) ۴۲۔دو بلخی برادران ۔۴۳۔دیوان حاتم مکتوبہ مکند سنگھ فارغ۔۴۴۔دیوان حافظ اور تفاؤل۔۴۵۔دیوان مصحفی کا خدا بخش ایڈیشن ۔۴۶۔ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی۔ ۴۷۔ڈاکٹر اشرن ۔۴۸۔ڈاکٹر ذکی الدین: علی گڑھ کا ایک ممتاز سائنسداں ۔۴۹۔ڈاکٹر ضیاء الدین احمد: کچھ یادیں کچھ باتیں۔۵۰۔ڈاکٹر سید محمد یوسف۔۵۱۔ڈاکٹر مسعود احمد مجددی۔۵۲۔ڈاکٹر معظم حسین۔۵۳۔ڈاکٹر نجم الاسلام۔۵۴۔ڈاکٹر میشیل الخوری۔۵۵۔ ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی۔ایک محقق۔۶۵۔ذاکر صاحب اپنے ایک استاد کی نظر میں۔۵۷۔راجا راج کشن راجا۔ ۵۸۔راجا رام موہن رائے کا ایک اردو رقعہ۔۵۹۔رمز عظیم آبادی کی

شاعری۔ ۶۰۔ رشید احمد صدیقی کے چند غیر مطبوعہ خطوط۔ ۶۱۔ زہے روانی عمرے کہ در سفر گذرد۔ ۶۲۔ شیخ عبدالحق حقی بغدادی۔ ۶۳۔ سرسید کے ایک رفیق۔ منشی نجم الدین۔ ۶۴۔ سرغالب در حدیث دیگراں۔ ۶۵۔ شطحیات سید سلیمان ندوی۔ ۶۶۔ سید انشا کی ایک نادر تصنیف۔ ۶۷۔ سید الشعرا حضرت شاد عظیم آبادی۔ ۶۸۔ سید یوسف الدین احمد بلخی باطن۔ ۶۹۔ شاہ حاتم کا فارسی دیوان۔ ۷۰۔ شاہ غلام قلندر عظیم آبادی۔ بہار کا ایک گمنام مصنف۔ ۷۱۔ شذرات۔ ۷۲۔ شرف عالم آرزو جلیلی۔ ۷۳۔ شمس العلما ڈاکٹر ضیا الدین خاں دہلوی۔ ۷۴۔ شہزادی جہاں آرا کی موجودہ تحریریں۔ ۷۵۔ صلاح الدین الصفدی۔ ۷۶۔ طفیل صاحب سے ایک ملاقات۔ ۷۷۔ طلبائے علی گڑھ دیار فرنگ میں۔ ۷۸۔ طہماس نامہ (محکم الدولہ اعتقاد بیگ طہماس بیگ خاں رومی۔ ۷۹۔ عالم عظیم آبادی اور اس کی تصنیفات۔ ۸۰۔ عرشی صاحب کی عربی تصانیف۔ ۸۱۔ علامہ سید مرتضیٰ حسینی بلگرامی۔ ۸۲۔ علامہ میمن کا ایک نہایت ممتاز شاگرد۔ ۸۳۔ علی گڑھ کے شب و روز۔ ۸۴۔ علی گڑھ میں تصانیف خسرو کے قلمی نسخے۔ ۸۵۔ علی گڑھ میں غالب کی تحریرات و تصاویر اور دوسرے نوادر۔ ۸۶۔ غالب اور قاضی عبدالدود۔ ۸۷۔ غالب اور مفتی میر محمد عباس۔ ۸۸۔ غالب سے ایک ملاقات۔ ۸۹۔ غالب کا ایک غیر مطبوعہ خط اور چند اصلاحیں۔ ۹۰۔ غالب کا ایک غیر مطبوعہ فارسی مکتوب۔ ۹۱۔ غالب کا ایک معاصر نواب امیر حسن خان بسمل۔ ۹۲۔ غالب کا قدیم ترین مکتوب۔ ۹۳۔ غالب کی ایک اردو تقریظ۔ ۹۴۔ غالب کی ایک غیر مطبوعہ تحریر۔ ۹۵۔ غالب کی ایک کمیاب تصنیف۔ ۹۶۔ غالب کی ایک مہر۔ ۹۷۔ غالب کی بعض تصانیف کے بارے میں۔ ۹۸۔ غالب کی عظمت۔ ۹۹۔ غالب کے آٹھ خط۔ ۱۰۰۔ غالب کے ایک شعر پر بحث۔ ۱۰۱۔ غالب کے تین غیر مطبوعہ خط۔ ۱۰۲۔ غالب کے چند مطبوعہ اشعار۔ ۱۰۳۔ غالب کے چند نایاب خطوط۔ ۱۰۴۔ غالب کے خطوط ایک قدیم مجموعے میں۔ ۱۰۵۔ فارابی کی ایک تصنیف "فصوص الحکم"۔ ۱۰۶۔ فارسی کی ایک نادر بیاض۔ ۱۰۷۔ فغان بے خبر میں غالب کا ذکر۔ ۱۰۸۔ فیضی کی دو تحریریں۔ ۱۰۹۔ قاضی سید رضا حسین عظیم آبادی۔ ۱۱۰۔ قاضی عبدالودود۔ ۱۱۱۔ قاضی عبدالودود۔ خاندانی حالات۔ ۱۱۲۔ قتیل دہلوی تھا یا فرید آبادی۔ ۱۱۳۔ قیوم قائد۔ ۱۱۴۔ کالی داس گپتا رضا۔ ۱۱۵۔ کتابخانہ مانچسٹر کے بعض مخطوطات۔ ۱۱۶۔ کتاب خانہ ابن العلقمی کا ایک مخطوطہ۔ ۱۱۷۔ کچھ چراغ

اور بجھے۔ ۱۱۸۔ کچھ سیاح شاگرد غالب کے بارے میں۔ ۱۱۹۔ کچھ دیر سادات بلخ کے ساتھ۔ ۱۲۰۔ کچھ غالب کے بارے میں۔ ۱۲۱۔ کچھ محمود الاستادار کے متعلق۔ ۱۲۲۔ کلام احمد علی شاہ رامپوری۔ ۱۲۳۔ کلام اقبال کے عربی تراجم۔ ۱۲۴۔ کلام فغاں۔ ۱۲۵۔ کلام منور۔ ۱۲۶۔ کلیات ولی کا ایک نایاب نسخہ۔ ۱۲۷۔ مآثر غالب۔ ۱۲۸۔ مالک رام۔ ۱۲۹۔ مالک رام۔ ایک تعلق کے سفر نامہ۔ ۱۳۰۔ متفرقات تفتہ۔ ۱۳۱۔ مثنوی غلام رسول حسرت۔ ۱۳۲۔ مجمل اللغتہ لابن فارس کا ایک قیمتی نسخہ۔ ۱۳۳۔ محمد امان نثار۔ ۱۳۴۔ محمد طفیل کی یاد میں۔ ۱۳۵۔ مختار الدین احمد آرزو (خود نوشت)۔ ۱۳۶۔ مخمس رنگین (آثار ادبیہ)۔ ۱۳۷۔ مخمس نصیر دہلوی (آثار ادبیہ)۔ ۱۳۸۔ مرزا رحیم بیگ۔ ۱۳۹۔ مرزا زین الدین عشق دہلوی اور کلیات عشق۔ ۱۴۰۔ مرزا غالب سے ایک ملاقات۔ ۱۴۱۔ مرزا غالب کی تاریخ گوئی۔ ۱۴۲۔ مرزا غالب کی تصویریں۔ ۱۴۳۔ مسعود حسین خاں: چند تاثراتی نقوش۔ ۱۴۴۔ مشرقی کتب خانہ بانکی پور پٹنہ اور اس کے چند نوادر۔ ۱۴۵۔ مصحفی نمبر کی بعض لغزشیں۔ ۱۴۶۔ مصر کا ایک نامور مصنف۔ احمد امین۔ ۱۴۷۔ مفتی صدر الدین آزردہ کی کچھ نایاب وکمیاب تحریریں۔ ۱۴۸۔ ملا محمد سعد پٹنوی۔ ۱۴۹۔ ملفوظات فاضل بریلوی۔ ۱۵۰۔ ممتاز حسن کے خطوط دوارکا داس شعلہ کے نام۔ ۱۵۱۔ منتخب القوافی از عشق عظیم آبادی۔ ۱۵۲۔ منٹو: ایک نیم علیگی۔ ۱۵۳۔ مولانا احسن مارہروی: کچھ یادیں کچھ باتیں۔ ۱۵۴۔ مولانا اکبر آبادی کی ڈائری کے آخری اوراق۔ ۱۵۵۔ مولانا سید محبوب حسین۔ ۱۵۶۔ میر حسن علی تجلی۔ ۱۵۷۔ میر علی الکاتب کا ایک شاہکار۔ ۱۵۸۔ میرے بچپن کا عظیم آباد۔ ۱۵۹۔ میرے شب وروز (نصف صدی پہلے کی ڈائری کے کچھ اقتباسات)۔ ۱۶۰۔ نتیجۂ سخن۔ بنگال کا ایک قدیم گلدستہ۔ ۱۶۱۔ نزہتہ الخواطر میں بہار کے علماء ومشاہیر کا ذکر۔ ۱۶۲۔ نعیم دہلوی۔ ۱۶۳۔ نقوش سلیمانی۔ ۱۶۴۔ نوادر رضا۔ ۱۶۵۔ نوادر غالب۔ ۱۶۶۔ وفیات مشاہیر بہار۔ ۱۶۷۔ ہندوستان کا ایک بے حد ممتاز مصنف: شیخ احمد رضا خاں بریلوی۔ ۱۶۸۔ یادوں کے چراغ۔ ۱۶۹۔ یاران نکتہ داں۔ ۱۷۰۔ یگانہ چنگیزی کے حالات ایک غیر مطبوعہ تذکرے میں۔

ان کے علاوہ مخطوطات کے تعارف میں بہت سی تحریریں ہیں اور مشاہیر فن وادب کے خطوط کا عظیم ذخیرہ بھی آپ کے خزینۂ علمیہ کا قیمتی حصہ ہے۔ ان تحریروں کے ذخیرے

پر ایک سرسری نگاہ ڈالنے سے بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ صاحب قلم گہرا ادبی شعور نہ صرف ذاتی سطح پر رکھتا ہے بلکہ اس کی قیمتی سوغاتیں دوسروں میں تقسیم کرنے کے جذبے سے بھی سرفراز ہے۔ فکر کی یہی ادبیت اور ذوق کی یہی گرانقدری ہے۔ جس کے اعزاز میں مختلف ایوارڈ آپ کو نذر کئے جا چکے ہیں۔ ۱۹۶۵ء میں میرا کیڈمی لکھنؤ، میر ایوارڈ، ۱۹۸۳ء میں غالب انسٹی ٹیوٹ دہلی، غالب ایوارڈ آپ کو پیش کر چکے ہیں۔ ۱۹۷۹ء میں عربی زبان و ادب کی اعلیٰ خدمات کے اعزاز میں صدر جمہوریہ ہند کی جانب سے سرٹیفکٹ آف آنرمل چکا ہے۔ ۱۹۸۸ء میں مجلس "نذر مختار" دہلی آپ کے ادبی دوست مالک رام کی سرپرستی میں پانچ سو صفحات پر مشتمل "نذر مختار" پیش کر چکی ہے۔ ارباب تحقیق و ادب کے بیسیوں مقالات آپ کی علمی اور ادبی خدمات کا اعترافیہ ہیں۔ شمیلہ ستار نے گورنمنٹ کالج لاہور سے ڈاکٹر سید معین الرحمٰن کی نگرانی میں آپ پر ڈاکٹریٹ مکمل کی، عنوان تھا "ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو بطور غالب شناس۔" ابھی ۲۰۰۴ء میں جامعہ آل البیت جارڈن نے آپ کو اپنی علمی کمیٹی کا رکن نامزد کیا ہے۔ جس کے اعزاز میں شعبۂ عربی میں ایک نشست بھی ہوئی۔

لاؤڈ سپیکر کے متعلق ملک العلما کا فتویٰ

لاؤڈ سپیکر ایک بالکل نئی چیز ہے جس کا صریح حکم کتب احادیث وفقہ میں نہ ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں لیکن خداوند عالم ہمارے فقہائے کرام کی قبور کو انوار سے بھر دے کہ مسائل کا بیان ایسے لفظوں سے فرمایا کہ بہت سے نئے مسائل کا حل ان کی طرز تحریر وطریقہ تعبیر سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ لاؤڈ سپیکر کی وضع آواز کو بڑھانے اور دور تک پہنچانے کے لئے ہوتی ہے، یعنی آہستہ بھی جو بات کہی جائے یا جو بولی جائے اس کو دور تک پہنچادے اور شرع شریف کا مشہور اصول ہے: الامور بمقاصدها۔ حدیث شریف میں ہے: انما الاعمال بالنیات و لکل امری مانوی امور کا اعتبار اس کے مقاصد سے ہے اور اعمال کا ثواب اس کی نیت پر ہے اور ہر آدمی کو وہی ملے گا جو اس نے نیت کی ہے۔ اس لئے ایک ہی کام ہے اگر اچھی نیت سے کرے گا اچھا ہوگا، بری نیت سے کرے گا برا ہوگا، تو جہاں شریعت کا مقصود اعلان اور اعلام ہو جیسے اذان و خطبہ، وعظ ونصیحت اس میں لاؤڈ سپیکر لگانا ناجائز نہ ہوگا کہ یہ مقاصد شرع کی تکمیل وتجیل ہے اور اصل غرض کی تاکید و تائید ہے یعنی اذان کی آواز دور دور تک پہنچے اور دور کے رہنے والے اس اذان کو سن کر جماعت میں حاضر ہوں اور خطبہ و وعظ اور نصیحت سے جس طرح نزدیک والے مستفید ہوں، دور والے بھی اس سے فائدہ اٹھائیں۔ جیسے مقررین کی تقریروں کو نشر کرنے کے لئے تمام ہندوستان میں بلانکیر رائج ہے اور کسی عالم کو اس سے منع کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی لیکن نماز کی عبادت محض ہے۔ ہر شخص کو خضوع وخشوع سے دربار الٰہی میں حاضر ہو کر عبادت الٰہی میں مشغول ہونا چاہیے کوئی ایسی چیز درمیان میں حائل نہ ہونا چاہیے۔ جو مانع خشوع خضوع ہو اور لاؤڈ سپیکر کی آواز اور اس کی گھڑ گھڑاہٹ اور کبھی کبھی مہمل اور بے معنی الفاظ کا ظاہر ہونا، خیالات بانٹنے والا خشوع وخضوع کو مانع ہوگا، اس سے احتراز ہی چاہیے۔

اس سے بعض لوگوں کو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ نماز میں قرأت فرض ہے تو اس آلہ کے ذریعہ سے قرأت قرآن مجید کی آواز جہاں نہیں پہنچ سکتی، دور دور تک اس آلہ کے ذریعہ پہنچ جائے گی تو اس مقصد کے حاصل کرنے کو اگر لاؤڈ اسپیکر نماز میں لگایا جائے تو ناجائز

نہیں ہونا چاہیے تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ پنج وقتی نمازوں میں نصف قلیل یعنی ظہر وعصر میں تو اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ رہی وہ نماز جس میں قرأت جہری یعنی مغرب وعشا، فجر، جمعہ وعیدین وغیرہ تو فقہائے کرام نے اس کے متعلق فرمایا: والجهر فيما يجهر والمخافته فيما يخافت یعنی جہری نماز میں قرأت جہر سے کرنا اور سری نماز میں قرآت آہستہ کرنا، یہ نہیں فرمایا کہ والاسماع قراته للمصلين فما يجهر یعنی جہری نماز میں سب مصلیوں کو قرأت سنانا۔ رہا جہر اور مخافتہ کی حد کیا ہے۔ جہر یہ ہے کہ غیر سن سکے اور ادنیٰ مخافتہ یہ ہے کہ خود سنے اور جو قریب ہو۔ درمختار ۲۸۲ میں ہے: ادنى الجهر اسماع غيره وادنى المخافته اسماع نفسه من بقربه۔ علامہ شامی نے ردالمحتار ص ۲۹۵ میں قہستانی اور مسعودیہ سے نقل فرمایا: ان جهر الامام اسماع صف الاول۔ جہر کرنے کے معنی یہ ہیں کہ صف اول کے لوگ قرأت سن لیں۔ تو جب شریعت نے امام کے اوپر فرض نہیں کیا کہ سب مقتدیوں کو قرأت سنائے تو اس کے لئے خواہ مخواہ تکلف کرنا اور ایک آلہ کا سہارا پکڑنا بے فائدہ بات ہے۔ خصوصاً اس حالت میں جب کہ اکثر درمیان قرأت میں یہ آلہ فیل کر جاتا ہے اور طرح طرح کی واہی تباہی آوازیں مسموع ہوتی ہیں جو مقتدیوں کی پریشانی کا باعث ہوتی ہیں۔

علاوہ بریں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اس آلہ کے ذریعہ سے جو آواز مسموع ہوتی ہے، وہ امام ہی کی آواز ہے یا امام کی آواز اس سے ٹکر کھا کر ایک آواز نکلتی ہے جس کو عربی میں صدا کہتے ہیں تو صدا کا حکم دوسرا ہے۔ اس لئے قرآن شریف پڑھتے وقت آیات سجدہ غیر کے پڑھنے سے پڑھنے اور سننے والے دونوں پر سجدہ واجب ہے لیکن اگر صدا سے آیت سجدہ سنا تو سجدہ تلاوت واجب نہ ہوگا۔ درمختار ص ۵۶۹ میں ہے: لا تجب بسمله من الهدى والطير ومن كل قاله صرفاً ولا بالتهجى۔ اشباہ شامی اسی صفحہ میں ہے: (قوله من الصدى) هو ما يجيبك مثل صوتك فى الجبال والصحارى ونحو هما كمافى الصراح۔ تو اس صورت میں وہ امام کی قرأت نہیں بلکہ خارج سے ایک قرأت سن رہا ہے اور اس کی اقتدا کرتا ہے۔ اس صورت میں آلہ کو نماز میں لگانا اپنی نماز کو مشتبہ کرنا ہے، اس لئے احتراز ہی کرنا چاہیے۔

اور اگر کہا جائے کہ یہ آلہ قرات سنانے کو نہیں لگاتے ہیں بلکہ تکبیرات انتقالیہ تکبیر

تحریمہ رکوع وقومہ وسجود کے لئے لگاتے ہیں تو یہ توجیہ بھی صحیح نہیں ۔اس لئے کہ اس کا انتظام شریعت نے بذریعہ مکبروں کے کردیا ہے۔جہاں مختصر جماعت ہوتی ہو وہاں امام ہی کی تکبیرات کافی ہیں اور جہاں بڑی جماعت ہوتی ہے تو تیسری یا چوتھی صف میں مکبر متعین کردیئے جاتے ہیں ۔یہ امام کی تکبیرات کے ساتھ تکبیرات کہتے ہیں اور تمام مصلیوں تک پہونچتی ہیں ۔اس سے نظم درست ہوجاتا ہے اور سب لوگوں کو امام کی تکبیرات انتقالیہ کا علم ہوجاتا ہے اس کے علاوہ اس میں ایک سخت دقت یہی ہے کہ پہلی تکبیر تحریمہ کے لئے حسب تصریح فقہائے کرام یہ ضروری امر ہے کہ مکبر کی نیت تکبیر افتتاح سے صرف اعلام نہ ہو بلکہ احترام مقصود ہو۔اگر صرف اعلام کے لئے مکبر نے تکبیر کہی اور تکبیر تحریمہ کہنا مقصود نہ تھا تو اس کی نماز نہ ہوئی اور نہ ان لوگوں کی ہوگی جنھوں نے اس کی تکبیر پر تکبیر کہی، اس لئے کہ اس نے ایسے شخص کی اقتدا کی جو داخل نماز نہیں ہے۔ردالمحتار ص ۳۵۱ میں ہے:

ثم اعلم ان الامام اذا کبرالا فتتاح فلا بد لصحة صلوته من قصده بالتكبير الاحرام والا فلاصلوة له اذا قصد الاعلام فقط فان جمع بين الامرين بان قَصدالاحرام والاعلان الا علام فذالك هوالمطلوب منه شرعا و كذالك المبلغ اذاقصد التبليغ فقط خاليا عن قصد الاحرام فلا صلوة له ولا لمن يصلى بتبليغه فى هذه الحالة لانه اقتدىٰ لمن لم يدخل فى الصلاة فان قصد بتكبيره الا حرام مع التبليغ للمصلين فذ الك هوالمقصود منه شرعا كذافى فتاوىٰ الشيخ محمد ابن محمد الغزى الملقب بشيخ الشيوخ وجهه ان تكبيرالا فتتاح شرط اور كن فلابدفى تحقيقها من قصد الاحرام اى الدخول فى الصلاة۔

اس عبارت سے بہت واضح طور پر معلوم ہوا کہ مبلغ جب پہلی تکبیر کہے تو اس کی نیت نماز شروع کرنے کے ساتھ زور زور سے کہنا اعلان کے لئے ہو اور اگر صرف اعلام ہی کی غرض سے مکبر نے تکبیر کہی تو اس کی نماز نہ ہوگی، اس لئے اقتدا غیر مصلی کے ساتھ ہوئی اور یہ جائز نہیں اور ظاہر ہے کہ جس شخص نے لاؤڈ سپیکر کی آواز پر تکبیر کہی، اس نے بھی غیر مصلی کے ساتھ اقتدا کیا، اس لئے کہ لاؤڈ سپیکر تو مصلی نہیں بلکہ وہ ایک آلہ بے جان ہے جو امام کی آواز سے ٹکرا کر ایک آواز پیدا کرتا ہے اور بجلی کی قوت سے صاف طور پر لوگوں کو سنا تا ہے تو اقتدا کرنے والوں کی نماز درست نہ ہوگی، اس لئے کہ انہوں نے امام کی اقتدا

میں نہ تکبیر تحریمہ کہی، نہ دیگر تکبیرات انتقالیہ بلکہ ایک غیر مصلی کی اقتدا کر کے قرأت اور تکبیرات سنی اور کہی۔ ایسی صورت میں لاؤڈ سپیکر نماز میں ہرگز نہ لگانا چاہیے۔ یہی قرین عقل اور مقتضائے فقہ ہے اور مقتضائے عقل و ورع ہے، کیوں اپنی نماز کو بے وجہ خطرہ میں ڈالیں اور دوسروں کی نماز ضائع ہونے کا وبال اپنے سر لیں۔ واللہ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم

کتابیات

۱۔ آداب الافتا۔ مولانا سید ظہیر الدین زیدی۔ بیت السادات، دودھ پور، علی گڑھ
۲۔ اسلامی نظریہ موت۔ ملک العلما محمد ظفر الدین رضوی۔ المجمع العلمی۔ ہزاری باغ
۳۔ اشرفیہ (ماہنامہ) جولائی ۱۹۷۷ء۔ مدیر بدر القادری۔ جامعہ اشرفیہ۔ مبارک پور
۴۔ امام احمد رضا دانشوروں کی نظر میں۔ خواجہ انجم نظامی۔ لاہور
۵۔ بزم صوفیہ۔ سید صباح الدین عبد الرحمٰن۔ دار المصنفین۔ اعظم گڑھ
۶۔ تاریخ ابلاغ چشت مولانا احتشام الدین فریدی۔ شہسرام
۷۔ تاریخ التشریع الاسلامی۔ محمد خضری بک اردو ترجمہ مولانا عبد السلام ندوی۔ دار المصنفین۔ اعظم گڑھ۔
۸۔ تاریخ شہسرام۔ مولانا وزیر علی خاں مصلح شہسرامی۔ دیو بند
۹۔ تاریخ علم فقہ۔ مفتی سید عمیم الاحسان۔ مکتبہ، برہان۔ دہلی
۱۰۔ تحریر شافی در مسلک کافی۔ مولانا شاہد حسین سوز ناروی۔ الہ آباد
۱۱۔ تذکرہ مسلم شعرائے بہار جلد چہارم۔ سید حمید اللہ ندوی، کراچی
۱۲۔ تذکرہ مولانا حافظ عبد الرؤف بلیاوی۔ علامہ قمر الحسن بستوی۔ المجمع الاسلامی۔ مبارکپور
۱۳۔ جہان رضا ماہنامہ۔ مدیر: پیرزادہ اقبال احمد فاروقی۔ لاہور
۱۴۔ حیات اعلیٰ حضرت۔ ملک العلما ظفر الدین قادری۔ مرکز اہل سنت برکات رضا پور بندر۔ گجرات
۱۵۔ حیات ملک العلما۔ پروفیسر مختار الدین احمد۔ ادارۂ معارف نعمانیہ۔ لاہور
۱۶۔ حدوث الفتن وجہاد اعیان السنن مشمولہ المعتقد المنتقد۔ محمد احمد مصباحی۔ رضا اکیڈمی۔ ممبئی
۱۷۔ الدلائل القاہر علی الکفرۃ النیاشرہ (صلح کلیت اور دین حنیف) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری، ادارہ افکار حق۔ بائسی۔ پورنیہ
۱۸۔ ذکر عطا۔ سید شاہ حسین الدین احمد۔ خانقاہ ابو العلائیہ منعمیہ۔ گیا
۱۹۔ رد المحتار علی الدر المختار۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی۔ بیروت
۲۰۔ روداد سالانہ مدرسہ خیریہ نظامیہ۔ مرتب بانی خیریہ علامہ فرخند علی فرحت شہسرامی، شہسرام
۲۱۔ سنی ماہنامہ......وارثی، لکھنؤ
۲۲۔ شرح عقود رسم المفتی۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی۔ بیروت

۲۳۔شکست ساز۔محمد ظفر رضوی کاکوی۔محلہ دائرہ۔شہسرام
۲۴۔صحیح البہاری۔ملک العلماشاہ ظفر الدین قادری رضوی۔کراچی
۲۵۔عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ۔ابوالحسنات عبدالحی فرنگی محلی۔فاروقیہ بک ڈپو۔دہلی
۲۶۔فتاویٰ رضویہ۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی۔رضا اکیڈمی۔ممبئی
۲۷۔فتاویٰ مظہریہ۔مفتی مظہر اللہ نقشبندی مرتبہ: پروفیسر محمد مسعود احمد، ادارہ مسعودیہ۔کراچی
۲۸۔فتاویٰ ملک العلماعلامہ ظفر الدین قادری۔ساحل شہسرامی (علیگ) المجمع الرضوی بریلی
۲۹۔الفقہ الاسلامی وادلتہ۔ڈاکٹر وہبہ زحیلی۔دار الفکر۔دمشق
۳۰۔فقہی پہیلیاں (مقدمہ) علامہ ارشد القادری۔کتب خانہ امجدیہ۔دہلی
۳۱۔مجلۃ المجمع العلمی الہندی، ۱۹۷۸ء۔مدیر: پروفیسر مختار الدین احمد۔علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔علی گڑھ
۳۲۔مختار نامہ۔مرتبہ ڈاکٹر سید عطا خورشید و مہر الہیٰ۔علی گڑھ ہیریٹج پبلکشرز۔علی گڑھ
۳۳۔موذن الاقات۔ملک العلماظفر الدین قادری رضوی۔ناظمہ منزل، امیر نشاں، علی گڑھ
۳۴۔مولانا سید شاہ غیاث الدین حسن شریفی رضوی۔علامہ ساحل شہسرامی (علیگ)۔خانقاہ غیاثیہ شریفیہ شہسرام
۳۵۔المیزان (ماہنامہ) مدیر: علامہ سید محمد مدنی۔کچھوچھہ
۳۶۔نذر مختار۔مرتبہ مالک رام۔مجلس نذر مختار۔دہلی
۳۷۔ہندوستان میں عربی شاعری (تحقیقی مقالہ) ڈاکٹر حامد علی خاں، تھیسس ڈویژن، مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ

گرامی تاثرات

☆ مولانا ارشاد احمد رضوی مصباحی ساحل شہسرامی (علیگ) صاحب قلم اور صائب قلم ہیں۔

(پروفیسر سید محمد امین قادری برکاتی، مارہرہ شریف)

☆ شاعر ساحل جب نثر کے میدان میں قدم رکھتا ہے تو تفحص، تحقیق، تطبیق، مناسب ترین الفاظ کی ترتیب، جملوں کی تہذیب اس کے ہاتھوں میں شمشیر رواں کا کام کرتی ہیں۔

(سید محمد اشرف قادری برکاتی، مارہرہ شریف)

☆ عزیز القدر مولانا ارشاد احمد رضوی سلمہ شریف الطبع، پرخلوص طبیعت رکھتے ہیں۔ خاموشی اور یکسوئی کے ساتھ دین وسنیت اور مسلک اعلیٰ حضرت کی خدمت میں مصروف ہیں۔ ان کی لگن، محنت اور لیاقت کو دیکھ کر دل سے دعا نکلتی ہے۔

(تاج الشریعہ مفتی محمد اختر رضا قادری ازہری، بریلی شریف)

☆ عزیزم ساحل شہسرامی (علیگ) خلوص پیشہ محقق، باذوق مصنف، عمدہ شاعر، سادہ طبیعت عالم دین ہیں۔ بزرگان دین سے خاص عقیدت رکھتے ہیں۔ مجھے ان کی جن خوبیوں نے متاثر کیا، ان میں علمی صلاحیت اور طرز ادب خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

(شیخ عصر علامہ سید شاہ غلام مصطفیٰ احمد منعمی، گیا)

☆ ان کی تلاش وجستجو اور ان کا ذوق وشوق دیکھ کر ان کے لئے دل سے دعا نکلتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ان کا علمی سفر جاری رہا تو انشاءاللہ تعالیٰ ایک دن اہم سنی مصنفین میں ان کا شمار ہوگا۔

(پروفیسر مختار الدین احمد، علی گڑھ)

☆ عزیزی مولانا ارشاد احمد رضوی مصباحی ساحل شہسرامی (علیگ) جس موضوع پر بھی لکھتے ہیں، خوب لکھتے ہیں۔ مستقل موضوعات کی تلاش میں رہتے ہیں اور جب کوئی موضوع مل جاتا ہے تو تحقیق کا حق ادا کر دیتے ہیں۔

(پروفیسر سید جمال الدین احمد اسلم، علی گڑھ)

☆ موصوف (ساحل شہسرامی) عربی فارسی کی مہارت کے ساتھ کتب تصوف کا بھی خاصا مطالعہ رکھتے ہیں۔

(علامہ محمد احمد مصباحی، مبارکپور)

☆ مولانا (ساحل شہسرامی) ایک اچھے قلم کار ہونے کے ساتھ ساتھ فتویٰ نویسی کا ذوق اور تجربہ بھی رکھتے ہیں۔

(مفتی محمد نظام الدین رضوی، مبارکپور)

☆ عزیز القدر فاضل گرامی مولانا ارشاد احمد رضوی مصباحی ساحل شہسرامی (علیگ) ایک با صلاحیت مصباحی عالم دین ہیں۔

(مفتی مطیع الرحمٰن رضوی، بنگلور)

☆ ساحل شہسرامی (فتاویٰ ملک العلما) میں شامل ان کا مبسوط مقدمہ پڑھ کر مجھے ان کی علمیت کا قائل ہونا پڑا۔

(ڈاکٹر محمد اشرف انصاری، بریلی)

☆ مولانا ساحل شہسرامی مصباحی (علیگ) اپنے دور طالب علمی سے ہی مطالعہ وتحقیق اور تحریر کا اچھا ذوق رکھتے ہیں۔

(علامہ یٰسین اختر مصباحی، نئی دہلی)